يا مولا كريم صلوات الله عليك و عجل فرجك

مَن مَاتَ وَلَم يَعرِف الاِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيتَةً الجَاهِلِيَّة

نہج المعرفت

فی

اسماء القائمؑ

(جلد اول)

خطباتِ عالیہ

شہزادہ فصیح البیان

السید محمد جعفر الزمان نقوی البخاری

مصنف کا نام : مخدوم السید محمدؐ جعفرؐ الزمان نقوی البخاری

کتاب : نہج المعرفت فی اسماء القائم جلد اول

مرتب : مہتاب اذآفر

تکنیکی معاونین : علی رضا، بلال حسین

سنہ اشاعت : 2012ء

تعداد : 1000

ایڈیشن : سوئم

پرنٹرز : فدک پرنٹنگ پریس لاہور

پبلشرز : القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی

کمرہ نمبر 11 اے اینڈ کے چیمبر 14 ویسٹ اینڈ وہارف روڈ

کراچی نمبر 2 پوسٹ کوڈ 74000 پاکستان

فون نمبر 021-3220537,32311979,32311482

Email-klbehaider@yahoo.com

ملنے کا پتہ : المنتظرین پبلیکیشن جمن شاہ ضلع لیہ

فون نمبر : 0606460259

ویب سائٹ : www.Khrooj.com

www.jammanshah.com

Email.jammanshah@gmail.com

ISBN-969-8809-25-3

بسم الله الرحمن الرحيم
یا مولا کریمؑ عجل الله فرجك و صلوات الله علیك و علیٰ آبائك الطاهرین المعصومین

انتساب

آقائی و مرشدی و سیدی دام ظلہ تعالیٰ کے نام کہ جنھوں نے اپنے بے پناہ احسان و کرم سے مجھے اپنے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ذات اقدس سے روشناس ہی نہیں بلکہ واصل فرمایا

جعفر نقوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علی آبائک الطاہرین المعصومین

فہرست عناوین

......☆......

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاھرین المعصومین

کلی حمد ہے اس ذات کی جس کیلئے اس سے بڑا اعزاز کوئی ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ محمدؐ وآل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام کا رب ہے اور مخلوق کیلئے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا کہ اگر انہیں محمدؐ وآل محمد علیہم الصلوات و السلام کا تقرب حاصل ہو جائے

ایک عارف کیلئے اس بات کا حمد کرنا ناممکن ہے کہ اگر اسے محمدؐ وآل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام کی معرفتِ نورانی کا ایک شمہ مل جائے یا اس نور کے بحر بیکراں سے ایک قطرہ نور عطا ہو جائے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ چیز اکتسابی نہیں ہے بلکہ عطائے محض ہے کوئی دانا ترین انسان کمانا بھی چاہے تو جب تک شہنشاہ معظم ہمارے وارث و مالکِ حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف سے رابطہ نہ کرے اور ان کا فضل وکرم شاملِ حال نہ ہو کسی کو کچھ نہیں مل سکتا

انسان جب میدان علم میں قدم رکھتا ہے اور اسے نور علم عطا ہونا شروع ہو جاتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ علم حاصل نہیں کر رہا بلکہ اپنی جہالت کو دریافت کر رہا ہے' نور علم کی روشنی میں اسے اپنی جہالتیں واضح نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں جیسے جیسے علم بڑھتا ہے انسان کا احساس جہالت بڑھتا جاتا ہے اور پھر ایک منزل پہ انسان یہ سمجھنا شروع کر دیتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں جانتا

جو لوگ ہمہ دانی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جاہل ہوتے ہیں اسی لئے فرمایا گیا تھا کہ جو

شخص خود کو عالم کہتا ہے یقیناً وہ جاہل ہے کیونکہ علم کی انتہا اقرارِ جہالت ہے عالم جب بات کرتا ہے تو وہ صرف اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی نہیں کہتا کہ میرے رائے سو فی صد درست ہے بلکہ وہ کہتا کہ میں یہ سمجھتا ہوں مگر یہ نہیں جانتا کہ یہ بات درست ہے یا غلط ہے لیکن مجھے فی الحال یہ درست لگتی ہے ممکن ہے کہ میری رائے غلط ہو اگر کوئی شخص اپنی بات کو سو فی صد درست مانتا ہے اور اپنی رائے میں کوئی کمزوری دریافت نہیں کرسکتا تو یہ علمی تعصب کہلاتا اور علمی تعصب کو علم کیلئے زہر قاتل سمجھا جاتا ہے اس دنیا میں جتنے بڑے بڑے سائنسدان ہیں ماہرینِ علوم جدید ہیں وہ اپنی کسی بات کو حرفِ آخر نہیں کہتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ علم کے میدان میں حرفِ آخر نام کی کوئی چیز ہوتی ہی نہیں اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ میری رائے درست بھی ہے اور اسے منوانے پر زور بھی دیتا ہے تو یہ جہالت بھی ہے علمی تعصب بھی ہے اور علمی جارحیت بھی ہے اور علمی جارحیت جسمانی جارحیت سے لاکھوں گنا زیادہ بدتر ہوتی ہے علم کا کلیہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جزو سے کل پہ استدلال کرتا ہے یعنی چھوٹی چیز سے بڑی پہ دلیل لاتا ہے ایک عام مومن سے ابرار کی فضیلت پر استدلال کرتا ہے اور ابرار سے مقربین پر اور مقربین سے انبیا و مرسلین علیہم السلام کے فضائل پہ استدلال کرتا ہے اور انبیا و مرسلین علیہم السلام کے فضائل سے خاتم انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور ان کی آل اطہار علیہم الصلوات و السلام کے فضائل پر استدلال کرتا ہے یعنی انسان جب بات نیچے سے اوپر لے جاتا ہے تو کہیں گرنے کا احتمال ختم نہیں ہوتا تو کم ضرور ہو جاتا ہے

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی عارف نیچے سے سلسلہ گفتگو شروع کرتا ہے تو ایک

عام آدمی اس سے اتفاق نہیں کرتا اور اس پر کفر و شرک کے فتوے دینا شروع کر دیتا ہے یہ اس سامع کی نا سمجھی ہوتی ہے کیونکہ وہ عوامی تصورِ توحید کا حامل ہوتا ہے اس لئے اسے کسی کی ذرا سی فضیلت بھی توحید سے متصادم نظر آتی ہے

تصورتوحید کے لاتعداد مراتب ہیں کیونکہ جیسے ایک انسان کی دوسرے سے شکل جدا ہوتی ہے اسی طرح ہر انسان کی ایک دوسرے سے عقل بھی جدا ہوتی ہے اور جب عقل جدا ہو گی تو نظریہ وفکر وتصور بھی دوسرے سے جدا ہوتا ہے اس لئے کسی ایک شخص کا تصورتوحید من حیث الکل کسی دوسرے شخص سے نہیں ملتا لیکن ہم جزی طور پر دیکھیں تو ہمیں تصورات توحید کے چند بڑے بڑے مراتب نظر آتے ہیں جیسا کہ (1) عوام کا تصورِتوحید ہے (2) فقہا کا تصورتوحید ہے (3) حکما کا تصورتوحید ہے (4) عرفا کا تصورتوحید ہے (5) انبیا ورسل علیھم السلام کا تصورتوحید ہے (6) محمد و آل محمد علیھم الصلوات و السلام کا تصورتوحید ہے

(1) عوام کا تصورتوحید یہ ہے کہ وہ ہر بات کو اللہ جل جلالہ سے بلا واسطہ منسوب کرتے ہیں اور درمیانہ علل واسباب، وسائل ووسائط کے لامتناہی سلسلے کو بالکل نہیں دیکھتے (2) فقہا کے تصورتوحید کے کئی مراتب ہیں مگر اس میں یہ بات مشترک ہے کہ اللہ جل جلالہ کی ذات وصفات کے بارے میں جو الفاظ کلام الٰہی میں وارد ہوئے ہیں انہیں بعینہٖ ماننا لازم ہے اس میں حنابلہ تو کسی بھی لفظ میں تاویل کو جائز نہیں جانتے حتیٰ کہ اللہ کے ہاتھوں پاؤں چہرے پنڈلی تک کو حقیقی سمجھتے ہیں اور اللہ جل جلالہ کو مجسم مانتے ہیں اسی طرح دیگر فقہا ہیں جنہیں اس دور میں علما کہا جاتا ہے ان کے کئی طبقے ہیں اور کئی اس قسم کے الفاظ میں تاویل جائز ہی نہیں واجب مانتے ہیں مگر

تاویل میں اختلافات کا انبار لگا ہوا ہے

(3) حکما (یعنی ماہرینِ علمِ کلام و صاحبانِ فلسفہ و منطق) کا جو تصورِ توحید ہے وہ معقولات پر مبنی ہے یعنی عقل ہی سے توحید کا اثبات کیا جاتا ہے اور امام غزالیؒ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ اللہ جل جلالہ کو سمجھنے کیلئے اگر کلام الہی نہ بھی آتا تو عقل سے اس کی ذات کو سمجھا جا سکتا تھا میرا یہ منصب نہیں کہ میں ان پر کوئی اعتراض وارد کروں ہاں میں اتنا سمجھتا ہوں کہ عقل سے ہم ذاتِ ورالورا کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ علم کلام و معقولات سے ہم زیادہ سے زیادہ ایک واجب الوجود ذات کا اثبات کرلیں گے اور وہ بھی مشروط یعنی زمانے کو محدود سمجھنا شرط ہے اگر زمانے کو بھی لامحدود فرض کرلیا جائے تو پھر یہ بھی ثابت نہیں ہوسکتا اور اگر ہم ایک واجب الوجود کا اثبات کر بھی لیں تو اس کے باقی صفات کا اثبات ناممکن ہی رہے گا لیکن پھر بھی وہ ایک ذات کو واجب وقدیم ہی مانتے ہیں

(4) عرفا و اولیا کے کا جو تصورِ توحید ہے وہ ایک طرح سے سلبی ہے ایجابی نہیں ہے وہ محمدؐ و آل محمدؐ علیھم الصلوات و السلام کے فضائل سے توحید اخذ کرتے ہیں کہ جب یہ ذوات متعالیات ہمارے عقول میں نہیں آ سکتے تو جو ان کا رب ہے وہ ہمارے اذہان و عقول و افہام و ادراک میں کیسے آ سکتا ہے اور وہ تو ان کی کما حقہٗ معرفت سے عجز کا اقرار کرتے ہیں تو اللہ کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا ہے وہ ایسا ہے کیونکہ جہاں ایسا ہے ایسا ہے کہا جاتا ہے وہاں وہ نہیں ہوتا کسی اور کی بات ہو رہی ہوتی ہے اور اس کے غیر کو" وہ" کہنا شرک ہے

جب عرفا محمدؐ و آل محمد علیھم الصلوات و السلام کے فضائل بیان کرتے ہیں تو وہ فقہا و حکما و

علما کے تصورِ توحید سے متصادم ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اللہ جل جلالہ کی ایک حد سمجھتے ہیں اور اسے محدود سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں سب سے اونچا مقام واجب الوجودیت کا ہے حالانکہ اپنے مرتبۂ اصل میں کائنات کی ہر چیز واجبِ الوجود ہے کوئی چیز ممکن الوجود نہیں ہے کیونکہ وجود کے جو چار اقسام بیان ہوئے ہیں ان میں ایک وجود ذہنی ہے جسے وجود علمی کہا جاتا ہے یعنی وجود ذہنی کسی چیز کا پہلا وجود ہوتا ہے اس کے بعد وجود حقیقی و خارجی آتا ہے اس کے بعد وجود مکتوبی و وجودِ ملفوظی ہے یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ میں ان کے نظریے کو درست مانتا بھی ہوں یا نہیں مگر جو لوگ اسے درست مانتے ہیں ان کیلئے عرض کروں گا کہ سب سے اولین وجود وجود علمی و ذہنی ہے اور اس کائنات کی ہر چیز علم الٰہی میں تب سے ہے جب سے اللہ جل جلالہ کا علم ہے اور اللہ جل جلالہ کا علم تب سے ہے جب سے اللہ جل جلالہ کا وجود ہے کیونکہ وہ واجب الوجود ہے اس لئے اس کا علم بھی واجب ہے ممکن نہیں ہے

علم کیا ہے؟ علم وہ ہوتا ہے کہ جو معلوم کے عین مطابق ہو یعنی علم ہمیشہ معلوم کے ماتحت ہوتا ہے اور اس کے عین مطابق ہوتا ہے اور اگر ایک بال برابر بھی اس میں فرق ہو تو علم جہل شمار ہوتا ہے اب یہ تو آپ دیکھ چکے ہیں کہ علم واجب ہے اور مخلوق اس کا معلوم ہے اب یہ تو ناممکن ہے کہ معلوم نہ ہو اور علم ہو کیونکہ جہاں علم کا اثبات ہوگا وہاں معلوم کا اثبات خود بخود ہو جاتا ہے اور علم اگر قدیم ہے واجب ہے تو معلوم بھی قدیم و واجب ہوگا ورنہ علم علم نہیں ہوگا جہل ہوگا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح علم الٰہی واجب و قدیم ہے اسی طرح معلوم الٰہی بھی واجب و قدیم ہے اور معلوم الٰہی کیا ہے وہ ہے یہ ساری کائنات تو پتہ چلا کہ یہ ساری کائنات اپنے مرتبۂ

اصل میں وجود علمی و ذہنی میں واجب الوجود ہے اس کا وجودِ خارجی ہی حادث و ممکن ہے جیسا کہ امام زین العابدین علیہ الصلوات و السلام نے

هل اتیٰ علی الانسان حین من لدھر لم یکن شی مذکورا ()

کی تفسیر میں فرمایا تھا کہ انسان خارج میں شیٍ مذکور یعنی قابل ذکر چیز کی حیثیت میں نہ تھا مگر علم الٰہی میں اسی طرح موجود تھا جس طرح آج ہے

یہ تو ایک بات تھی اسی طرح کی کئی باتیں ہیں جن کی وجہ سے فقہا (علما) حکما پر فتوے صادر فرماتے رہے ہیں اور فقہا اور حکما عرفا پر فتوے چسپاں کرتے رہے ہیں بات تصورتوحید میں موجود اختلاف کی ہے اگر اس کو سمجھ لیا جائے تو جھگڑا نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی مسلمان کلمہ گو لا الہ الا اللہ پڑھنے والا اللہ جل جلالہ کے وجود کا منکر نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک سمجھتا ہے اگر یہ اعتماد بحال ہو جائے تو کفر و شرک کے فتوے کم ہو جائیں گے اور منافرت کی فضا ختم ہو جائے گی سچی بات تو یہ ہے کہ اس دور میں کوئی بھی شخص جو مسلمان ہے چاہے عالم ہے چاہے جاہل ہے اللہ جل جلالہ کا کسی کو شریک نہیں سمجھتا اور تصوراتِ توحید کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی مسلمان کسی دوسرے فرد کو مسلمان نہیں سمجھتا

(5) یہ تصورتوحید وہ ہے کہ جسے انبیا و رسل علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس لئے اس پہ تبصرہ ہی فضول ہے

(6) یہ وہ مقام ہے کہ جہاں شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جناب امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام سے فرمایا تھا کہ اللہ جل جلالہ کو آپ کے اور میرے سوا کوئی نہیں جانتا یہ محمدؐ آل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام کا وہ مخصوص مرتبہ ہے کہ جس میں انہیں اللہ جل

جلالہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ جل جلالہ کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اور نہ کوئی جان سکتا ہے

معزز قارئین آپ میرے اس مجموعۂ خطبات کا مطالعہ کر رہے ہیں جو میں نے اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ کے تشریحاتی تقاریر کے دوران بیان کئے اور اسے عزیزی مہتاب حراذ فر نے جمع کیا ہے تو اس میں آپ کو بھی شاید کہیں کہیں یہ محسوس ہوگا کہ میں غلو سے کام لے رہا ہوں کہیں مومنین کی شان آئمۂ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام کی شان سے متصادم ہوتی نظر آئے گی تو اس مقام پر اتنا سوچ لینا کہ یہ شان تو ان لوگوں کی ہے جو آئمۂ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام کے ماننے والے ہیں تو ان ذوات متعالیات کی شان کیا ہوگی کہ جنہیں یہ اپنا مالک مانتے ہیں اور کہیں کہیں آپ کو پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام کے فضائل پر یہ محسوس ہوگا کہ یہاں تو اللہ جل جلالہ کے فضائل سے بات متصادم ہو رہی ہے تو اس مقام پر سوچنا کہ جب ان ذوات متعالیات کی یہ شان ہے تو اس کی کیا شان ہوگی جسے یہ ذواتِ متعالیات اپنا مالک مانتے ہیں

اگر آپ یہی طرز فکر اپنائیں گے تو ہمارے اسرار کو سمجھ لیں گے اور ہمارا ما فی الضمیر ٹھیک طرح سے آپ تک پہنچ جائے گا بصورت دیگر آپ بھی چند فتوؤں کی سلپ ہمارے اوپر چساں کر دیں گے اور ہمیں اس کا افسوس بھی نہیں ہوگا اور نہ ہی آپ سے کوئی گلہ ہوگا کیونکہ آپ بھی تو اللہ جل جلالہ کی محبت میں سب کچھ کر رہے ہوں گے اس لئے ہمارے لئے آپ کو معاف کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا ہاں اگر کوئی کسی بد نیتی سے کوئی فتویٰ دیتا ہے تو پھر اسے ہم اللہ جل جلالہ کی سپرد کرتے

ہوئے خاموش رہیں گے کیونکہ وہی احکم الحاکمین ہے، ہاں اگر کسی کو ہماری کوئی چیز اچھی لگے تو میرے منعم حقیقی میری رگ گردن کے مالک میرے مربی دنیا و آخرت میں میرے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کو دعا دیں کہ ان کے اجداد طاہرین علیھم الصلوات و السلام کا خانۂ ویران دوبارہ دنیا پہ جلدی آباد ہو ان مظلومین ومعصومین علیھم الصلوات و السلام کا انتقام جلدی ہو اس دنیا پر حکومت الٰہیہ کا قیام جلدی ہو اس کائنات کے جملہ مسائل کا حل ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا جلدی ظہور و خروج ہو اور اس دنیا پہ اللہ جل جلالہ کا دین ظاہر و غالب ہو جائے باطل صفحہ ہستی سے نابود ہو جائے آخر میں اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے یہی گذارش ہے

جعفرؑ کی یہ دعا ہے تو تلوار تھام لے
اور اپنے خاندانؑ کا تو انتقام لے

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علی آبائک الطاہرین المعصومین

عرضِ حال

سب سے پہلے لامحدود حمد ہے اس ذاتِ احدیت وقار کا کہ جس نے اس ناچیز کو اتنی توفیق عطا فرمائی ہے کہ آج میں زیرِ نظر کتاب قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں

میرے استادِ گرامی القدر واجب التعظیم مختلف اوقات میں مختلف موضوعات کو عنوانِ مجلس قرار دیتے ہیں اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس موضوع پر وہ سلسلہ تقاریر شروع فرمائیں اس کی تشریح و توضیح ہمہ پہلو مکمل ہو تا کہ سامع کو کسی قسم کی تشنگی محسوس نہ ہو اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کا شروع کیا ہوا ایک موضوع کئی کئی مجالس پر محیط ہوتا ہے ان کا ایک مدعا یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم سامعین کو ان امور کے متعلق معلومات فراہم کریں کہ جن سے وہ نا آشنا ہوں یعنی مختلف وجوہات کی بنا پر جو باتیں ہمارے علمائے عظام، مقررین و ذاکرین کرام بیان نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے اور ہمارے عوام ان باتوں سے نابلد رہتے ہیں ان کو بیان فرما کر وہ عوام کے علم میں اضافہ کرنے اور انہیں دینی حقائق سے آگاہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں

ہادیِ دوراں، رزاقِ کل، اللہ تعالیٰ کے مظہرِ کلی، وارثِ دستارِ رسالت، صاحب الدارِ نبوت و امامت، حجت العصر والزمان یعنی ہمارے امامِ زمانہ علیہ الصلوات و السلام و عجل اللہ فرجہ الشریف کہ جن کا ذکر پاک اس دورِ غیبت میں واجب نہیں بلکہ اوجب

ہے افسوس صد افسوس کہ اپنوں کی بزم میں اس پاک ذات عجل الله فرجه الشریف کا نام نہیں لیا جاتا کہ جو اس گھر پاک کے مالک و وارث ہیں منبرِ حسینؑ علیه الصلوات و السلام کے وارث ہیں

کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ جس پاک ذات کو عزادار پرسہ دینے آتے ہیں یا جن کے پاس اپنے آباء و اجداد کی تعزیت کرنے کیلئے شیعہ جمع ہوتے ہیں انہیں کے منبر پر مالکِ منبر ذات کا ذکر تک نہیں ہوتا کوئی ان کا نام تک لینے کا روادار نہیں ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ شیعہ قوم کی اکثریت اپنے امامِ زمانہ عجل الله فرجه الشریف سے نا آشنا اور بیگانہ ہے

یا اگر محدود طبقہ اس پاک ذات سے واقفیت رکھتا بھی ہے تو صرف اسی حد تک کہ وہ اولادِ علی علیه الصلوات والسلام سے ہیں اور ہمارے بارہویں امام ہیں اور غائب ہیں کبھی نہ کبھی وہ آجائیں گے

کیا جن کی عدم معرفت کو شہنشاہ رسالت مآب صلی الله علیه و آله وسلم نے کفر و جہالت قرار دیا ہے ان کی اتنی معرفت کافی ہے کہ وہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر غائب ہیں جب اللہ کا حکم ہوگا تو ظہور فرمائیں گے ہمارا ان سے نہ کوئی واسطہ ہے نہ کوئی تعلق ہے نہ ہمیں ان کی ضرورت ہے کیونکہ ہماری جملہ ضروریات مادی وسائل سے پوری ہو رہی ہیں

قارئینِ محترم مرحلۂ قبر ہر انسان کو درپیش ہے اور ہم جب کسی میت کو دفن کرتے ہیں تو تلقین میں یہ پڑھتے ہیں کہ (وَ سَئَوالَ مُنكَرٍ وَّ نَكِيرٍ فِی الْقَبَرِ حَقّ") کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ ہم نے بھی قبر کے ان مراحل سے گزرنا ہے اور ہم سے بھی یہ

پوچھا جاتا ہے کہ (مَـن اِمَـامُكَ) اور اگر پوچھ بھی لیا جائے تو کیا ہم جواب دینے کے قابل ہیں بھی یا نہیں؟

یہ حقیقت ہے کہ ''من مات و لم یعرف ...... '' کی رو سے ہر مسلمان پر اپنے امامِ زمانہ علیہ الصلوات و السلام کی معرفت کا حصول فرضِ عین ہے لیکن اس طرف توجہ نہیں دلائی گئی اس اوجبِ عینی کی اہمیت کو اجاگر نہیں کیا گیا اور اس کے ذمہ دار ہمارے صاحبانِ منبر ہیں

اسی کمی کو محسوس کرتے ہوئے استادِ گرامی واجبِ صد تعظیم قبلہ السید محمدؐ جعفرؑ الزمان نقوی البخاری صاحب نے کافی عرصہ پہلے ایک سلسلہ کلام شروع فرمایا جو تا حال جاری ہے کہ امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے جو 182 اسمائے مبارکہ معروفہ ہیں ان کی تفصیل وتشریح منبر پہ بیان کی جائے تا کہ عوام کو معرفت وحقوقِ امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے آگاہ کیا جا سکے

لیکن یہاں پر ایک مسئلہ یہ درپیش ہوا کہ چونکہ وہ صرف اپنے گھر میں جو مجالسِ عزا منعقد ہوتی ہیں انہیں میں خطاب فرماتے ہیں اس لئے ان کے سامعین کا حلقہ محدود ہے اور ان کے فرمودات سے شیعہ عوام کہ جو ان کے مجالس نہیں سن سکتے محروم رہتے ہیں اور میرے خیال میں اس موضوع پر استادِ محترم کے فرمودات کا ہر خاص و عام تک پہنچنا ضروری ہے تا کہ ہر شیعہ اثنا عشری ان کے فیضِ کلام سے مستفیض ہو سکے اور اپنے امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی معرفت حاصل کر سکے اسی خیال کے پیشِ نظر بندہ نے استادِ گرامی القدر کی اجازت سے ان کے مجالس کو کتابی شکل میں عوام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے زیرِ نظر کتاب بندہ کی اسی کوشش کا نتیجہ ہے

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا لازم ہے کہ ان کے بیان میں قارئین کو ایک لفظ کے مختلف مقامات پہ مختلف معانی ومطالب نظر آئیں گے اس کی وجہ یہ ہے چونکہ انہیں اکثر علومِ مروجہ ومتداولہ میں دسترس حاصل ہے اس لئے جب وہ کسی ایک لفظ کی تشریح فرماتے ہیں تو بیان کی مناسبت سے اس کے جو معنی بیان ہوتے ہیں وہی لاتے ہیں مگر وہی لفظ کسی اور مقام پر دوسرے معنی میں درج ہوتا ہے مثلاً ایک لفظ ہے ''علم'' ہے تو اس کی توضیح علمِ کلام میں جو بیان ہوئی ہے علمِ فلسفہ میں اس سے مختلف ہے علم کی تعریف ہر علم میں مختلف ہوتی ہے کہیں یہ لفظ انفارمیشن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو کسی جگہ نالج کے معنی میں اور کہیں فن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو کہیں نورِ ہدایت کے معنی میں اور عرفانیات میں مشاہدے کے معنی میں ہوتا ہے تو روحانیات میں روحِ عمل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح ہر اصطلاح کی تعریف اختلافِ علوم کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے اس لئے آپ کو یہ اختلاف نظر آئے گا تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ ایک چیز کے کئی معنی لیتے ہیں یا خود تردیدی کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ اس میں علوم کے بدلنے سے تعریف بدل رہی ہوتی ہے

آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ جہاں جہاں عرفا کرام کا ذکر خیر ہوتا ہے تو اس میں وہ کسی کا نام نہیں لیتے بلکہ صرف اتنا فرما دیتے ہیں کہ ایک عارف کی یہ بات ہے یا قول ہے یا واقعہ ہے اس نام نہ لینے کے بھی کئی وجوہات ہیں ان میں سے سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر شخصیت چاہے وہ کتنی بڑی ہی کیوں نہ ہو وہ کسی نہ کسی کیلئے متنازعہ ضرور ہوتی ہے اس لئے ذہن کو شخصیات کی توثیق وتردید کی طرف لانے کے بجائے سیدھا مقصد کی طرف لایا جاتا ہے جس سے انسان استفادہ تو کرسکتا ہے اور وہ شخصیات

میں بھی نہیں الجھتا جیسا کے پیاسے کوے کی کہانی سے انسان محنت کی ترغیب تو پا لیتا ہے مگر وہ اس کوے کی تحقیق و توثیق میں نہیں الجھتا

اس کتاب کی ترتیب کیلئے مجھے جن لوگوں نے محرک کیا ان کے نام نہ لینا بھی ایک طرح سے زیادتی ہوگی اور ان لوگوں کے نام لینا بھی لازم ہوگا کہ جن لوگوں نے اس معاملے میں میرے ساتھ فنی تعاون یا دیگر ہر قسمی تعاون کیا ہے اور اس میں سب سے پہلے جناب سید مظہر حسین موسوی صاحب آف کراچی، علامہ شاہ مردان علوی، دیوان مہدیؑ عباس بخاری، سید ذوالفقار علیؑ شاہ، جناب میاں شمیم اعجاز وائس پرنسپل ڈگری کالج شورکوٹ، جناب سید مسرت عباس آف شیخوپورہ، جناب سید ندیم عباس لاہور، جناب علامہ غلام شبیر آف لاڑکانہ، جناب علی رضا صاحب، جناب بلال حسین صاحب اور اس طرح کی بہت سی قابل قدر شخصیات کی حوصلہ افزائی اس میں شامل ہے کہ جن کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے اسی کے ساتھ اجازت چاہوں گا

والسلام علیٰ من التبع الھدی وصل علیٰ محمد و آل محمد و عجل فرجھم بقائمھم

دعا گو

فقیرِ گوشہ نشیں

مہتاب اذفر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے جویندگانِ حقائقِ سریہ

آج سے میں ایک سلسلۂ تقاریر کا آغاز کر رہا ہوں میں اس میں اپنے شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے حسنہ پہ روشنی ڈالوں گا یہ تو آپ کو کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ بنیادی طور پہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے ایک سو بیاسی 182 اسمائے حسنیٰ ہیں اور ادعیہ اور زیارتوں میں جو القاب بیان ہوئے ہیں انہیں شامل کرنے سے تقریباً چھ سو 600 اسمائے حسنیٰ ہو جاتے ہیں اور میں آج جس نام پاک کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ ہے ''عدل'' عجل الله فرجه الشريف سب سے پہلے مناسب ہو گا کہ ہم عدل کو سمجھیں کہ عدل ہوتی کیا چیز ہے؟ اس لئے

ہمیں ماہرین کا ایک کلیہ دیکھنا ہوگا وہ کہتے ہیں تعرف الاشیا باضدادھا چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں جب ہمیں عدل کو پہچاننا ہو تو ہمیں اس کی ضد یعنی ''ظلم'' کو دیکھنا ہوگا اور ظلم کی تعریف یہ ہے کہ وضع الشیء علیٰ غیر محلہ یعنی کسی چیز کو اس کے حقیقی مقام سے اوپر یا نیچے رکھنا ظلم ہے اس کا مطلب ہوا کہ کسی چیز کو اس کا حقیقی مقام دینا ''عدل'' ہے

عام طور پر عدل اور انصاف کو ایک ہی چیز سمجھا جاتا ہے مگر انصاف اس صورت میں ہوتا ہے جب معاملہ دو کے مابین ہو کیونکہ انصاف نصف سے ہے اور دو نصفوں کی تقسیم ہمیشہ دو پر ہوتی ہے اور اگر معاملہ دو سے زیادہ کا ہو تو پھر انصاف نہیں ہوتا بلکہ مساوات ہوتی ہے اور اس کا مقصد ہوتا ہے کسی چیز کو فریقین میں برابر برابر تقسیم کرنا یا سب چیزوں یا افراد کو ایک برابر سمجھنا

عام طور پر انصاف اور مساوات کو عدل کے معنی میں سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر انصاف اور مساوات عدل پر مبنی ہو کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے انصاف اور مساوات سے کام تو لیا گیا ہو مگر وہ ظلم ہی ہو

آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں ایک جگہ دو آدمی مہمان ہوئے ان میں سے ایک بیمار تھا اور ایک صحت مند تھا میزبان نے انہیں تین روٹیاں اور ایک پلیٹ کھچڑی کی دی مریض آدمی کہتا ہے کہ بھائی کھچڑی مجھے دے دو اور روٹیاں تم کھا لو صحت مند آدمی کہتا ہے کہ بھائی میں تو ناانصافی نہیں ہونے دوں گا آدھی کھچڑی تم لو آدھی مجھے دو اور آدھی روٹیاں تم کھاؤ اور آدھی مجھے دو اب یہاں دیکھیں گے تو عدل کا تقاضہ اور ہے اور انصاف کا تقاضہ اور ہے انصاف کہتا ہے کہ دونوں چیزیں

برابر دونوں پر تقسیم کردی جائیں مگر عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ بیمار کو کھچڑی ملنا چاہیے اور صحت مند کو روٹی کھانا چاہیے اسی معاملے میں ایک بچے کو بھی شامل کرلیا جائے تو پھر مساوات کا تقاضہ ہوگا کہ ہر چیز تینوں پر برابر بانٹی جائے مگر عدل کا تقاضہ ہوگا کہ کھچڑی مریض کو ملے صحت مند آدمی کو دو روٹیاں ملنا چاہییں اور بچے کو ایک روٹی دینا چاہیے

اس مثال سے آپ کو پتہ چل گیا ہوگا کہ عدل کچھ اور ہے اور انصاف و مساوات کوئی اور چیز ہے اور یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ہے کہ فیصلہ عدل کا ہونا چاہیے انصاف و مساوات ظلم پر مبنی بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ کسی کے حق سے زیادہ دینا یا کم دینا بھی ظلم ہے بلکہ اسے اس کا استحقاق ملنا ہی عدل ہے اسی لئے اللہ جل جلالہ کے صفات میں انصاف یا مساوات نہیں ہے بلکہ عدل ہے

ایک اور بات بھی عرض کرتا چلوں وہ یہ ہے کہ جب انسان کے معاملات کا فیصلہ کوئی تیسرا آدمی (Third Person) کرے تو وہاں عدل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور جب فریقین آپس میں مل بیٹھ کر کوئی فیصلہ کریں تو وہاں ''عدل'' کے متبادل لفظ ''قسط'' استعمال ہوتا ہے اور ''ظلم'' کے متبادل لفظ ''جور'' استعمال ہوتا ہے اور ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے حسنہ میں سے ایک نام پاک ''قسطؔ'' بھی ہے اور لاتعداد احادیث میں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اس دنیا کو اس طرح قسط و عدل سے بھر دیں گے کما ملئت ظلماً و جوراً کہ جیسے ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی یعنی ان کے دورِ زریں میں حاکم اعلیٰ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف سے بھی کوئی ظلم نہ ہوگا اور نہ کوئی آپس کے معاملات میں ایک دوسرے پر جور کرے

گا بلکہ وہ زمانہ قسط وعدل ہوگا

جب ہم تاریخ انسانیت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں جناب آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ظلم کا ایک عظیم سلسلہ نظر آتا ہے وہ صورت قتل میں ہو یا غصب میں یا شکل شرک میں ہو ایک طویل سلسلہ ظلم دنیا پہ جاری وساری نظر آتا ہے اور اس کی سرحدیں جب میدان کربلا تک پہنچتی ہیں تو اپنے نقطہ کمال کو چھوتی ہوئی نظر آتی ہیں کیونکہ اس میں خاندان تطہیر علیہم الصلوات و السلام کا بے دردی سے خون بہایا گیا اور آج تک ان کا نہ انتقام لیا گیا ہے اور نہ اس کا عدل ہوا ہے حتیٰ کہ ان کی شہادت ہائے عظمیٰ کے مقاصد تک کو فراموش کر دیا گیا ہے

پسماندگان کے رویے

دنیا میں جتنے بھی قتل ہوئے ہیں ان کے پسماندگان کے جو رویے ہوتے ہیں وہ چار اقسام پر مبنی ہوتے ہیں یعنی ان چار رویوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا وہ قتل چاہے کسی خاندان کا ہو یا قوم کا اس کے بارے میں پسماندگان کے رویے چار طرح کے ہوتے ہیں

یعنی اس مقتول کے ورثا چار قسم کے ہوتے ہیں

(1)

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پہلے پہل اپنے مقتولین کو چار دن روتے ہیں کئی دن پرسہ داری اور تعزیت کا عمل ہوتا ہے قرآن خوانیاں ہوتی ہیں پھر قاتلین کی طرف سے صلح اور معافی کے وفود آتے ہیں وہ اپنے مقتول کا خون معاف کر دیتے ہیں پھر کچھ دن رو دھو کر وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں کہ جیسے ان کا کوئی نقصان ہوا ہی نہیں

(2)

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو اپنے مقتول کے غم اور درد کو غمِ جان اور جی کا روگ بنا لیتے ہیں دن رات رو رو کر ایک کر لیتے ہیں اور زندگی بھر اسی غم میں گھلتے سلگتے رہتے ہیں ان پر مایوسی اداسی اور نا امیدی کے بادل ایسے چھا جاتے ہیں کہ پوری زندگی اس سے نہیں نکل سکتے

(3)

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو غم کو غم اور جی کا روگ نہیں بناتے بلکہ اسے اپنی طاقت بنا لیتے ہیں ان پر اس حادثے سے مایوسی اور نا امیدی طاری نہیں ہوتی بلکہ ان میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اب ان دو رویوں کے مابین جو فرق ہے اسے ایک مثال سے واضح کرتا ہوں

ایک جگہ کسی کھیل کا مقابلہ ہوتا ہے وہاں ایک ٹیم جیت جاتی ہے اور دوسری شکست کھا جاتی ہے اس شکست کا مختلف کھلاڑیوں پر مختلف اثر ہوتا ہے ایک کھلاڑی اس شکست کو غم بنا لیتا ہے اور اس پر روتا ہے اور اس افسوس میں اس پر نا امیدی چھا جاتی ہے او رپھر وہ کبھی میدان میں نہیں اترتا اور ہمیشہ کیلئے کھیلنا چھوڑ دیتا ہے

دوسرا کھلاڑی اس شکست کو روگ نہیں بناتا بلکہ اسے ایک چیلنج سمجھتا ہے اور اس شکست کے صدمے کو طاقت کا ذریعہ بناتا ہے شکست کی ذلت کو اپنی فعالیت کیلئے ایک تازیانہ سمجھتا ہے اور پھر وہ جان توڑ کر محنت کرتا ہے تاکہ اس شکست کا بدلہ لے سکے

کچھ کھلاڑی ایسے ہوتے ہیں کہ پیسے کیلئے خود ہارتے ہیں وہ شکست کو دولت کا ذریعہ

بنا تے ہیں

اسی طرح جب قوموں کے رہنما اور لیڈر یا مخلص لوگ قربانیاں دیتے ہیں تو ان کے پسماندگان میں سے کچھ اسے اپنی ذلت آمیز شکست سمجھ لیتے ہیں اور اسے ایک نا قابل فراموش صدمہ بنا کر ہمیشہ کیلیئے فتح و کامرانی سے نا امید ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ اس صدمے سے اور بھی فعال ہو جاتے ہیں اور ان میں کچھ نہ کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس شکست کا بدلہ لینے کیلیئے دن رات جان توڑ محنت کرتے ہیں اور جب تک اپنی شکست کا بدلہ نہیں لے لیتے اس وقت تک انہیں کسی لمحہ چین نہیں آتا

اسی طرح جب کسی قوم کا کوئی رہنما قتل ہو جاتا ہے تو یہ بھی ایک طرح کی میدان میں شکست ہی ہوتی ہے لیکن اس کا مختلف لوگوں پر مختلف اثر ہوتا ہے کئی لوگ اس کے قتل کے بعد نا امید اور مایوس ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کیلیئے اپنے مقصد اور مشن سے دست کش ہو جاتے ہیں مگر کئی جیالے اس صدمے کو طاقت بناتے ہیں اور پھر جان توڑ محنت کرتے ہیں اور اس شکست کا بدلہ چکائے بناں انہیں چین نہیں آتا

اسی طرح ایک اور مثال عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک آدمی قتل ہو جاتا ہے اس کے دو بیٹے ہوتے ہیں ان میں سے ایک بیٹا باپ کے قتل کو غم بنا لیتا ہے سارا دن روتا رہتا ہے آنے جانے والوں کو باپ کے قتل کے واقعات بیان کرتا رہتا ہے اور روتا رہتا ہے ایک ایک ظلم کی تفصیل بیان کرتا ہے روتا ہے اس کے واقعات کو یاد کر کے روتا رہتا ہے اس کی مزار پہ روزانہ پھول چڑھاتا کبھی اس کی ایک ایک چیز کو گلے لگا کر روتا ہے

اس کا جو دوسرا بیٹا ہے وہ نہ تو روتا ہے نہ آنسو بہاتا ہے حتیٰ کہ باپ کا نام تک نہیں لیتا وہ اس غم کو سینے میں جذب کر لیتا ہے یہ دکھ اذیت ناک تو ہے مگر وہ اس اذیت کو طاقت بناتا ہے اور اندر ہی اندر وہ کھولتا رہتا ہے اور ہر وقت دشمن سے انتقام کے بارے میں سوچتا رہتا ہے ہر وقت دشمن کی تاک میں رہتا ہے اور انتقام کا جذبہ اس کے اندر لاوے کی طرح مچلتا رہتا ہے وہ ایک چلتا پھرتا آتش فشاں بن جاتا ہے اس دوران وہ ایک ایک چیز کو اس طرح چھوتا ہے جیسے دشمن کی گردن دبوچ رہا ہو اس میں اس دکھ اور صدمے سے بے پناہ عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس میں بے پناہ طاقت و جرأت اور شجاعت آجاتی ہے اس کے مزاج کی ساری لطافت فنا ہو جاتی ہے اس کی نازک خیالیاں مر جاتی ہیں اس کے لہجے کا میٹھاس بھسم ہو جاتا ہے وہ بولتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ دشمن کے سامنے بول رہا ہے وہ ہر اس آدمی کے پاس جاتا ہے جس سے اپنے مقصد کی تکمیل میں مدد ملنے کی توقع ہوتی ہے وہ اسلحہ لیتا ہے جنگ کرنا سیکھتا ہے اگر وہ کندال سے کوئی چیز کھود رہا ہوتا ہے تو وہ اس طرح کندال کو زمین پر مارتا ہے جس طرح وہ دشمن کے سینے میں کندال سے وار کر رہا ہے

آپ دیکھیں کہ اس بیٹے کو بھی باپ کے قتل کا صدمہ ہے اس کے من میں بھی دکھ ہے مگر اس نے اس غم و درد کو روگ نہیں بنایا بلکہ اس صدمے سے اس طاقت کا کام لیا ہے ایک زندہ بشر کی طرح اس کا اثر لیا ہے

دوستو یہ بات یاد رکھو جو قومیں اپنے رہنماؤں کی قربانیوں کو روگ بنا لیتی ہیں وہ کمزور سے کمزور تر ہوتی جاتی ہیں اور آخرِ کار وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں قربانی اور شہادت کا مقام بظاہر شکست کا مقام ہوتا ہے اور وہ شکست تب فتح میں

بدلتی ہے جب اسے جان کا روگ نہ بنایا جائے کیونکہ جس شکست کو غمِ محض بنا لیا جائے اس سے مایوسی پیدا ہوتی ہے مایوسی اشک ریزی اور نا امیدی وہ چیز ہے جو میدانِ عمل سے انسان کو باہر دھکیل دیتی ہے اور پھر انسان آنسوؤں پر اکتفیٰ کر لیتا ہے رو رو کر خود کو مطمئن کر لینا زندہ قوموں کا شعار نہیں ہوتا

مقصدِ عزاداری

ہمارے سامنے بھی یہی مسئلہ ہے کہ ہم نے اپنے آئمہ ھُدیٰ علیہم الصلوات و السلام کی شہادتوں کے مقصد اعلیٰ کو نہیں سمجھا کیونکہ مقصدِ عزاداری یہ نہیں ہے کہ اس غم کو غمِ جاں بنالیا جائے بلکہ اس قیامِ عزا سے اس غم کو ہمیشہ زندہ رکھنا تھا اور اس غم کو سینے میں دفن کر کے انتقام کے جذبات کو پروان چڑھانا تھا اس درد کو اپنے لئے چابک سمجھنا تھا تاکہ یہ قوم ایک مہذب قوم اور اعلیٰ اقدار کی حامل اور بہترین کردار کا نمونہ بن سکے آپ ذرا ماضی قریب میں دیکھیں جاپان میں ہیروشیما اور ناگاساکی میں دو ایٹم بم گرائے گئے اور یہ وہ صدمہ تھا جس نے جاپان کی کمر توڑ دی مگر انہوں نے اس صدمے کو جی کا روگ نہیں بنایا بلکہ اسے طاقت کا سرچشمہ بنایا اور انہوں نے اپنی صنعت کو میدانِ انتقام بنایا اور کھلونے بنانے سے آغاز کیا اور انہوں نے ہر کھلونا اس طرح بنایا جس طرح وہ یورپ کے خلاف میدانِ جنگ میں کوئی کمانڈو تیار کر کے بھیج رہے ہیں انہوں نے اپنی ایک ایک چیز کو اپنا ہتھیار بنایا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ وہی جاپان جو ایک دم کمر شکستہ تھا ایک آہنی جاپان بن گیا اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک بہت بڑے صدمے کو جی کا روگ نہیں بنایا بلکہ اپنے لئے طاقت کا سرچشمہ بنایا اور اس واقعہ کو اپنے لئے چیلنج سمجھا اور عمل کی قوت پیدا کر لی کیونکہ وہ

سمجھتا تھا کہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر صدمہ جان لیوا ثابت ہوتا ہے بشرطیکہ اسے جی کا روگ بنا لیا جائے

(4)

چوتھی قسم ایسے لوگوں کی ہوتی ہے کہ جو اس قتل کو کیش کروانے والے ہوتے ہیں اس قتل سے ان کی چاندی بن جاتی ہے وہ اس قتل کا پرچار کرتے ہیں اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں اس مقتول کی عظمت کے قصیدے پڑھتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے خون کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کریں خصوصاً سیاسی مقتولوں کے ساتھ تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ بڑے بڑے سیاست دان مزدوروں کی لاشوں پر سیاست چمکاتے نظر آتے ہیں

انسان تاریخ کا مطالعہ کیوں کرتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس بات کو دیکھتا ہے کہ کس سچویشن میں کس قوم نے کیا قدم اٹھایا اور اس کے اقدام کا کیا نتیجہ نکلا اس سے انسان کو اس سچویشن میں اپنے لئے گائیڈ لائن (Guideline) مل جاتی ہے اور وہ ماضی سے سبق حاصل کرتا ہے اور مستقبل کیلئے درست راہیں متعین کرتا ہے اپنے مقاصد کے حصول کیلئے ناکامی کے خطرات سے خالی راستوں کو پہچان لیتا ہے اسی طرح جب ہم تاریخ کا اور قدیم روایات اور ٹریڈیشنز (Traditions) کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ماضی کے کئی واقعات آتے ہیں کہ جن میں عزاداری کا قیام نظر آتا ہے یعنی کئی مقتول ایسے ہیں جن کی عزاداری باضابطہ طور پر کی گئی ہے اور ان عزاداری کرنے والوں

نے کسی خاص مقصد کیلئے عزاداری کی اور اس عزاداری سے انہوں نے اپنے مقصد کو پایا جب ہم ماضی کے روزن سے جھانک کر دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جن مقتولین کی عزاداری ہوئی ہے دو قسم کے تھے نمبر ایک کفار و مشرکین اور مخالفین آل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام نمبر دو پاک خاندانؑ علیہم الصلوات و السلام

کفار میں ویسے تو کئی لوگوں کی عزاداری کا قیام ہوا ہے مگر میں طلوعِ اسلام کے بعد کے چند واقعات بیان کرنا چاہوں گا

تاریخ اسلام کی پہلی جنگ ویسے تو بدر صغریٰ ہے مگر اصل جنگ بدر کبریٰ ہے اس جنگ کے وجوہات یہ تھے کہ جب مسلمانوں نے مکہ چھوڑا تو وہ اپنے گھروں سے سامان نہیں اٹھا سکے تھے بلکہ اپنے بھرے ہوئے گھر چھوڑ کر صرف جانیں بچا کر مدینے پہنچے تھے جب کفارِ مکہ نے ان کے گھروں کو خالی پایا تو ان کا سامان لوٹ لیا اور اسے کفار مکہ کے سرداروں نے آپس میں بانٹ لیا اور پھر اسی سامان کو ابوسفیان ملعون کے حوالے کیا تاکہ وہ اسے شام جا کر فروخت کرے اور منافع سب میں تقسیم کیا جائے جب ابوسفیان ملعون وہ سامان فروخت کر کے شام سے واپس آ رہا تھا تو شہنشاہِ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اس ملعون سے سارا سامان چھین لو کیونکہ ڈاکو اور چور سے اپنا مال واپس چھیننا جرم نہیں ہے

اس وجہ سے جنگ بدر ہوئی تھی اور اس میں مکہ کے بڑے بڑے ملعون مارے گئے تھے مثلاً عتبہ بن ربیع اموی (معاویہ کا نانا) شعبہ بن ربیع، ولید بن عتبہ (معاویہ کا ماموں) حنظلہ بن ابوسفیان (معاویہ کا بھائی) بھی اس میں فی النار ہوئے تو آل امیہ ملعون میں انتقام کا جذبہ پیدا ہوا تو انہوں نے سابقہ روایات کے مطابق اس

جذبے کو بڑھانے اور باقی رکھنے کیلئے اور اپنے مددگار پیدا کرنے کیلئے عزاداری کا سہارا لیا اور اس کا آغاز روز اول ہی سے ہو گیا یعنی ولید بن عتبہ جو ہند جگر خوار ملعونہ کا بھائی تھا جب اس کا گھوڑا مکے میں لایا گیا تو ہند ملعونہ نے اپنے قبیلے کی عورتوں کو ساتھ لیا اور اس خالی گھوڑے کا استقبال کیا اور ماتم کرتے ہوئے ہجوم کے ساتھ اس کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور گھوڑے کا جلوس گلیوں سے گھما پھرا کر گھر لائی اس وقت ان کی یہ حالت تھی کہ ان کے سروں میں خاک تھی ماتم کر رہی تھیں ان کے درمیان ولید کا گھوڑا تھا جس کی زین ڈھلی ہوئی تھی اس پر اس کے خون آلودہ کپڑے تھے اور سامان جنگ بھی تھا اور ان کے ماتم سے مکے کی گلیاں گونج رہی تھیں اور پھر یہ سلسلہ جاری رہا دن رات عزاداری ہوتی تھی ولید اور عتبہ کے خون آلود لباس عورتوں میں لٹکائے جاتے تھے دن رات ان کے مرثیے پڑھے جاتے تھے

پھر چند دنوں کے بعد انہوں نے اپنے مقصد کو پا لیا یعنی جنگِ احد ہوئی اور اس میں اہل اسلام کا بہت زیادہ نقصان ہوا اسد الرسولؐ جنابِ حمزہ علیہ الصلوات و السلام شہید ہوئے سیکڑوں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں خود شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام انتہائی زخمی ہوئے اور اس جنگ میں بظاہر شکست ہوئی اور بڑے بڑے جوانوں کو پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی اور اس جنگ میں کفار بڑی بے جگری سے لڑے

اب آپ دیکھیں یہ جذبۂ انتقام کس چیز نے پیدا کیا تھا؟ یہ انتقام کی آگ اور یہ مددگاروں کی فوج کس چیز نے دی تھی؟ اس کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اگر کسی چیز نے دیا ہے تو اس کا نام ہے عزاداری

اب ایک اور مقام دیکھیں وہ ہے خلیفۂ ثالث کا قتل

اس کے وجوہات تو خود اس کے اپنے پیدا کردہ تھے اور ام المومنین نے اس کے قتل کا فتویٰ بھی دیا تھا مگر الزام آ گیا امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام پر کہ انہوں نے اسے مروایا ہے اور خاندانِ امیہ ملعون نے پھر اپنا سابقہ ڈرامہ (Replay) ری پلے کیا اور خلیفۂ ثالث کی عزاداری کا سلسلہ شروع کروا دیا اور شام میں دن رات خلیفۂ مظلوم کے نام پر ماتم ہوا ستر 70 بوڑھے کھوسٹ دن رات اس بزمِ عزا میں مرثیہ خوانی کرتے تھے سامنے اس کا خون آلود لباس ایک نیزے پر لٹکایا ہوا ہوتا تھا اور میز پر نائلہ (اس کی بیوی) کی کٹی ہوئی انگلیاں رکھی ہوئی ہوتی تھیں دن رات مرثیہ خوانی ہوتی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند دن بعد فرعونِ شام نے آتش صفین میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار جوان جھونک دئے

اب یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار جوان کس نے فراہم کئے؟ اس کا جواب وہی ہے کہ یہ سب کچھ عزاداری نے دیا تھا

دوستو عزاداری وہ طاقتور ہتھیار ہے کہ جس سے کمزور و ناتواں قبائل بھی مضبوط دشمن کے خلاف جرأت مندی سے متحد ہو کر لڑ سکتے ہیں اور بے قبیلہ لوگ بھی اپنے انصار پیدا کر سکتے ہیں

جب امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام کی شہادت ہوئی تو امام زین العابدین علیہ الصلوات و السلام نے عزاداری کی بنیاد رکھی اور ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا نے اس کی سرپرستی فرمائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چھ سال کے اندر اندر آتشِ انتقام روشن ہوئی اور مختیار ثقفی کے طوفان نے ہزاروں قاتلین کو جہنم کی طرف بہا دیا

حقیقت یہ ہے کہ پاک خاندانِ تطہیر علیھم الصلوات و السلام کی عزاداری کا مقصد فوری انتقام نہ تھا بلکہ ان کا مقصد تو اس سے بہت اونچا تھا یہ انتقام تو عزاداری کا ایک چھوٹا سا تحفہ تھا جو فوری مل گیا تھا اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عزاداری کتنا ''پاور فل میڈیا''(Powerful Media) ہے

واقعہ کربلا کے بارے میں جب ہم تاریخ کی اوراق گردانی کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں اسے بھی ایک سیاسی اشو بنایا گیا تھا عباسیوں نے خود کو امام علیہ الصلوات و السلام کا رشتہ دار بتایا اور ان کی مظلومیت کا پرچار کیا مقتل کی کتابیں لکھوائیں امامِ مظلوم علیہ الصلوات و السلام کے فضائل کی اشاعت کروائی اور پھر تحریک چلائی اور اموی ملعونوں کا خاتمہ کیا اور صدیوں پہ محیط ایک حکومت حاصل کر لی اور ایسی حکومت حاصل کی کہ جو پھر کسی مسلمان کہلانے والے خاندان سے کبھی ختم نہ ہو سکی بلکہ ہلاکو خان نے اس کا خاتمہ کیا اور جب انہیں اقتدار حاصل ہو گیا تو پھر خود امامِ مظلوم علیہ الصلوات و السلام کی پاک اولاد علیھم الصلوات و السلام کے ایسے دشمن ہوئے کہ اموی ملعونوں کے ظلم بھی بھول گئے اور انھوں نے ان سے بھی زیادہ مظالم ڈھائے کیونکہ ان کا مقصد صرف دنیا کا حصول تھا ورنہ ان کا امام علیہ الصلوات و السلام سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی وہ رشتہ دار تھے انھوں نے عزاداری کے قیام سے جذبہ انتقام پیدا کیا اور مظلومیت کو کیش کروایا اور انتقام کے نام پہ ایک طویل حکومت حاصل کر لی

دورِ حاضر کا تجزیہ

مناسب رہے گا کہ اب ہم اس دور کی طرف بھی دیکھتے چلیں اور اپنا بھی تجزیہ کرتے چلیں کہ کیا ہم نے اس عزاداری کے قیام کے مقاصد اعلیٰ کو سمجھا بھی ہے؟ یا مقصدِ

شہادتِ عظمیٰ کو سمجھا اور پایا بھی ہے؟ کیا پاک خاندانِ تطہیر علیھم الصلوات و السلام کا
جو عزاداری کے قیام کا مقصد تھا کیا آج کا عزادار اسے پورا بھی کر رہا ہے یا نہیں؟
اس دور کے جو عزادار ہیں یا عزاداری کا قیام کرنے والے ہیں ان کی کئی اقسام ہیں
( ) اس دور میں جو لوگ عزاداری کر رہے ہیں ان میں سے سب سے اعلیٰ درجے کا
عزادار وہ شمار ہوتا ہے جس نے واقعہ کربلا کو جی کا روگ بنایا ہوا ہو اور دن رات
روتے روتے گزارتا ہو
( ) اس دور کے عزاداروں کی ایک قسم وہ ہے کہ جو اپنے نام و نمود کیلئے عزاداری کا
قیام کرتے ہیں سارا سال غیر شرعی طریقے سے مال جمع کرتے ہیں ماہ محرم میں کسی
بڑے ذاکر یا مولوی کو بلا لیتے ہیں اور ایک عدد چاندی یا سونے کی ضریح چڑھا دیتے
ہیں اپنے گھر یا امام خانہ میں پر تکلف نیاز کا اہتمام کروا دیتے ہیں
( ) کچھ لوگ اپنے فوت شدگان کی برسیاں کرواتے ہیں اور پورے سال میں ایک یا
دو دن کی ایسی عزاداری کرواتے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے ذاکرین اور مولوی
حضرات کو بلا لیتے ہیں اس سے ایک پنتھ دو کاج ہو جاتے ہیں یعنی ایک تو فوت
شدگان کیلئے ایصالِ ثواب کا عمل ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی علاقے میں نام بھی خوب
مشہور ہوتا ہے
( ) کچھ لوگوں نے اس عزاداری کو ذریعۂ معاش بنایا ہوا ہے باقاعدہ چک چکا ہوتا
ہے اور اگر کوئی طے شدہ اجرت سے کچھ کم رقم دے تو وہ رقم جسے وہ نیاز کہتے ہیں اس
دینے والے کے منہ پہ ماری جاتی ہے اس کی بے عزتی کی جاتی ہے زمین پہ پھینک
دی جاتی ہے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو پھر تھانے میں رپٹ تک کروا دی جاتی

ہے حالانکہ یہی ذاکرین اور مولوی حضرات جب کسی وڈیرے کی تعزیت کیلئے جاتے ہیں تو ان کے ڈیرے پر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں پرسہ دیتے ہیں وہاں کچھ نہیں لیتے بلکہ کچھ نہ کچھ دے کر آتے ہیں

کئی مولوی صاحبان نے سیاست میں بھی حصہ لیا ہے اور الیکشن کنٹسٹ (Election contest) بھی کئے ہیں تو اس (Election Compain) الیکشن کی مہم کے دوران انہوں نے اپنے حلقے میں مجالسِ عزا بھی پڑھی ہیں اور ان حلقے والوں سے کوئی نیاز نہیں لی بلکہ فی سبیلِ سیاست مجالس پڑھے ہیں

( ) کچھ لوگ اپنے گناہوں کے بخشوانے کیلئے عزاداری کرتے ہیں روتے ہیں ماتم کرتے ہیں تاکہ سارے سال کی بدکرداریاں معاف ہو جائیں اب تو اس مقدس مشن میں بہت سی نفسانی اور اخلاقی برائیاں داخل ہو چکی ہیں کہ جن کا ذکر کرتے ہوئے شرم سے سر جھک جاتا ہے

اب ذرا انصاف کریں کہ کیا مہذب قومیں اپنے رہنماؤں کی قربانیوں کے ساتھ یہی رویہ رکھتی ہیں؟ کیا ان کے خون کی تجارت کرتی ہیں؟ کیا ان کے سوگ کو پیشہ اور ذریعۂ معاش بنالیتی ہیں؟ کیا ان کی یاد کو گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بناتی ہیں؟

ہم جب عیسائیت کو دیکھتے ہیں تو وہ ہم سے کئی معاملات میں بہت آگے ہے دیکھئے جب جناب عیسیٰ علیہ السلام بظاہر صلیب پر چڑھ گئے تو عیسائیت ایک کمزور ترین مذہب تھا طاقتور حکومتیں اس مذہب کے خاتمے پر کمر بستہ تھیں اور اس کی تبلیغ کرنے والے غریب اور بے بس لوگ تھے مگر انہوں نے ان کے مشن کو خلوص نیت سے جاری رکھا تو آج ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیت ہی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے کیونکہ

انہوں نے اسے پیشہ نہیں بنایا بلکہ مشن بنایا ہے اس بات کے ثبوت کیلئے صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں

جزائر نیوگنی آسٹریلیا کے قریب ہیں اور لندن سے ہزاروں میل دور ہیں سنہ 1890 میں لندن میں بائیبل سوسائٹی (جو ایک مذہبی ادارہ ہے) کی میٹنگ میں یہ بات زیر بحث آئی کہ کسی طرح سے جزائر نیوگنی میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی جائے مگر اس وقت یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان جزائر میں انسان رہتے بھی ہیں یا نہیں اس پر ایک سیاح کو روانہ کیا گیا اور اس نے وہاں سے مایوس کن رپورٹ بھیجی کہ میں نے ان جزائر کا سفر کیا ہے اور یہ جگہ بہت خطرناک ہے یہاں (Rain Forest) ہیں اور ان میں بہت خونخوار مگرمچھ رہتے ہیں اور یہاں کے جنگلی جانور آدم خور ہیں اور یہاں کچھ قبائل آباد ہیں وہ بھی آدم خور ہیں جو اجنبی انہیں مل جاتا ہے اسے قتل کر کے کھا جاتے ہیں اس لئے ان جزائر میں تبلیغ کا کام ناممکن ہے اور یہاں تبلیغ کا خیال بھی چھوڑ دیں اس پر بائیبل سوسائٹی والوں نے اسے لکھا کہ تمہارے خط میں ہمارے کام کی ایک ہی بات تھی وہ یہ کہ اس جگہ انسان رہتے ہیں اور ہمارے لئے یہی اطلاع ہی کافی ہے کہ انسان موجود ہیں باقی رہی خطرات کی بات تو ترویج دین کیلئے تو خطرات ہی سے کھیلنا پڑتا ہے

اس کے بعد انہوں نے سنہ 1895 میں لندن سے ایک تبلیغی مشن بھیجنے کا پروگرام بنایا اس کے اخراجات کیلئے بہت سے متمول لوگوں نے بھی بہت کچھ دیا مگر صرف بائیبل سوسائٹی والوں نے اس مشن کیلئے ایک کروڑ تیس لاکھ پونڈ دئے جو آج کے حساب سے ساٹھ ستر کروڑ روپے کے برابر ہے اور ماضی و حال کے کرنسی ریٹ کے حساب

سے اربوں روپے بنتے ہیں ایک طرف وہ قوم ہے دوسری طرف آج کے عزادار ہیں کہ عزاداری کرنے کیلئے لاکھوں روپے وصول کرتے ہیں

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام کا عزاداری کے قیام و رواج کا کیا مقصد تھا؟

جب سے پاک خاندان علیھم الصلوات و السلام نے بشریت کے اذیت ناک لباس کو پسند فرمایا ہے تب سے ظالم مخلوق نے انہیں ہدف ظلم و ستم بنایا ہوا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ ظلم کے لیبل بدلتے رہے ہیں ظالم کبھی کافر کے لیبل میں سامنے آیا ہے کبھی امت کے لیبل میں اور کبھی شیعہ کے لیبل میں سامنے آیا ہے دشمنی بڑھتی گئی ظلم سے ظلم بڑھتا گیا ماضی کے دشمن جان و مال و اقتدار کے دشمن تھے اس دور کے یزید ملعون ناموسِ سادات کے دشمن ہیں

محمدؐ و آل محمدؐ علیھم الصلوات و السلام کے سامنے یہ بات تھی کہ ایک طرف ظلم تھا تو اس میں اضافہ ہونا تھا دوسری طرف اس دنیا کی محدودیت انتقام کیلئے ناکافی تھی تو ان دو حالتوں کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ کوئی ایسی تحریک چلائی جائے کہ جس سے منتقم آل محمدؐ عجل اللہ فرجہ الشریف کیلئے راہ ہموار کی جائے اور مومنین میں کسی ایسی چیز کو رواج دیا جائے کہ جس سے ان میں جذبۂ انتقام بیدار بھی ہو اور صدیاں گزرنے کے باوجود وہ انتقام کا جذبہ فنا بھی نہ ہوتا کہ جب منتقم آل محمدؐ عجل اللہ فرجہ الشریف دنیا میں تشریف لائیں اور یا لثارۃ الحسین علیہ الصلوات و السلام کا نعرہ بلند فرمائیں تو انہیں کچھ ناصرین مل جائیں کئی لوگ ایسے ہوں جو انہیں لبیک کہہ سکیں ان

صدیوں کے دوران ایک ایک دو دو کر کے ان کے اتنے ناصر پیدا ہو جائیں کہ انہیں شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کی طرح قلتِ ناصرین کا سامنا نہ کرنا پڑے بلکہ جب بھی وہ اپنے انصار کو بلائیں تو روئے زمین پر موجود انصار آنِ واحد میں ان کے گرد ایسے جمع ہو جائیں جیسے ساون کے بادل ایک لمحے میں جمع ہو جاتے ہیں اور جو عالم برزخ میں مصروف انتظار ہوں ان کیلئے منتقم آل محمدؐ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ایک ندا کُن فَیَکُون کی طرح ہو اور وہ اَللّٰھُمَّ اَخرِجنِی مِن قَبرِی وَمُؤتَزِراً کَفَنِی شَاھِراً سَیفِی مُجَرِّداً قَنَاتِی مُلَبِّیاً دَعوَۃِ الدَّاعِی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قبروں سے نکلیں کفن جھاڑتے ہوئے تلواریں بلند کرتے ہوئے نیزوں کو لہراتے ہوئے اور اپنے آقا و مولا کو لبیک لبیک کہتے ہوئے دشت وصحرا میں ان کی طرف دوڑ رہے ہوں

اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ امام المنتقم عجل اللہ فرجہ الشریف کی نصرت کی تمنا رکھتے ہوں گے ان کیلئے کوئی فرق نہیں ہے کہ خروج ان کی زندگی میں ہو یا ان کی وفات کے بعد ہو کیونکہ انہیں بلا لیا جائے گا اور ہر اس شخص کو دعوت دی جائے گی جو نصرت کی تمنا رکھتا ہوگا یا دعائے عہد کو روزانہ پڑھتا ہوگا یا دیگر اعمالِ انتظار میں مصروف رہا ہوگا اس کی وجہ یہی ہے کہ عادلِ حقیقی کیلئے موت وحیات پر قادر ہونا لازم ہے ورنہ اس کے عدل سے ماضی کے مجرمین بچ نکلیں گے اور ماضی کے انصار اس کی نصرت سے محروم رہ جائیں گے اور یہ دونوں چیزیں حقیقی عدل کے قیام کے منافی ہیں

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کسی دور میں ایک ساتھ بڑی تعداد میں اعلیٰ معیار کی شخصیتوں کا

جمع ہونا محال ہوتا ہے اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ انسانوں کی کثرت ہمیشہ برے لوگوں کی ہوتی ہے اچھے لوگ ہر دور میں نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں اور ظالمین اور بدکردار لوگ دنیا کی بزم کو گرمائے رکھتے ہیں اور رونقِ دنیا بڑھائے رکھتے ہیں اور اگر اس چلتی دنیا میں حقیقی عدل کا قیام ہو جائے تو اس اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے اس دنیا کی آبادی ایک فی لاکھ سے بھی کم رہ جائے گی اور جب انسانیت کا اتنا بڑا حصہ قبرستان میں بدل جائے تو کیا اس آنے والے عادل حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف نے قبرستانوں پر حکومت کرنا ہے؟ ایسا نہیں ہے بلکہ اس دنیا سے ظالمین کے خاتمے کے ساتھ ہر دور کے صالحین ومظلومین کے ساتھ جو اللہ جل جلالہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں اس دنیا کو وارث بنائے گا وہ وعدہ بھی پورا کرنا ہوگا اور وہ اسی صورت میں پورا ہوسکتا ہے کہ سارے ظالمین سے اس روئے زمین کو پاک کیا جائے اور اس پر اولین وآخرین کے صالحین کو حکومت دی جائے

پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام نے انصارِ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف پیدا کرنے کیلئے عزاداری کو رواج دیا اور اس کے قیام کے اتنے ثواب اور فوائد بیان فرمائے کہ جو لاتعداد ہیں اور یہاں تک فرما دیا کہ جب بھی مومنین عزاداری کا انعقاد کرتے ہیں ہم سارے معصومین علیہم الصلوات و السلام اس عزاداری میں تشریف لاتے ہیں اور اگر کسی نے ہماری زیارت کرنا ہو تو عزاداری کا انعقاد کرے اسے ہماری زیارت ہو جائے گی اس کی یہی وجہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ عزادرای سے جذبۂ انتقام بیدار ہوگا اور عزاداروں میں سے کوئی تو ہوگا جو اس راز کو پالے گا اور من میں ہمارے مظلومین کے انتقام کی حسرت پیدا کر کے تعجیلِ انتقام کی دعا کرے

گا میں عزاداری کے مقاصدِ حقیقی پہ روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ عزاداری کا مقصد تھا امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے انصار پیدا کرنا اوران کے معاونینِ انتقام بنانا نہ کہ اس غم کو غمِ جاں اور جی کا روگ بنانا کیونکہ جو قومیں کسی غم کو روگ بنا لیتی ہیں وہ عملی اوراخلاقی طور پر تباہ ہوجاتی ہیں اور جب سے ہماری قوم نے مقصدِعزا کو بھلایا ہے اس دن سے ہمارے عوام اور علما سے عمل مفقود ہورہا ہے اوراخلاقی طور پر پستیوں کی طرف جارہے ہیں نیکی اوراعلیٰ قدریں مٹتی جارہی ہیں اورعزاداری سے روحانیت کا خاتمہ ہورہا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہماری قوم نے اس صدمے کو طاقت نہیں بنایا کہ جس سے عملی حرارت پیدا ہوتی

علم الاخلاقیات کا مسلمہ ہے کہ جو انسان کسی برائی کو بطورِ برائی کرتا ہے اس کی اصلاح ہوسکتی ہے مگر جو شخص کسی برائی کو بطورعبادت کر رہا ہو اس کی اصلاح کبھی نہیں ہوتی

جب سے ہم نے عزاداری کے آبِ فرات کو ہیڈاپ (Headup) کیا ہے اور اس کے ارتقا کے عمل میں رکاوٹ ڈالی ہے اوراس بہتے دریا کو روکا ہے تب سے اس میں تھوڑا تھوڑا تعفن پیدا ہوگیا ہے اور یہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہے اوراس میں کئی قسم کے مہلک جراثیم پیدا ہورہے ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج شیعہ مساجد میں علیؑ ولی اللہؑ کے بغیر آذانیں سنائی دے رہی ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہمارے آبِ فرات کا پانی متعفن ہی نہیں ہوا اس میں فاسد جراثیم بھی پیدا ہوگئے یہ بھی ہے کہ ہم بے عملی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے جارہے ہیں مجالسِ عزا میں پیدا ہونے والی برائیوں کو بھی عبادت مان کے کر رہے ہیں جس کا نتیجہ ہمارے

سامنے ہے کہ ہم ایک بے عمل قوم کی طرح اقوامِ عالم میں مشہور ہور ہے ہیں اور اس بے عملی کو دیکھ کر دشمن کے حوصلے جوان ہور ہے ہیں

میں یہ نہیں کہتا کہ سارے ملیٹنیٹ (Militent) بن جائیں بلکہ اس قوم نے ہر دور میں اپنے وجود کو روحانیت کی وجہ سے باقی رکھا ہے نہ کہ تلوار اٹھا کر اور آج ہم پھر روحانیت کا راستہ اختیار کریں تو کوئی دشمن ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اگر دشمن یہ سوچتا ہے کہ وہ اس قوم کو مٹا دے گا تو یہ اس کی بھول ہے کیونکہ جس وقت وہ کسی ایک شیعہ کو شہید کر رہا ہوتا ہے اس وقت ایک ہزار شیعہ بچے پیدا ہور ہے ہوتے ہیں اور اس وقت دس آدمی شیعہ مذہب اختیار کر رہے ہوتے ہیں اور جس چیز کے وجود و عدم کا یہ تناسب ہو وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتی ہاں ہمیں اگر خطرہ ہے تو یہ ہے کہ دشمن ہم سے ہماری سب سے بڑی طاقت کو ہم سے چھین رہا ہے وہ ہے روحانیت اور جذبۂ عمل

خدا نہ کرے اگر دشمن نے ہم سے یہ طاقت چھین لی تو پھر شیعہ تو رہیں گے مگر شیعت باقی نہ رہے گی

جس طرح عیسائیت کو کفارے کے عقیدے نے تباہ کیا ہے انہوں نے اس عقیدے کا پرچار کیا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے گناہوں کی وجہ سے صلیب منظور کی ہے اب اگر کوئی عیسائی گناہ کرتا ہے تو اسے معافی ہے اس عقیدے کے پرچار نے شاید عیسائیت کو تھوڑا بہت فروغ دیا ہوگا مگر اب یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں ہے کہ عیسائی بہت ہیں مگر عیسائیت باقی نہیں رہی دین کی پابندی اور مقدس روایات اخلاقیاتی قدریں ان میں نام کو موجود نہیں ہیں اسی طرح ہمارے درمیان بھی اس عقیدے کو

رواج دیا گیا ہے کہ امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام نے شیعہ گناہگاروں کو بخشوانے کیلیئے اپنی جان کی قربانی دی ہے اب ان کی شہادت کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے اور نہ کسی نیکی کی ضرورت ہے بس مجلس میں رولیں یا رلوالیں یا رونے کی شکل بنالیں تو گناہ معاف ہوجاتے ہیں

مجھے اس حدیث سے انکار نہیں ہے بلکہ اس کی قطع و برید پر اعتراض ہے کیونکہ اس کے ایک حصے کو حذف کر کے پیش کیا جاتا ہے کہ جس میں ہے کہ بشرطھا و شروطھا یعنی رونے رولانے کے عمل میں کچھ شرائط بھی ہیں ورنہ امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام کی مظلومیت تو ایسی جاں گداز تھی کہ خود شمر ملعون بھی رورہا تھا یزید ملعون بھی رورہا تھا کیا ہم انہیں اس حدیث کی جزا کا مستحق سمجھتے ہیں؟

دوستو اگر ہم فرض کرلیں کے صرف رونے رلانے سے نجات ہے اور اس پہ بھی سوچیں کہ اگر وہ کریم ذات علیہ الصلوات و السلام کل فرمادیں کہ جن لوگوں نے آنسو بہائے ہیں ہمارا ان کے ساتھ نجات کا وعدہ ہے اس لئے انہیں ہمارے دربار میں نہ لاؤ اور انہیں جنت کے کسی کونے میں ڈال دیں ہم انہیں دیکھنا نہیں چاہتے وہ اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے ہماری زیارت کے قابل نہیں انہیں جنت دینے سے ہمارے ملک اور حکومت میں مچھر کے پر کے برابر فرق نہیں آتا انہیں جنت میں ہم سے دور کسی جگہ پھینک دو

اب یہاں خود انصاف کریں ایسی جنت کا بھی کوئی فائدہ ہے؟ اس جنت سے تو جہنم بہتر ہے کیونکہ مقصد حیات تو انوار الٰہی کے زیارت ہے جنت تو کوئی بڑی چیز نہیں ہے میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ جس جنت میں اصحاب کہف کا کتا بھی موجود ہو

وہاں کسی مومن کا جانا اتنی بڑی چیز نہیں ہے یا کوئی بڑا اعزاز نہیں

اب تو ہماری قوم اس سے بھی آگے تک جا چکی ہے نہ تو ہم نے اس غم کو طاقت بنایا ہے اور نہ اس غم کو روگ بنایا ہے اور نہ اسے معاف کر کے بھول سکے ہیں بلکہ ہم تو ان مظلومین کی لاشوں کو بیچ رہے ہیں ان کا خون نیلام کر رہے ہیں' ان کے دکھوں کو ذریعۂ معاش بنایا ہوا ہے کیا اس کے بعد بھی کوئی چیز باقی ہے جسے ہم شیعت کہہ سکیں؟

یہی وجہ ہے کہ ہم ستر ستر سال کے بوڑھوں کو دیکھتے ہیں کہ جو نمازیں بھی پڑھتے ہیں عزاداری بھی کرتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں مگر روحانی اور اخلاقی طور پر بالکل تہی دست ہیں

دوستو یہ کسی پہ تنقید نہیں ہے بلکہ یہ حقائق ہیں کہ ہمیں ان کا اعتراف کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح کی طرف کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیے تا کہ ہم اس غم و درد کی لہر کو طاقت کا سرچشمہ بنائیں اور دعائے تعجیل فرج اور جذبہ انتقام کو پروان چڑھائیں یا لیتنی کنت معکم صرف زبان سے کہنے سے تو کچھ نہیں بنتا ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا آؤ سارے مل کر دعا کریں کہ خالق ہم سب کو امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے انصار بننے کی توفیق عطا فرمائے

اَللّٰھُمَّ اجعَلنِی مِن اَنصَارِہٖ وَ اَعوَانِہٖ وَ اَشیَاعِہٖ وَ ذَابِینَ عَنہُ وَجعَلنِی مِنَ المُستَشھِدِینَ بَینَ یَدَیہِ طَائِعاً غَیرَ مُکرِہٍ فِی الصَّفِ الَّذِی نَعَتَّ اَھلَہ' فِی کِتَابِکَ فَقُلتَ صَفّاً کَاَنَّھُم بُنیَانٌ مَرصُوصٌ

اے اِلٰہ العالمین ہمیں اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے انصار و مددگاروں میں

شامل فرما اور ہمیں ان کے شیعوں میں سے قرار دے اور ان کی حفاظت کرنے والوں میں داخل فرما اور ہمیں ان کے سامنے شہید ہونے والوں میں شامل ہونے کا اعزاز عطا فرما اور ہمیں اپنی خوشی سے جان نچھاور کرنے والوں میں شامل فرما نہ کہ بغیر رضا کے کرھاً ہم جان کا نذرانہ پیش کریں اور ہمیں امام علیہ الصلوات و السلام کے ان جانثاروں میں داخل فرما کہ جن کی مدح میں تیری ذات نے اس طرح قصیدہ سرائی فرمائی ہے کہ وہ جانباز سیسہ پلائی دیوار کی طرح جم جانے والے ہوں گے سارے مومنین مل کر دعا کریں اس مظلوم خاندان پاک علیہم الصلوات و السلام کے دکھوں کی طویل رات صبحِ مسرت میں تبدیل ہو جائے ان کے لامتناہی غم و آلام کا اختتام ہو ان کے ایک ایک جوان کے خون ناحق کا انتقام ہو اور ان کی راہ میں جتنے لوگوں کا خون بہایا گیا ہے ان کا خوں بہا لیا جائے اور اس دنیا سے سارے مصائب کا جلدی خاتمہ ہو اور ان کا منتقم و عادل لختِ جگر عجل اللہ فرجہ الشریف دنیا میں جلد از جلد ان کا انتقام لیں اور انتقام کے مناظر سے مومنین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاھرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشریف و صلوات الله علیه ﴾

الحمد لله رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجة الله فی العالمین عجل الله فرجه الشریف و آبائه المعصومین و امهاته الطاهرین الطیبین صلوات الله علیهم اجمعین و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

اے تشنگانِ موجِ عرفان

میں کل سے شہنشاہِ معظم عدلِ الٰہی ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسم مبارک ''عدلؑ'' پہ انہی کے کرم سے روشنی ڈال رہا ہوں

''عدل'' ایک صفتِ الٰہی ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ عدل سیدۃ الصفات ہے یعنی سارے صفات کی سردار صفت ہے سارے صفات اسی کے ماتحت کام کرتے ہیں یعنی اللہ جل جلالہ کا کوئی فعل خلافِ عدل نہیں ہوسکتا

وہ خالق ہے، رازق ہے، محی ہے، ممیت ہے، شافی ہے، معطی ہے مگر اس کے یہ سارے صفات عدل کے ماتحت ہیں جس کو خلق کیا یہ بھی عین عدل تھا اگر کسی کو زندہ رکھا تو یہ بھی تقاضائے عدل تھا کسی کو امیر بنایا کسی کو غریب بنایا کسی کو شقی بنایا کسی کو

سعید بنایا کسی کو آدم بنایا کسی کو ابلیس بنایا یہ سب عدل کے ماتحت ہی بنایا کیونکہ اللہ جل جلالہ سے ظلم کا امکان ہی نہیں اور جو ظلم نہ ہو تو پھر عدل ہے

یہ عدل اللہ جل جلالہ کی ایسی عظیم صفت ہے کہ جو جملہ صفات سے اعلیٰ بھی ہے اور ان میں جاری بھی ہے یعنی عدل اللہ جل جلالہ کی اتنی اہم صفت ہے کہ یہ صفت ہونے کے باوجود ذات کی طرح اصول دین میں اپنا ایک علیحدہ مقام رکھتی ہے ایک علیحدہ اصول قرار پائی ہے کیونکہ یہ ملکہ توحید ہے یعنی اللہ جل جلالہ کی ایک مخفی اور جاری و ساری قوت ہے

یہاں یہ بھی عرض کردوں کے ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کائنات کیلئے عادل ہیں اور اللہ جل جلالہ کیلئے اس کی صفتِ عدل کی طرح ہیں

عدل کے بارے میں کئی لوگ کہتے ہیں کہ عدل کو اصول دین سے خارج کرنا چاہیے میں کہتا ہوں اسے خارج از اصول کرنا بھی ایک ظلم ہے ایک تو اس صفت کی اہمیت کے پیش نظر اصول سے خارج کرنا ظلم ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جملہ مظلومین اور دکھی انسانوں کیلئے یہی عدل ہی تو آخری دلاسہ ہے انسانی سوسائٹی کے محروم طبقے کیلئے ستائے ہوئے انسانوں کے پاس صبر کرنے کی واحد وجہ یہ تصور ہے کہ ایک دن عدل ہوگا ان دکھی لوگوں سے یہ آخری آس تو نہیں چھیننا چاہیے اگر یہ دلاسہ بھی نہ رہا تو کوئی مظلوم کس امید پر ظلم برداشت کرے گا؟

محمدؐ و آل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام نے جو عزاداری کا قیام فرمایا تھا تو ان کا مقصد دراصل ایک عالم گیر عدل کا قیام تھا یعنی اس روئے زمین کی حکومت کسی آفاقی رہنما کے حوالے کروانا تھی یعنی وہ کسی ایسی عادل ذات کو نظام دنیا دینا چاہتے تھے کہ جو

پورا پورا عدل کر سکے اور عدل کے معاملے میں مجبور و بے بس نہ ہو کیونکہ عدل جیسا اہم کام کسی بے بس اور مجبور شخص کو کیسے سونپا جا سکتا تھا یہ تو ایک منصبِ توحید ہے اور اس پر کسی ایسی ذات کو فائز ہونا چاہیے جو توحید کی ذات نہ ہونے کے باوجود اس کے مکمل اختیارات کا مظاہرہ کرے اور پھر کلی نظامِ عدل نافذ ہو جائے

انصارِ عادل حقیقی

دوستو اگر اس دنیا میں حقیقی عدل کا نفاذ کروانا ہو تو وہ کسی عام آدمی کا کام نہیں بلکہ وہ کوئی روحانی رہنما ہی کر سکتا ہے کوئی سپر چوائل لیڈر (Spiritual Leader) ہی صحیح معنی میں کلی عدل کا نفاذ کر سکتا ہے مگر وہ بھی اس صورت میں نفاذ عدل کر سکتا ہے کہ اس کے پاس وسائل مکمل ہوں یعنی اس کے کیلئے کچھ چیزیں ضرورت کی طرح ہیں مثلاً

موجودگانِ زمین میں سے بھی اس کے کئی انصار ہوں یعنی اس کے انصار روحانیین کے ساتھ اس دنیا کے رہنے والے کچھ لوگ بھی ہوں اور وہ مددگار باقی لوگوں سے چند امتیازی خصوصیات کے حامل بھی ہوں جیسا کہ

( ) ان مددگاروں کیلئے یہ لازم ہے کہ وہ اس دنیا کے ہوں

حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات میں لاکھوں کروڑوں ایسی زمینیں ہیں کہ جہاں انسان آباد ہیں کیونکہ معصومین علیہم الصلوات و السلام نے فرمایا ہے کہ ان کے شہر تمہارے شہروں کی طرح ہیں اور ان پر حجت اللہ ہم ہیں اگر اس دنیا کے قیام عدل کیلئے کسی دوسرے سیارے (Planet) میں سے کوئی مخلوق لائی جائے اور ان کے ذریعے یہ کام انجام دیا جائے تو کیا یہ کام بذاتِ خود عدل ہو سکتا ہے؟

() انصارِ عادلؑ کیلئے لازم ہے کہ وہ انسان ہوں یعنی گوشت پوست کے انسان ہوں سچ تو یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کا نظامِ اعلیٰ تو ویسے بھی چل رہا ہے یہ ساری کائنات اور اس میں ملکوت وملکوت فعلیہ قوائے متصرفہ سے یہ سارا نظام چلا رہے ہیں پھر کسی دوسرے نظام کی ضرورت ہی نہیں رہتی مگر یہاں ضرورت ہے اور انسانوں کو ضرورت ہے اس لئے اس نظامِ عدل کے قیام کے معاون اور اسسٹ (Assist) کرنے والوں کا انسان ہی ہونا لازم ہے

() ان مددگاروں اور معاونین کیلئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ خود ظالم اور مجرم نہ ہوں تاکہ وہ عدل کی زد میں خود نہ آجائیں اور جو خود مجرم کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا وہ عدل الٰہی کا معاون کیسے ہوگا؟

جب نظام عدل نافذ ہوگا اور اس کا کوئی معاون مجرم ہوگا تو پہلے وہ اپنے جرم بخشوانے کا تدارک کرے گا یا خود عدل کو نافذ کرے گا؟ اور کرے گا تو کس طرح؟ کیا کسی مجرم کو عدل کا معاون بنانا عدل ہے؟ جس جرم میں وہ خود ملوث ہو اس کی سزا کسی دوسرے کو کیسے دے گا؟ اور اگر دے بھی دے گا تو کیا وہ عدل الھیہ کے شایانِ شان کام ہوگا؟

() انصارِ عادلِ حقیقی کیلئے صرف نیک اور پارسا ہونا کافی نہیں بلکہ ان میں تمنائے عدل وجذبہ نفاذ کا پایا جانا بھی ضروری ہے

() ان انصار کیلئے اولین وآخرین سے اونچا میرٹ (Merit) رکھا گیا ہے اور انہیں کیلئے لازم ہے کہ وہ افضل اھل کل زمان ہوں

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے جو 313 اصحاب ہوں گے ان کا معیار تو انصار

سے بھی اونچا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کوہ فاراں پر تشریف لائیں گے تو ان کے ساتھ تین سو تیرہ اصحاب اور دس ہزار ایسے انصار ہوں گے جنھیں بہ زبان بائیبل قدسی کہا گیا ہے

لازم ہے کہ ہم ماضی کے لوگوں کو دیکھیں تاکہ ہمیں اس میرٹ (Merit) کا اندازہ ہوسکے

( ) جناب موسیٰ علیہ السلام کے نومسلم جو ساحر تھے جب انہوں نے کلمہ پڑھ لیا تھا تو انہیں فرعون نے لکڑی کے تختوں پر لٹا کر ان کے ہاتھوں پاؤں میں میخیں گاڑ دی تھیں اور پھر لوہے کی فولادی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں سے گوشت کھرچا گیا تھا مگر ان کا ایمان اتنا کامل تھا کہ پھر بھی ان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا

( ) جب جنگ جمل ہو رہی تھی تو سب سے پہلے دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آ کھڑے ہوئے اس وقت جناب مالک اشترؓ اور جناب عمار یاسرؓ اور جناب جندب ازدیؓ اور دیگر جانثار لشکر کو ترتیب دینے میں مصروف تھے اس وقت جناب امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام اپنے رہوار پہ سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور دونوں لشکروں کا معائنہ کیا اور اس کے بعد آپ نے اپنے لشکر کی طرف رخ فرمایا اور اس وقت ایک مرتبہ فرمایا ھَل مِن نَاصِراً یَنصُرنا کوئی ہے جو ہماری نصرت کرے؟ اس وقت ایک ہزار جوان میدان میں شمشیر بکف حاضر ہوئے تو اس وقت امام علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تم میں سے ہمیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ہماری طرف سے مخالف لشکر کے سامنے جا کر یہ پیش کش کرے کہ ہمارے امام زمانہ علیہ الصلوات و السلام فرماتے ہیں کہ آ ؤ ہم مل کر اللہ جل جلالہ کی کتاب پہ فیصلہ کرلیں لیکن

نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے بائیں ٹانگ کاٹی جائے گی پھر دائیں ٹانگ پھر ایک ہاتھ قطع کیا جائے گا اس کے بعد دوسرا آخر میں سر جدا کیا جائے گا جب تک سر جدا نہ کیا جائے اپنی بات کا مسلسل اعادہ کرنا ہوگا کہ آ ؒوالله جل جلاله کی علیه الصلوات و السلام نے ایک کو اس کام کیلئے منتخب فرمایا اور جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا اسی طرح اس نے شہادت پائی
() اس کے بعد کربلا کا میدان ہے تو اس میں تو اولین کے وہ گوہر نایاب تھے کہ جن کا جواب ماضی میں کہیں نہیں ملتا لیکن ہمارے امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف نے جو میرٹ (Merit) رکھا ہے وہ سب سے اونچا ہے اس لئے ہمیں ماضی کے مقدس انصار کو دیکھنا ہوگا اور اس کے بعد اپنے لئے میرٹ (Merit) کا تعین کرنا ہوگا

﴿محدودیتِ دنیا﴾

() عادلِ حقیقی کیلئے یہ لازم ہے کہ وہ اس دنیا کو عالم ماوریٰ سے بدل دینے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہو
اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا بہت تنگ ہے اور اتنی تنگ ہے کہ اس میں تو مظاہرۂ عدل و انتقام ہو ہی نہیں سکتا ہے
اگر یہاں کوئی عدلِ حقیقی کا نفاذ کرنا بھی چاہے تو نفاذِ عدل محال ہے اس امر میں زمین کی محدودیت سب سے بڑی مانع ہے
آپ اس زمین کا کل رقبہ دیکھیں پندرہ بیس کروڑ مربع میل سے زیادہ نہیں ہے اور اس سے اگر دریا سمندر پہاڑ قطبین یعنی قطب شمالی اور قطب جنوبی نکال دیں اور جھیلیں صحرا بھی نکال لیں تو اس کا رہائش کے قابل جو رقبہ ہے جسے ربع مسکون کہا جاتا ہے وہ بہت محدود سا رقبہ بنتا ہے اور اس میں اگر بفرمانِ امیرالمومنین علیه الصلوات و

السلام اسی 80 ہزار آدم کی اولاد کو ایک ساتھ اٹھا کر کھڑا کر دیا جائے تو اس دنیا پر انسانوں کی ایک لیئر (تہہ) جم جائے گی اور انسان پر انسان کھڑے ہوں گے اور یہاں کھڑے ہونے کیلئے فی کس ایک فٹ بھی نہیں مل سکتا اور جب کمرۂ عدالت کی یہ حالت ہو کہ اس میں مدعیان اور ملزمان کھڑے ہی نہ ہو سکیں تو عدالت کیسے ہو گی؟ یعنی اس زمین میں اتنی گنجائش ہی نہیں ہے کہ اس نظامِ عدل کو سنبھال سکے اس دنیا میں تو ملزمان اور مدعیان کو حاضر کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہے

جب یہ زمین انسانوں کے کھڑے ہونے کیلئے بھی ناکافی ہو جائے تو پھر وہ وعدے جو اللہ نے فرمائے ہیں ہم صالحین کو اس زمین کا وارث بنائیں گے انہیں اس زمین کی حکومت عطا فرمائیں گے وہ کیسے پورے ہوں گے کیا مظلومین کو ساری زندگی کے مصائب کے بدلے میں پانچ مرلہ سکیم کا ایک پلاٹ دے کر راضی کیا جا سکتا ہے یا وہ راضی ہو بھی جائیں تو کیا اسے ایفائے عہد اور عدل کہا جا سکے گا؟

یہ دنیا گھٹیا ہے اور اس میں تو کسی کی معقول جزا بننے کی صلاحیت بھی نہیں ہے اس دنیا میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ یہ کسی کیلئے معقول جزا بن سکے جب تک اسے عالم ماورئٰ میں تبدیل نہ کیا جائے یہ عدل کے حقیقی نظام کیلئے ناکافی ہے ہاں عالمِ ماورئٰ کی وسعتوں میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اس نظام کو سنبھال سکتی ہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان جن مراحل سے ہو کر اس دنیا میں آیا ہے اس میں ہر مرحلہ گویا اس کی ایک دنیا تھی یا ایک عالم تھا مگر اس کی وسعتوں کا تناسب تقریباً ایک جیسا ہوتا ہے

انسان نے سب سے پہلا جنم جس دنیا میں لیا اس کا نام ہے عالمِ اصلاب یعنی صلبِ

پدر یا یوں سمجھیں کہ جب وہ سپرم کی ابتدائی شکل میں تھا یا اے این، اے ڈی، این اے (AN, AD, NA) کی دنیا میں تھا اس وقت اس کی جو کائنات وہاں تھی وہ اتنی چھوٹی تھی کہ ایک پانی کے قطرے میں اگر اس پوری دنیا کے انسان وہاں جیسی جسمامت کے ساتھ بسائے جائیں تو سارے لوگ وہاں اس آزادی کے ساتھ رہ سکیں گے جیسے اس دنیا میں اپنے رہنے کیلئے وسعت پاتے ہیں اس کا تناسب سمجھانے کیلئے ہم یہ بتائیں گے کہ جس طرح شکمِ مادر سے یہ ہماری کائنات بڑی ہے اسی طرح عالم صلب سے عالم ارحام بڑا ہے شکمِ مادر کی جو نسبت اس کائنات سے ہے وہی نسبت عالم رحم کو شکمِ مادر سے ہے انسان عالمِ صلب میں رہ سکتا تھا مگر وہاں مظاہرۂ نشو و نما نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ کائنات اس چیز کے مظاہرے کیلئے ناکافی تھی اگر انسان کی وہاں نشو و نما بھی ہونا شروع ہو جاتی تو اس کی وہ مائیکرو (Micro) یا نائینو (Nino) کائنات تباہ ہو جاتی اور خالقِ کائنات یہ بھی چاہتا تھا کہ انسان نشو و نما کا مظاہرہ کرے تو اس نے اس انسان کو ایک نیا جنم دیا اور شکمِ مادر میں پیدا کر دیا یہ شکمَ مادر اتنا بڑا تھا کہ ایک حد تک اس کی نشو و نما کیلئے کافی تھا اور اسے ایک نئی پیدائش کے قابل بنا سکتا تھا اور اسے ایک نئی دنیا کے حالات کے نمٹنے کے صلاحیت دے سکتا تھا مگر شکم مادر بھی ایک چھوٹی سی دنیا تھی جس میں انسان کے مظاہرۂ اعمال کی گنجائش نہیں تھی اس انسان کو ایک نئی پیدائش دی گئی اور اسے اس دنیا میں بھیج دیا گیا تاکہ یہاں وہ اپنے اعمال کا مظاہرہ کر سکے اور یہ کائنات انسان کے مظاہرے کیلئے اس کی توقع سے بھی زیادہ بڑی ہے کہ انسان ساری سائنسی ترقی کے باوجود اس کائنات کو پوری طرح دیکھ بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ اس میں نفوذ پذیر ہو سکے یعنی یہ اس کے

اعمال کیلئے کھلا میدان ہے

لیکن یہ دنیا انسانی افعال و اعمال کے کیلئے تو کافی سے بھی زیادہ ہے مگر افعال الہیہ کیلئے یہ بہت تنگ و محدود ہے

یہ دنیا انسان کیلئے دار الاعمال بننے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے مگر اس میں دار الجزا بننے کی صلاحیت نہیں ہے دار الجزا تو عالم ماوریٰ ہی بن سکتا ہے

ان عوالم میں جو وسعت کا تناسب ونسبت ہے وہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ موجود رہتا ہے

انسان کو میدانِ عمل میں پرکھنے کیلئے شکمِ مادر ناکافی اور تنگ تھا اس لئے اسے اس دنیا میں لایا گیا تاکہ وہ اپنے اعمال کا کھل کر مظاہرہ کر سکے جس طرح انسان اس دنیا میں جنم لیتا ہے اسی طرح عالم صلب سے شکمِ مادر میں جنم لیتا ہے اور جس طرح اس دنیا میں انسان پیدا ہوتا ہے اسی طرح موت بھی انسان کی ایک نئی پیدائش ہے کیونکہ اس دنیا سے انسان نکل کر عالمِ ماوریٰ میں جنم لیتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ جس طرح انسان کیلئے شکمِ مادر دارِ اعمال بننے کیلئے ناکافی ہے اسی طرح یہ دارِ دنیا دار الجزا بننے کیلئے ناکافی ہے اس دنیا میں انسانی اعمال کا مظاہرہ تو ہوسکتا ہے فعال الہیہ کا مظاہرہ یہاں نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ دارِ دنیا اس مظاہرے کیلئے تنگ ہے

ایک مثال سے اس بات کو واضح کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ ایک آدمی ایک بڑی سی گاڑی لاتا ہے پھر دوستوں کو بلاتا ہے کہ آ کر میری گاڑی دیکھو جب وہ آتے ہیں تو اس کی ایک کنال کی کوٹھی میں گیراج کے اندر وہ گاڑی کھڑی ہوتی ہے اس کے دوست اسے کہتے ہیں تم ہمیں اسی کوٹھی کے اندر اس کو دوڑا کر دکھاؤ تاکہ ہم بھی

دیکھیں کہ یہ کتنی دوڑ سکتی ہے آپ بتائیں کیا اس گاڑی کی دوڑ کا مظاہرہ ایک گیراج میں ہوسکتا ہے؟

اگر کوئی آدمی ایف 16 لے کر آتا ہے اور کوئی اسے کہے کہ ہمیں بیڈمنٹن ہال میں اس کی پرواز دکھاؤ تو کیا کوئی اس کی پرواز کا مظاہرہ دکھا سکے گا؟ اسی سے سمجھ لیں کہ جس طرح ایک لڑاکا طیارے کیلئے ایک کمرے میں ایرو ناٹک (Aeronautic) کا مظاہرہ کرنا ناممکن ہوتا ہے اسی طرح شکمِ مادر انسان کے اعمال کے مظاہرے کیلئے تنگ ہوتا ہے اور اس میں اس کا مظاہرۂ اعمال کرنا محال ہوتا ہے اس لئے اسے دوسری دنیا میں بھیجا جاتا ہے بس اسی طرح عادلِ حقیقی کیلئے اس دنیا میں انتقام لینا اور یہاں کسی کو جزا دینا محال ہے اس لئے عادل حقیقی کیلئے سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ وہ اس دنیا کو عالمِ ماوریٰ میں تبدیل (Convert) کردے اس کے بغیر اس دنیا میں کلی طور پر عدل الٰہی کا مظاہرہ ناممکن ہے

﴿قیامِ عدل﴾

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام کا مقصد تو ایک عالمگیر عدل تھا مگر وہ عدل کسی مجبورِ محض شخص کا عدل نہ تھا کہ جو "پورا پورا" عدل ہی نہ کر سکے جو عدل کے عمل میں مجبور اور بے بس ہو اسے عدل جیسا اہم کام کیسے سونپا جا سکتا ہے؟ کیونکہ یہ تو منصب الٰہی ہے اسی لئے عدل اصول دین میں شامل ہے

محمدؐ و آل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام کا مقصد کسی ایسی ہستی کو برسرِ اقتدار لانا تھا کہ جو دشمن سے پورا پورا عدل کر سکے

اب یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ "پورے پورے عدل" کا مفہوم کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس دنیا کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا میں عدل کا مکمل قیام ممکن ہی نہیں ہے یہ دنیا محدود ہے اس کے اختیارات محدود ہیں اس کی عدالت محدود و مجبور ہے اگر کوئی عادل عدل کرنے کی پوری پوری کوشش کرے بھی تو یہاں مکمل عدل کا قیام نہیں ہوسکتا

آپ یہاں کی عدالتوں کے فیصلے دیکھیں دنیا کی کوئی عدالت جب فیصلہ کرتی ہے تو اپنی بے بسی کا رونا اس کے فیصلے میں لکھا جاتا ہے مثلاً کسی نے ایک قتل کیا اس کی سزا ایک پھانسی یا موت اور جس نے ایک لاکھ آدمیوں کو قتل کیا تو سزا وہی ایک پھانسی یا موت کیا اسے عدل کہا جاسکتا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کا عادل مجبور ہے کہ ایک کے بدلے میں ایک قتل کا حکم تو سناتا ہے مگر وہ اتنا مجبور ہے کہ وہ کسی کو دوسرے قتل کی سزا دینے کیلئے دوبارہ زندہ کر کے سزائے موت نہیں دے سکتا کیونکہ یہ صرف ایک ہی دفعہ مارسکتا ہے بار بار نہیں مارسکتا جبکہ عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ جس نے ایک قتل کیا اسے ایک دفعہ قتل کی اذیت سے گزارا جائے اور اگر کوئی دو قتل کرے تو اسے دومرتبہ قتل ہونا پڑے اور وہ دو مرتبہ اس اذیت کا مزا چکھے اور جس نے ایک لاکھ کو قتل کیا اسے ایک لاکھ مرتبہ تلوار کی دھار کا مزہ چکھنا چاہیے مگر یہاں ایسا نہیں ہوسکتا

اس دنیا کے عدل کی ایک اور کمزوری یہ ہے کہ اس میں مقتول کے معیار یا (Status) کی رعایت نہیں کی جاتی اور نہ کی جاسکتی ہے یعنی ایک کمینہ آدمی اگر کسی کے ہاتھوں مارا جائے تو اس کی سزا بھی وہی پھانسی اور اگر ایک ولی اللہ کو کوئی شخص شہید کردے تو اس کی سزا بھی وہی پھانسی یعنی انسانی معیارِ عظمت و ذلت کے لحاظ

سے سزا میں کوئی تمیز رکھنا اس دنیا کے محدود اور عاجز نظام میں محال ہے

حالانکہ ایک ولی اللہ کے بدلے میں ایک کمینے شخص کو قتل کرنا تو ایسے ہے جیسے انسان کے بدلے میں ایک پاگل کتے کو مار کر اس کے ورثا کو تسلی دے دی جائے کہ تمہاری عدالت ہو چکی ہے

ایک آدمی کو سانپ ڈس لیتا ہے اور وہ مر جاتا ہے تو کوئی شخص اس سانپ کو مار کر اس مرنے والے کے ورثا سے کہے کہ میں نے آپ کی عدالت کر دی ہے آپ کا قصاص لے لیا ہے کیونکہ میں نے اس سانپ کو مار ڈالا ہے

اب آپ بتائیں کیا یہ عدل ہو گیا ہے؟ کیا انسان کے بدلے میں پاگل کتا یا سانپ کا بچہ مار کر تقاضا ہائے عدالت پورے ہو جاتے ہیں؟

آپ دیکھیں پاکستان میں قانون بن رہا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو برا بھلا کہنے والے کو پھانسی دی جائے اور شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے خلاف زبان کھولنے والے کو بھی پھانسی دی جائے اب خود دیکھیں کہ یہاں کا نظامِ عدل کتنا عاجز و بے بس ہے کہ امت اور رسولؐ میں کوئی فرق نہیں رکھ سکتا کیونکہ اگر امت کیلئے ایک سزا ہو تو دشمن رسولؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کیلئے لاکھوں سزائیں بھی ناکافی ہیں مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ یہاں کے عادل کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں ہے یہی اس دنیا کے عادل کی بے بسی اور مجبوری ہے اور جب عادل اس درجہ مجبور ہو گا تو پوری پوری عدالت وہ کیسے کرے گا؟

اس دنیا کے نظام عدالت کے بارے میں عرض کروں گا کہ دنیا کا ہر ملک کوشش کرتا ہے کہ اس کی عدلیہ مضبوط ہو اور اس کا نظام عدل ایسا ہو جو بالکل عدل پر مبنی ہو اور

اس میں زیادہ سے زیادہ تقاضا ہائے عدل پورے کیئے گئے ہوں لیکن کسی بھی ملک میں عدل کا قیام نہیں ہوسکا کیونکہ یہاں کی کرسیِ عدل مجبور و بے بس ہے اور آئے دن اسمبلیوں میں قوانین کی شکست و ریخت ہوتی رہتی ہے (Amendments) لائی جاتی ہیں آرڈی ننس (Ordinance) جاری ہوتے رہتے ہیں مگر قیام عدل پھر بھی دیوانے کا خواب ہی رہتا ہے

اس دنیا کے عدل کی انہی مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے محمدؐ و آل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام نے اس دنیا کے عدل کیلئے عزاداری کا قیام نہیں کیا تھا بلکہ وہ پہلے اس دنیا کے نظام میں تبدیلی چاہتے تھے کہ اس دنیا میں اتنی وسعتِ عمل آجائے کہ اس میں کسی کو پوری پوری جزا اور کسی کو پوری پوری سزا دی جاسکے پہلے اس دنیا کو بدلنا ضروری ہے کہ جس میں رہ کر آدمی کچھ کر ہی نہیں سکتا

جب ہم اس مسئلے پر غور کرتے ہیں کہ اس دنیا کو کیسے بدلا جا سکتا ہے؟ تو ہمارے سامنے ایک ہی راستہ رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی طرح ایک ایسا روحانی رہنما مل جائے جو اس دنیا کو اپنی (Spiritual Power) سپرچوئل پاور سے بدل دے کیونکہ ان مادی وسائل سے اس دنیا کو بدلنا محال ہے اس لئے اس روحانی رہنما میں بھی کچھ اضافی صفات کا پایا جانا لازم ہے ورنہ وہ نہ ہی دنیا کو بدل سکے گا اور نہ ہی عدل کا قیام کر سکے گا

زمان و مکان Time&Space

() حقیقی عدل اور جزاوسزا کا قیام وہ کرسکتا ہے جس میں یہ صفت بھی ہو کہ اس کیلئے زمانے کے سارے Tense، (Present Continuous Tense) کی طرح

ہوں اس کیلئے نہ ماضی ہو نہ مستقبل ہو بلکہ حالِ جاری ہو یعنی اس کے قانون کے ہاتھ اتنے لمبے ہوں کہ جن کے سامنے زمانے کی کوئی چیز حائل نہ ہو سکے مجرم چاہے ماضی کا ہو اور عالمِ برزخ کے کسی کونے میں چھپا ہوا ہو تو بھی وہ ہاتھ بڑھا کر اس کی گردن دبوچ کر اپنے عدل کے کٹہرے میں کھڑا کر سکے اور اگر مجرم کوئی مستقبل کا ہو تو اسے مستقبل کی چوٹیوں سے گھسیٹ کر عدالت میں حاضر کر سکے یعنی کسی زمانے کا بھی مجرم اس کی عدالت سے بچ نہ سکے عادلِ حقیقی کیلئے اس صفت کا ہونا لازمی ہے کہ اس کا زمانے پر اختیار ہو یعنی اس کا (Time & Space) پر مکمل اختیار و تصرف ہو اس کیلئے ماضی حال و مستقبل صرف حالِ جاری کی طرح ہو

صوفیائے کرام اور دیگر جو صاحبانِ فنِ اصطلاحات ہیں انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں صاحب الزمان کی اصطلاح کی جو تعریف لکھی ہے وہ سارے لوگوں کو معلوم ہے جیسا کہ

صَاحِبُ الزّمَانِ وصَاحِبُ الوَقتِ وَ الحَالِ هُوَ المُتَحَقّقُ بِجَمِيعَةِ البَرزَخِيّةِ الُاولیٰ المطلع عَلیٰ الحَائِقِ الاَ شيَاءِ الخَارِجُ عَن حُکمِ الزَّمَانِ وَ تَصَرُفَاتِ مَاضِيَّةٍ وَ مُستَقبِلَةٍ اِلیٰ الآنِ الدَّائِمِ فَهُوَ ظَرفُ اَحوَالِهٖ وَ صِفَاتِهٖ و اَفعَالِهٖ الخ (کشاف اصطلاحات النفنون ج اول ص 807)

زمانے اور حال کا مالک کون ہو سکتا ہے؟ وہ ہو سکتا ہے جس میں برزخیت اعلیٰ کی جامعیت ہو یعنی برزخ اعلیٰ اس میں جمع ہو (Feeded) ہو ہر زمانے کے امام کی یہ خصوصیت ہوتی ہے جیسا کہ میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ امام زمانہ میں پوری کائنات بھری ہوئی ہوتی ہے اسی لئے ارشاد ہوا تھا وکل شی احصیناہ فی امام

مبیــــن یعنی امام مبین وہ ذات ہوتی ہے جس میں پوری کائنات کی ہر چیز اپنی جملہ کیفیتوں کے ساتھ محفوظ ہوتی ہے جب چاہے جس حال اور کیفیت میں چاہے اور جس چیز کو چاہے اپنی ذات جامع کائنات سے برآمد کرسکتا ہے

اور یہ بھی ہے کہ کائنات کی کوئی چیز دائرۂ زمان سے خارج نہیں اور صاحب الزمان وہ ہوتا ہے کہ جو حکم زمان کے ماتحت نہیں ہوتا وقت اس کے ماتحت ہوتا ہے اور وہ وقت سے متاثر نہیں ہوتا اور وہ ماضی حال اور مستقبل پہ تصرف کلی رکھتا ہے جس زمانے کو چاہے جو بنادے

یہاں یہ بھی دیکھتے چلیں کہ وقت اور زمان کی تینوں حالتیں کیا ہیں

آج کے دور میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ وقت ایک مخصوص رفتار سے محوسفر ہے اور اس کی رفتار بھی الیکٹرک سپیڈ (Electric Speed) کے برابر ہے اور یہ ہمارے سامنے سے دم بہ دم گزرتا جارہا ہے اسے ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں

آپ ایک ایسی جگہ کھڑے ہوں جہاں دو تالاب ہوں ایک تالاب سے پانی نکل کر ایک نالی سے گزرتا ہوا دوسرے تالاب میں جارہا ہو اور آپ نالی پر نگاہ جمائے اس پانی کو گزرتا ہوا دیکھ رہے ہوں بلاتشبیہ جس تالاب سے پانی آرہا ہے وہ ماضی ہے اور جو نالی ہے یہ حال جاری ہے اور جس تالاب میں پانی گر رہا ہے وہ مستقبل ہے اسی طرح آنے والا وقت ہمارے سامنے آتا ہے اور پھر ماضی کی گہرائیوں میں غائب ہوجاتا ہے اور ہمارے لئے چند یادوں کے سوا کچھ نہیں چھوڑ جاتا

آنے والا زمانہ مستقبل ہے اور گزرا ہوا زمانہ ماضی ہے اور جو زمانہ موجود ہے یہ حال ہے اور یہ بھی ہے کہ انسان وقت کے معاملے میں عاجز اور بے بس ہوتا ہے

انسان گزری ہوئی ایک سانس کو بھی واپس نہیں لا سکتا اور آنے والی سانس کو قبل از وقت نہیں لے سکتا یہی اس وقت کا کھیل ہے کہ مستقبل ہمیشہ ماضی میں بدلتا رہتا ہے اور اس بدلنے کے عمل کے دوران انسان ایک لمحے کیلئے زمانۂ حال مشاہدہ کرتا ہے
اب اگر کوئی اس دنیا میں پورا پورا عدل کا قیام کرے تو اسے اتنا صاحبِ تصرف ہونا چاہیے کہ وہ ان دونوں تالابوں کے کنارے توڑ کر انہیں ایک ہی تالاب بنا دے تاکہ کوئی مجرم اس کے قانون کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے ماضی و مستقبل کا خاتمہ ہو جائے ہر آدمی عالم موجود میں آ جائے اور پھر ان کے ساتھ عدالت کی جائے تو تب درست عدل ہو سکے گی ورنہ عدل ناقص ہو گی اس دنیا کے قانون کیلئے یہی تو سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ مجرم عدالت میں حاضر نہیں کیا جا سکتا لاکھوں مفرور اشتہاری ہو جاتے ہیں لاتعداد مجرم عدالت میں پیش ہونے سے قبل مر جاتے ہیں اس طرح یہاں کا نظام عدل اپنی بےبسی کا ماتم کرتا رہ جاتا ہے
شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف جب تشریف لائیں گے تو نہ ماضی رہے گا نہ مستقبل بلکہ صرف زمانۂ حال رہے گا اور ساری دنیا کے ظالم و مظلوم، قاتل و مقتول، مدعی و مدعا الیہ قبروں سے برزخوں سے باہر بلا لئے جائیں گے چاہے کسی مجرم کو جلا دیا گیا ہو گا یا کسی مجرم کو جانوروں نے کھا لیا ہو گا تب بھی وہ عدم سے وجود میں لا کر عادل کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور اس دور میں مجرم کے پیش کرنے کا کوئی مسئلہ نہ ہو گا
( ) اس عالم گیر قیامِ عدل کیلئے جو عادل آئے تو اس کے کیلئے لازم ہے کہ دنیا کے کچھ لوگ ہی اس کی نصرت کرنے والے ہوں اور جو خود مجرم نہ ہوں ظالم نہ ہوں تاکہ وہ اس کے عدل کی زد میں نہ آئیں اس کے ناصرین کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سب

ایک ہی زمانے کے ہوں بلکہ ماضی حال و مستقبل چاہے جس زمانے کے ہوں مگر ہوں ضرور اب انہیں ایک زمانے میں لانا یہ عادلِ ذی قدرت کا کام ہے شرط صرف اتنی ہے کہ ان میں نصرت کرنے کی تمنا پائی جائے اور خود مجرم و ظالم نہ ہوں

عادلِ حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ عادلِ حقیقی کون ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ جنھیں ہم عادلِ حقیقی سمجھتے ہیں کیا ان میں یہ خصوصیات پائے بھی جاتے ہیں یا نہیں؟

یہاں یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ وہ آخری رہنما عادلِ حقیقی ہمارے شہنشاہِ زمانہ ہیں جن کا ایک لقب ہے صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ الشریف اور اللہ جل جلالہ نے جو انبیا و رسل علیہم السلام سے ہر دور کے ظالمین سے انتقام لینے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے وہ اس وعدے کو اس ذاتِ یزداں صفات عجل اللہ فرجہ الشریف کے ذریعے پورا فرمائے گا اور اولین و آخرین سے ان کے ذریعے انتقام لے گا اور اللہ جل جلالہ نے ہر دور کے ظالمین سے فرمایا ہوا ہے کہ

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ مُخْلِفَ وَعْدِہٖ رُسُلَهُ إِنَّ اللّٰہَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ () يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ () وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ () سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشَى وُجُوهَهُمُ النَّارُ () لِيَجْزِيَ اللّٰہُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ إِنَّ اللّٰہَ سَرِيعُ الْحِسَابِ...... (سورہ ابراہیم 52)

اللہ جل جلالہ نے جو اپنے رسولوں سے انتقام کا وعدہ فرمایا ہوا ہے اس کی وعدہ خلافی کا گمان بھی نہ کرنا کیونکہ اللہ جل جلالہ زبردست انتقام لینے والا ہے اس روزِ عدل میں

یہ زمین ایک متبادل زمین و آسمان میں تبدیل(convert) کردی جائے گی اور اولین و آخرین اس ذاتِ واحد القہار کے نمائندے کے سامنے پیش ہو جائیں گے اس دن آپ مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے اور ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور ان کے چہروں کو آتشِ انتقام نے گھیرا ہوا ہوگا وہ اس لئے پیش کئے جائیں گے کہ ہر نفس کو اللہ جل جلالہ ان کے کئے کی سزا دے یقیناً اللہ جل جلالہ بہت سرعت سے حساب لینے والا ہے

یہ ایک مسلمہ ہے کہ نمائندے کی آئینی حیثیت اصلی ذات کی ہوتی ہے اس لئے اللہ جل جلالہ نے قرآنِ مقدس میں اپنے نمائندے کے حضور پیش ہونے کو اپنے حضور پیش ہونا قرار دیا ہے درحقیقت جملہ مجرمین ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے حضور میں پیش ہوں گے

میں اس زمین کے بارے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس میں لوگوں کو جمع کرنا اور انہیں جزا یا سزا دینا محال ہے کیونکہ اگر ساری مخلوق کو ایک ساتھ اس زمین پر جمع کر دیا جائے تو فضا میں سیکڑوں فٹ تک انسان پہ انسان سوار کھڑا ہوگا اس زمین پر اسی ہزار آدم اور ان کی پوری نسلیں کھڑی کر دی جائیں تو پھر شاید فضا میں کئی میلوں تک انسانوں کی تہہ جم جائے گی کیونکہ یہ دنیا ایک چھوٹا سا کرہ ہے جو بال کی طرح ہے اور سمندروں سمیت اس کا کل رقبہ تقریباً پندرہ سولہ کروڑ مربع میل بنتا ہے اور اگر صرف خشکی کا رقبہ دیکھیں تو چار پانچ کروڑ مربع میل کے برابر ہے اور اس میں دریا پہاڑ جھیلیں اور قطبین کی برف پوش زمین بھی شامل ہے اگر وہ بھی نکال دی جائے تو انسانی رہائش کے قابل تقریباً تین کروڑ مربع میل کا رقبہ بنتا ہے اور اس پر

اگر انسانوں کو ایک ایک فٹ جگہ دے کر کھڑا کیا جائے تو چند کھرب انسان اس پر کھڑے ہو سکتے ہیں آپ اگر فرض کریں اس سے ہزار گنا انسان بھی کھڑے کر دیں تو بھی جو انسان اس دنیا پر زندگی گزار کر جا چکے ہیں ان کے کھڑے ہونے کیلئے بھی یہ زمین ناکافی ہے چہ جائیکہ ان میں سے کچھ لوگوں کو یہاں نوازا جائے اور انہیں جاگیریں دی جائیں اسی سے اندازہ لگائیں کہ اس زمین کو کسی بڑے عالم میں تبدیل کرنا کتنا ضروری ہے

ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف نے جو سب سے پہلا کام کرنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس دنیا کو ایک نئی دنیا میں (convert) کریں گے یعنی سب سے پہلے کمرۂ عدالت کو وسعت دینا ہے تاکہ سارے لوگ اس میں سما سکیں

اب کوئی آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بات ہم مغربی دنیا سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اگر کہہ بھی دیں تو کیا وہ ہمارا مذاق نہ اڑائیں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خود ان کی مقدس کتابوں میں بھی یہ بات موجود ہے جیسا کہ مکاشفہ ء یوحنا کے باب 21 پر ہے

پھر میں نے ایک نئے آسمان اور نئی زمین کو دیکھا کیونکہ پہلا آسمان اور پہلی زمین جاتی رہی تھی اور سمندر بھی نہ رہا تھا () پھر میں نے شہر مقدس نئے یروشلم کو آسمان پر سے خدا کے پاس سے اترتے دیکھا اور وہ اس دولہن کی مانند آراستہ تھا جس نے اپنے شوہر کیلئے سنگار کیا ہو () پھر میں نے تخت پر سے کسی کو بلند آواز سے یہ کہتے سنا کہ دیکھو خداوند کا خیمہ آدمیوں کے درمیان ہے اور وہ ان کے ساتھ سکونت کرے گا اور وہ اس کے لوگ ہوں گے اور خدا آپ ان کے ساتھ رہے گا اور وہ ان کا خدا

ہوگا اور وہ ان کی آنکھوں کے سب آنسو پونچھ دے گا ( )

ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی سب سے پہلے اس زمین کو عالمِ ماوریٰ میں تبدیل (convert) کریں گے اس کے بعد یہاں اولین وآخرین کو بلایا جائے گا اور یہی ان کا قیام ہی گویا اللہ جل جلالہ کا خیمہ ہے جو مخلوق میں لگتا ہے ان کی موجودگی گویا اللہ جل جلالہ کی موجودگی ہوگی

( ) عادل حقیقی کیلئے ایک خصوصیت یہ بھی ہونا لازم تھی کہ وہ پوری پوری عدالت کرنے پر قادر ہو اور پورا پورا انتقام لینے کیلئے ضروری ہے کہ وہ موت وحیات پر قادر ہو کیونکہ موجودہ دنیا کے نظامِ عدل کی یہی سب سے بڑی بے بسی ہے کہ یہ ایک قتل کی بھی پھانسی دیتا ہے اور ایک لاکھ قتل کیلئے بھی ایک پھانسی سے زیادہ سزا نہیں دے سکتا اگر عادل موت وحیات پر قادر ہوگا تو وہ ایک لاکھ قتل کی ایک لاکھ پھانسی دے سکے گا اور ایک عام آدمی کے قتل اور کسی متقی عارف کے قتل کی سزا میں فرق بھی کر سکے گا اسی لئے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے زمانے کے بارے میں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا کہ ہم ان کے زمانے میں دوبارہ ظہور فرمائیں گے اور اپنے انصار کی شہادتوں کا بدلہ لیں گے اور ایک ایک قاتل کو ستر ستر ہزار مرتبہ فی النار کریں گے

﴿ اہم اشکال ﴾

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ساری عدل اس دنیا میں ہو جانا ہے تو پھر قیامت کی کیا ضرورت ہے؟ یعنی اس تصور عدل سے قیامت کے تصور کو دھچکا لگتا ہے کیونکہ اگر جزا و سزا کا عمل امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے زمانے میں پورا ہو جانا ہے

تو قیامت آ کے کیا کرے گی وہاں کیسے جزا و سزا دی جائے گی کیونکہ وہاں ہر مجرم عرض کر سکتا ہے کہ میں ایک سزا تو بھگت کر آ رہا ہوں یہاں دوسری سزا دینا کیا عدل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے دو نظام ہائے عدل مقرر فرمائے ہیں ایک اس دنیا میں اور ایک آخرت میں اس لئے عدل کو دو جگہوں پر قائم فرمانا عین عدل ہے مثلاً ایک آدمی شراب پیتا ہے وہ حاکم شرعی کے پاس گرفتار کر کے لایا جاتا ہے وہ حاکم اسے سزا دیتا ہے اور پھر وہ ہمیشہ کیلئے توبہ تائب ہو جاتا ہے تو اسے آخرت میں سزا نہیں ملنا چاہیے لیکن کوئی کوڑے کھا کر بھی توبہ کئے بغیر مر جاتا ہے اس کی یہ سزا جو اس نے اس دنیا میں بھگتي ہے وہ آخرت کی سزا میں کفایت و رعایت نہیں کرتی یہاں اسے ایک سزا ملی ہے اور آخرت میں یا قیامت میں اسے پورے عمل کی سزا ملے گی اور جیسے یہاں کے حدود و تعزیرات کا اجرا قیامت کے فیصلوں پر یا اس کے تصور پر اثر انداز نہیں ہوتا اسی طرح امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا نظام عدل اور ان کے فیصلے تصورِ قیامت میں کوئی بگاڑ پیدا نہیں کرتے اور نہ ہی تصور قیامت کو اس سے نقصان پہنچتا ہے

اب تو یہی دعا کریں کہ وہ دن جلدی آئے جب ہم یہ انتقام کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور وہ ہمیں اس انتقام میں شریک ہونے کا اعزاز عطا فرمائیں

اللھم ان حال بینی و بینه الموت الذی جعلته علیٰ عبادك حتماً مقضیاً و اخرجنی من قبری مؤتزراً کفنی شاھراً سیفی مجرداً قناتی ملبیاً دعوة الداعی عجل الله فرجه الشریف

اگر ہمیں موت بھی آ جائے تو پھر ہمیں قبروں سے نکال کر اپنی نصرت میں کھڑا فرمائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه وآبائه المعصومين وامهاته الطاہرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے رھروانِ عشق و عرفان

میں نے اپنے سابقہ خطاب میں آپ کے سامنے اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسمِ مبارک **عدل** عجل اللہ فرجہ الشریف پہ کچھ گفتگو کرنے کا اعزاز حاصل کیا تھا کیونکہ عام طور پہ عادل اور منتقم میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا اس لئے اس مرتبہ میں ان کے دو اسمائے مبارکہ یعنی منتقم اور ثائر عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ پہ روشنی ڈالنا چاہوں گا اور یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی ثائر اور منتقم میں فرق نہیں سمجھتے آپ عادل کا مفہوم تو کچھ نہ کچھ سمجھ چکے ہوں گے اب منتقم اور ثائر کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں

"منتقم" کا اصل مادہ نقم (نقمت) ہے عربی کا مقولہ ہے کلّ شیءٍ یُعرفُ

بِضِدّ ِ ھَا یعنی ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور نقمت کی ضد نعمت ہے
انسان کو جو چیز بحثیت انسان حاصل ہوتی ہیں وہ دو طرح کی ہوتی ہیں مثلاً جو چیز اسے ملے گی وہ یا تو باعثِ لذت و مسرت ہوگی یا باعثِ الم و اذیت ہوگی اور جو چیز باعثِ لذت و مسرت ہوتی ہے اسے نعمت کہتے ہیں اور جو چیز باعث اذیت ہوتی ہے وہ نقمت ہوتی ہے
رب ذو الجلال والا کرام کیونکہ رحمٰن و رحیم ہے اس لئے وہ انسان کو نعمات عطا فرماتا ہے اور بلا استحقاق عطا فرماتا ہے اور نقمات بالمکافات دیتا ہے یعنی نقمات کا نزول انسان کے عمل سے وابستہ ہوتا ہے کیونکہ جو انسان نعمات سے کفر کرتا ہے اور کفران نعمت کا مرتکب ہوتا ہے اس سے وہ اپنے نعمات سلب فرمالیتا ہے اور اس کا نعمات کو صلب فرمانا ہی ایک نقمت ہے اس لئے ایک طرح سے یہ اللہ جل جلالہ کا انتقام کہلاتا ہے کیونکہ نقمت میں ایک طرح کی اذیت موجود ہوتی ہے اس لئے وہ سزا کی طرح عمل میں آتی ہے اور انتقام ایک طرح سے اذیت بخش بھی ہوتا ہے
اذیت اور انتقام میں یہ فرق ہے کہ اذیت ذہنی بھی ہوسکتی ہے اور جسمانی و روحانی بھی مگر انتقام میں یہ خصوصیات نہیں پائے جاتے دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ اذیت بلا وجہ بھی ہوسکتی ہے جیسے نیک لوگوں کو ظالمین سے اذیتیں پہنچیں مگر انتقام بلا وجہ و بلا جرم نہیں ہوتا
عربی میں اس کیلئے ایک اور لفظ بھی استعمال ہوتا ہے وہ ہے ’عقوبت‘
عقوبت کا مادہ ہے عقب اور عقب کے حقیقی معنی ہیں ردِعمل کے کیونکہ ردِعمل ہمیشہ عمل کے عقب میں متصل آتا ہے اس لئے ہر ردعمل کو عقوبت کہتے ہیں کیونکہ برے اعمال کا

ردِعمل بھی برا ہوتا ہے اسی لئے اس ردِعمل کو عقوبت کہتے ہیں اور اس کے بعد یہ صرف جسمانی سزا کے طور پر اور عذاب کے معنی میں استعمال ہونے لگا

اس کا صحیح ترجمہ انجام ہے اور عاقبت اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی اس لئے اس کی اچھائی اور برائی کا انحصار عمل کے ساتھ وابستہ رہتا ہے مگر عام طور پر اس کے معنی اذیت ہی کیلیئے جاتے ہیں ورنہ اس کے معنی ردِعمل اور انجام ہی کے ہیں

دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ جل جلالہ کا سلبِ نعمات ہی ایک طرح کا انتقام ہوتا ہے نعمات پہ بحث ہم اگلے خطاب میں کریں گے یہاں اتنا عرض کروں گا کہ اللہ جل جلالہ کا انتقام دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے

(1) انتقام فی الدنیا یعنی وہ انتقام جو اس دنیا میں لیا جاتا ہے

(2) انتقام فی الآخرت یعنی اس دنیا سے دار البقا میں انتقال کے بعد کا جو انتقام ہوتا ہے

اس دنیا میں جو انتقام ہے وہ دو حصوں میں منقسم ہے

(ا) قبل از رجعت کا انتقام (اا) زمانۂ رجعت کا انتقام

جو قبل از رجعت کا انتقام ہے اس کی دو قسمیں ہیں انتقامِ خفی اور انتقامِ جلی

انتقامِ جلی وہ ہے جو ظالمین اور خاص خاص کافرانِ نعمت سے لیا جاتا ہے جیسا کہ ماضی کے مجرمین کے بارے میں ارشاد ہے

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ

ہم نے ان میں سے انتقام لیا اور انہیں فوراً امواج بحر میں غرق کر دیا

اسی طرح انتقامِ خفی ہے کہ جیسے کسی بھی جرم پہ سزا کے طور پہ انسانوں سے نعمات

سلب ہوتے رہتے ہیں اور اسی کے بارے میں فرمایا

إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنتَقِمُون

یقیناً ہم مجرمین سے انتقام لینے والے ہیں یعنی سلب نعمت فرمانے والے ہیں جس نے بھی اللہ جل جلالہ کے نعمات کا کفران کیا ان سے نعمت کو سلب فرمانے والے ہیں

دورِ رجعت کے انتقام کے بارے میں ہے

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنتَقِمُون

اس پہ ہم بعد میں گفتگو کریں گے ہمارے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ سلبِ نعمات کا عمل جہاں بھی ہوتا ہے وہ انتقام قرار پاتا ہے اور انتقام کیلئے لازم ہے کہ وہ جرم کے بعد ہو فرعون کو ہمارے خیال میں بہت زیادہ مہلت ملی تھی مگر یہ وقت زمینی لحاظ سے بہت زیادہ تھا ورنہ آفاقی ٹائم ٹیبل کے لحاظ سے یہ فوری سزا کی طرح تھا کیونکہ زمان اور مکان کا تصور انواعی لحاظ سے جدا جدا ہوتا ہے جیسا کہ ایک انسان کیلئے ایک بھرپور زندگی کا تصور ساٹھ ستر سال کا ہے مگر ایک جرثومہ چند ساعات میں اپنی پوری لائف کو بھرپور انداز سے گزار کر مرجاتا ہے اسی طرح وقت کے تعینات انواع کے لحاظ سے جدا جدا ہوتے ہیں اسی طرح جو ذات ابدیت کی مالک ہے اس کے سامنے آٹھ نو سو سال کا عرصہ ایک انتہائی قلیل وقت ہے اور اس میں ملنے والی سزا کو اس کا فوری سزا کہنا درست ہے

ظلم اور جرم میں بھی فرق ہے ظلم کی تعریف یہ ہے کہ وُضِعَ الشَّیْءَ علیٰ غَیْرِ مَحلِّهٖ یعنی کسی چیز کو اس کے حقیقی مقام سے اوپر نیچے رکھنا اور جرم کی اصل ہے قَطعُ الثّمرَةِ عن الشّجرة غیر وجه یعنی بلا وجہ درخت سے اس کا ثمر جدا کر لینا کیونکہ یہ کام

مکروہ ہے اس لئے جملہ مکروہات جو بے سود ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوں انہیں جرم کہا جاتا ہے

کیونکہ انسان کیلئے نعمات میں فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے اب اگر کوئی اس فائدہ کو خود قطع کرتا ہے تو یہ اس کا جرم کہلاتا ہے نعمات کی لسٹ بہت طویل ہے

مگر اس کی وضاحت کیلئے عرض کرنا چاہوں گا کہ ایک شخص کے پاس ایک باغ ہے اور وہ اسے بیچ کر سالانہ دو چار ہزار روپے کما لیتا تھا لیکن ایک دن اس نے اسے بلا وجہ کاٹ ڈالا اگر چہ یہ قانوناً جرم نہیں ہے مگر اللہ جل جلالہ کے نزدیک جرم ہے اور اس کا بھی انتقام ہوگا اور وہ یہ کہ وہ اس سالانہ دو چار ہزار کی آمدنی سے محروم ہو جائے گا

بس یوں سمجھ لیں کہ جس نعمت کا بھی کفران کیا جائے وہ جرم ہے اور اس کا انتقام سلب نعمات ہی کی شکل میں سامنے آئے گا

اس وضاحت کے بعد عرض کروں گا کہ عام طور پر منتقم کے لفظ کو محدود کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کے معنی کو عادل سے خلط ملط کر لیا جاتا ہے اس لئے یہاں عادل اور منتقم میں جو فرق ہے اسے بھی واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ عادل اور منتقم میں کئی طرح سے فرق ہوتا ہے مثلاً

1 = عادل جرائم و مظالم کا فریق نہیں ہوتا جب کہ ثائر و منتقم فریق ہوتا ہے اگر عادل فریق بن جائے تو یہ عدل کے خلاف ہے

2 = عادل کیلئے شرط ہے کہ دوست دشمن کو بحیثیت دوست دشمن نہ رکھے بلکہ ظالم و مظلوم کی حیثیت سے دیکھے جبکہ انتقام و ثار میں یہ شرط نہیں ہے

3 = عادل اس امر میں مجبور ہوتا ہے کہ جب فریقین باہمی صلح کر لیں تو وہ سزا نہیں

دے سکتا کیونکہ وہ فریق نہیں ہوتا انتقام و ثار میں صلح کی گنجائش نہیں ہوتی 4 = عدل ایک قانون کے ماتحت ہوتا ہے جیسے موجودہ دور میں اسمبلیاں قانون بنا کر عدالتوں کو دیتی ہیں اور عادل اس کی روشنی میں سزا عائد کرتا ہے وہ اپنی طرف سے کوئی سزا نہیں دے سکتا اب قانون شرعی ہو یا حکومتی مگر عادل اس کے ماتحت ہوتا ہے مگر ثائر و منتقم کسی قانون کے ماتحت نہیں ہوتے حجت و دلیل کے ماتحت ہوتے ہیں

دیکھئے ایک شخص کسی کا مال چرا لیتا ہے اور اس پر چوری ثابت ہو جاتی ہے تو عادل اس کا ذاتی مال لوٹنے کا حکم نہیں دے سکتا بلکہ اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے سکتا ہے مگر ایک منتقم اس کے مال کو بھی لوٹ سکتا ہے اور بھی کوئی سزا دے سکتا ہے کیونکہ جس نے اسے مال سے محروم کیا ہے اسے وہ حجت کے طور پر مال سے محروم کر سکتا ہے

ایک اور مثال سے دیکھیں ایک شخص نے کسی کی ایک آنکھ نکال لی ہے اور اس کی تھی ہی ایک آنکھ تو عادل ایک آنکھ کے بدلے میں ایک آنکھ نکال سکتا ہے دوسری نہیں منتقم اس کی دونوں آنکھیں بھی نکال سکتا ہے کیونکہ اس کے پاس ایک دلیل ہے کہ اس نے اسے بالکل اندھا کر دیا ہے اس لئے اب اگر اس کی ایک آنکھ نکل جائے تو پھر بھی وہ اندھا نہیں ہوگا کانا ہو جائے گا لیکن دنیا کو تو پھر بھی دیکھتا رہے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک کانا آدمی کسی کی آنکھ نکال لے تو عادل اس کی آنکھ نکال کر اندھا کرنے پر مجبور ہے جبکہ منتقم اسے کوئی اور سزا بھی دے سکتا ہے

عام لوگ ثائر و منتقم میں بھی فرق نہیں کرتے حالانکہ ان میں بھی فرق ہے

ثائر و منتقم میں ایک فرق یہ ہے کہ انتقام خود بھی لیا جا سکتا ہے اور دوسرے کے ذریعے بھی لیا جا سکتا ہے مگر ثائر وہ ہے جو بدست خود بدلہ لے

منتقم وثائر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انتقام ہر قسمی زیادتی کا ہوتا ہے مالی جانی ارضی کسی بھی زیادتی کا بدلہ لینے والا منتقم ہوتا ہے اور ثائر وہ ہوتا ہے کہ جو صرف خون کا بدلہ لینے والا ہو کیونکہ گالی گلوچ کا' نافرمانی کا' ہتک حرمت کا' غصب کا انتقام ہوسکتا ہے مگر ان چیزوں کا ثار نہیں ہوسکتا اسی طرح آنکھ ناک کان یا مختلف اعضاء کا انتقام ہوسکتا ہے مگر ثائر صرف قتل کا بدلہ لینے والے کو کہتے ہیں

ثائر و منتقم میں یہ فرق بھی ہے کہ منتقم کسی کے ذریعے بھی انتقام لے سکتا ہے مگر ثائر اپنے ہاتھ سے انتقام لینے والے کو کہتے ہیں

انتقام کسی چیز کا بھی ہوسکتا ہے یعنی کسی نے گالی دی کسی نے مال لوٹا کسی نے تھپڑ مارا کسی نے ہتک کی ان سب کا جو بدلہ لیا جائے اسے انتقام کہا جاتا ہے اور ثار ہمیشہ قتل کے بدلے کو کہا جاتا ہے

قصاص اور ثار میں فرق یہ ہے کہ قصاص کسی عدالت سے قتل کے بدلے میں قتل کو کہا جاتا ہے چاہے وہ عدالت شرعی ہو یا پنچائتی جرگہ مگر ثار کا لفظ کسی عدالت کی احتیاج کے بغیر قتل کا بدلہ لینے کو کہا جاتا ہے

قانون قصاص میں ہے کہ اگر ایک نے قتل کیا ہے اور اس کے ساتھ کئی اور لوگ اس کے معاون تھے تو قاتل کو قتل اور معاونین کو ایک ایک ضرب لگانا چاہیے مگر انتقام میں معاونین سمیت سب کی سزا ایک ہوتی ہے

قدیم ملاحدہ کا ہمیشہ سے یہ اعتراض رہا کرتا تھا کہ اللہ جل جلالہ انتقام کیوں لیتا ہے؟ انتقام تو وہ لیتا ہے کہ جسے کسی سے کسی نقصان کا اندیشہ ہو جبکہ صورت حال یہ ہے کہ ساری کائنات مل کر اگر اس کی پوری بغاوت اور سرکشی کے ساتھ نافرمانی کرے تو

اس کے شان میں ایک مچھر کے پر کے برابر فرق نہیں آ سکتا اور اگر پوری کائنات پورے خشوع وگریہ وزاری سے خون کے آنسو بہا بہا کر عبادت کرے اور ازل سے ابد تک اس کی عبادت کی جائے تو اس کی عظمت وشان میں ایک بال برابر اضافہ نہیں ہوسکتا تو پھر یہ انتقام کیسا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال ان کا عوامی نظریۂ انتقام پر صادق آتا ہے ورنہ حقیقت پر یہ سوال رائز ہوتا ہی نہیں ہے کیونکہ عوام نے بادشاہ دیکھے ہوئے تھے اور انہوں نے بادشاہوں کا رویہ دیکھا ہوا تھا کہ وہ جب کوئی حکم سناتے تھے اس کی نافرمانی کرنے والے کو بلایا جاتا تھا اور اس پر بادشاہ غضب ناک ہوتا تھا اور غصے میں اسے کڑی سے کڑی سزائیں دلواتا تھا تو اسی سے انہوں نے اللہ جل جلالہ کو ایک بادشاہ کی طرح سمجھ لیا اور اسی کے نظامِ انتقام کو خالق کے نظامِ انتقام پر چسپاں کر دیا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے بلکہ جزا وسزا دراصل عمل و ردِعمل کا سسٹم ہے یہ نہیں کہ اللہ جل جلالہ کو غصہ آ جائے گا اور وہ انتقام لے گا بلکہ اس کی اطاعت ومعصیت کے ثواب وعذاب کی صورت اس طرح ہے جیسے زہر کھانے سے موت واقع ہونا' جس طرح کوئی عقلمند یہ سوال نہیں کر سکتا کہ زہر کھانے سے موت کیسے ہوئی؟ اسی طرح یہ سوال کہ اللہ جل جلالہ کی نافرمانی پر انتقام وعذاب کیوں وارد ہوتا ہے یہ سوال بھی غیر عقلی ہے

دیکھئے ایک مریض کو ڈاکٹر منع کرتا ہے کہ فلاں چیز نہ کھانا' اب وہ مریض بد پرہیزی کرتا ہے اور اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو یہ ڈاکٹر کی نافرمانی کی سزا نہیں اس کی بد پرہیزی کی سزا ہے کیونکہ اگر حکیم یا ڈاکٹر اسے نہ بھی روکتا تو اس بد پرہیزی کا نتیجہ یہی نکلتا اسی طرح اللہ جل جلالہ نے جن چیزوں سے روکا ہے وہ ہمارے مزاج کو سمجھتے

ہوئے خالصتاً لطف وکرم کے تحت ہمیں ان چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے اب ہم اگر اس کی نافرمانی کرتے ہیں تو یہ اس کی سزا نہیں ہوتی بلکہ اس عمل کا ردعمل ہوتا ہے

کہتے ہیں کہ ایک بیوقوف درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا تھا اور اس کو تنے سے جدا کر رہا تھا کوئی دانا آدمی وہاں سے گزرا تو اس نے کہا بابا تو یہ کام غلط کر رہا ہے اب یہ شاخ ٹوٹ جائے گی تو دھڑام سے نیچے گر جائے گا اس نے کہا کہ جا جا بڑا آیا ولی اللہ

جب وہ شخص چلا گیا تو وہ بیوقوف شخص شاخ سمیت زمین پر آ رہا بس پھر کیا تھا وہ فوراً دوڑا کہ جا کر اس دانا آدمی سے معافی مانگے' وہ جب اس کے پاس گیا تو اس کے قدموں پر گر گیا اور کہا مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ تو ولی اللہ ہیں مجھے آپ کی نافرمانی کی سزا ملی ہے اب آپ مجھے معاف فرما دیں

اس حکایت میں یہی بیان ہوا ہے کہ ہر عمل کا ایک ردِعمل ہوتا ہے اور اس بیوقوف کو وہ دانا نہ بھی روکتا تو اس کا انجام یہی ہوتا اسی طرح اللہ جل جلالہ کا نظامِ انتقام بھی اسی عمل و ردِعمل کی طرح ہے اس لئے یہ سوال غیر عقلی ہے کہ انتقام کیوں لیا جاتا ہے یا لیا جائے گا

اب یہاں یہ بات تو واضح ہوئی ہے کہ انتقام کیا ہے اور اس کی حیثیت وہیئت کیا ہے مگر یہاں یہ سوال اب بھی حل طلب ہے کہ انسان جب بھی کوئی غیر صالح عمل کرتا ہے تو استسلابِ نعمت کا عمل کس کے ذریعے نافذ و جاری ہوتا ہے؟

جواباً عرض کروں گا کہ اللہ جل جلالہ کا جو نظام ہے اس کے بارے میں ایک عالم اور ایک جاہل کے نظریات میں اختلاف ہوتا ہے ایک جاہل ہر کام کو بلا واسطہ اللہ جل

جل جلالہ سے منسوب کرتا ہے اور ایک عالم اس نظام کے سارے سلسلے کو سامنے رکھتا ہے اور اس کی نگاہ علت و معلول کی درمیانہ زنجیر کی زیادہ سے زیادہ کڑیوں تک جاتی ہے اور علم جس قدر وسیع ہوتا ہے اسی قدر علت و معلول کے مابین موجود وسائل و اسباب و وسائط کی کڑیاں سمجھ آتی چلی جاتی ہیں جیسا کہ ایک عام جاہل انسان جب بارش برستی دیکھتا ہے تو وہ بارش برسانے کا کام بلا واسطہ اللہ جل جلالہ کی طرف منسوب کرتا کہ اللہ میاں بارش برسا رہا ہے مگر جب کوئی عالم اس بات کو دیکھتا ہے تو وہ اس بارش کے پورے سلسلے کو سامنے رکھتا ہے کہ کس طرح سورج کی حرارت کا سمندوروں پر اثر ہوتا ہے اور سمندروں کا پانی کس طرح بخارات بن کر یا Vaporate ہو کر ہواؤں کے دوش پر سفر کرتا ہے اور کس طرح بلند فضاؤں میں اس کا انجماد ہوتا ہے اور وہ بادل کی شکل اختیار کرتا ہے اور کس طرح مون سون ہوائیں اسے اٹھا کر پہاڑوں سے ٹکراتی ہیں اور کس طرح بادل بھاری ہوتے ہیں ان میں منفی مثبت چارج پیدا ہوتا ہے پھر کس طرح گریوی ٹیش (Gravitation) کا عمل انہیں برسنے پر مجبور کر دیتا ہے اور عالم آدمی اس سارے سلسلے کی کڑیاں دیکھ کر اللہ جل جلالہ کے پر پیچ نظام کا مشاہدہ کر کے حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور اس طرح وہ فاعل حقیقی اللہ جل جلالہ سے لے کر سارے مجازی فاعلین تک کو دیکھتا ہے اور اس کے عرفان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اسی طرح اللہ جل جلالہ کے ہر نظام میں وسائل و وسائط کا ایک طویل سلسلہ موجود رہتا ہے اور اسے سمجھنا دیکھنا اور انہیں اللہ جل جلالہ کا اسسٹنٹ سمجھنا شرک نہیں ہوتا اسی طرح اللہ جل جلالہ نے کئی مرتبہ فرمایا ہے

إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنتَقِمُونَ ( ) فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ

یعنی کئی مقامات پر اللہ جل جلالہ نے جمع کے صیغے استعمال فرمائے ہیں اور یہ صیغے برائے احترام نہیں ہیں کیونکہ یہ کلیہ ہے کہ انسان کی عزت اس میں ہے کہ اس کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کریں اور اللہ جل جلالہ کی عزت و عظمت اس میں ہے کہ اس کی ذات کیلئے جمع کا صیغہ استعمال میں نہ لایا جائے اور اس کی وحدت وحدانیت ہر قسمی شرک سے پاک رہے اس طرح جب بھی اللہ جل جلالہ اپنے لئے جمع کے صیغے استعمال فرماتا ہے تو اس میں وہ اپنے معاونین کارکو شامل فرماتا ہے کہ جن کے افعال وامور اللہ جل جلالہ کی ذات ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور وہی اس کا حقیقی فاعل ہوتا ہے جیسے ملکوت و مدبرات امور وغیرہ

اسی طرح انتقام کیلئے بھی اللہ جل جلالہ نے اپنی ذات کیلئے وسائل وسائط قرار دئے ہیں

میں نے پہلے گذارش کی تھی کہ اللہ جل جلالہ کے انتقام کی دو قسمیں ہیں ایک انتقامِ خفی ہوتا ہے اور دوسرا انتقام جلی

انتقام خفی کیلئے وسائل (وسیلے) بھی خفی ہوتے ہیں اور انتقام جلی کیلئے وسیلے بھی جلی ہوتے ہیں بہ الفاظ دیگر انتقام جتنا بڑا ہوگا اس کے سائز کے لحاظ سے منتقم (جو وسیلۂ انتقام ہے) وہ بھی اتنا ہی بڑا ہوگا

اس دنیا میں جو سلسلۂ مکافاتِ اعمال جاری ہے وہ اسی حساب سے ہے یعنی جتنے بڑے جرم ہوں اتنا بڑا وسیلۂ انتقام ہونا لازم ہے

جب ہم واقعیت پہ غور کرتے ہیں تو اللہ جل جلالہ کے کروڑوں دشمن اس دنیا میں زندہ ہیں اور ان سے انتقام نہیں لیا گیا اور کروڑوں کی تعداد میں دنیا سے جا چکے ہیں اور

ان سے بھی انتقام نہیں لیا گیا خصوصاً آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام پر جو مظالم ہوئے ہیں ان کا انتقام نہیں لیا گیا اور جن لوگوں نے اللہ جل جلالہ کے خلاف بکواسات بکے ہیں ان سے بھی انتقام نہیں لیا گیا تو کیا ہم سمجھ لیں اتنے بڑے جرائم کی کوئی سزا نہیں ہے اور ان کا انتقام نہ لیا جائے گا؟

اگر ان کا انتقام ہوا ہے اور جو ابھی باقی ہے وہ ہونا ہے تو پھر اس کا انتقام کون لے گا؟

آیئے اس کے جواب کیلئے ہم ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کی مصداق ذات کی بارگاہِ قدس میں عرض کرتے ہیں کہ وہی ہمیں آگاہ فرمائیں ان بڑے بڑے امور کا منتقم کون ہے؟

جناب جابر بن عبداللہ انصاری جو امام مظلوم شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کے اولین زائرین میں شمار ہوتے ہیں ان سے روایت ہے کہ شہنشاہ معظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانے میں ان کی بھیڑیں اور بکریاں چرانے کا اعزاز جناب ابوسلمٰی سلام اللہ علیہ کو حاصل تھا اور انہیں سارے راعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نام سے یاد کرتے تھے پھر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد بکریاں چرانا بند کر دیا تھا اور صحرا نشین ہو گئے تھے

جناب جابر بن عبداللہ انصاری سلام اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم زیارت کیلئے مدینے پہنچے تو مشہد اقدس کی زیارت کے بعد ہم نے سوچا کہ مومن کی زیارت کے بڑے فضائل ہیں اس لئے ہم جناب ابوسلمٰی سلام اللہ علیہ کی زیارت کو صحرا میں چلے گئے وہاں ان کی زیارت کی اور رات ان کے ساتھ گزاری اس رات دوران گفتگو

یہ آیت تلاوت ہوئی

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِه

اس کی تفسیر میں جناب ابوسلمٰی نے ایک طویل حدیث بیان فرمائی انہوں نے فرمایا کہ شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا

(1) سمعت لیلاً اسریٰ بی الی السماء قال العزیز جل شانہ (آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ)

قلت (و المومنون) قال صدقت یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم من خلفت لامتك قلت خیرھا قال علی ابن ابی طالب علیھما الصلوات و السلام قلت نعم یا رب

فرمایا جب ہم شبِ معراج پردۂ وحدت کے روبرو ہوئے تو خالق کی طرف سے وحی ہوئی ''رسولؐ اس پر ایمان لائے جو ان پر ان کے اللہ جل جلالہ کی طرف سے نازل ہوا'' یہ سن کر ہم نے عرض کیا اور مومنین بھی'' فرمایا بیشک آپ نے درست فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایئے کہ آپ اپنی امت میں حجت اللہ کسے قرار دے کر یہاں تشریف لائے ہیں؟

فرمایا جو امت سے بہتر ہیں یعنی امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کو حجت قرار دے کر تشریف لائے ہیں؟ ہم نے عرض کی جی ہاں اس وقت خالق نے فرمایا

قال یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انی اطلعت الی الارض اطلاعة فاخترك منھا فشققت لك اسماء من اسمائی فلا اذکر فی موضع الا و ذکرت معی

فانا المحمود و انت محمدؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ثم اطلعت الثانیة فاخترت منها علیاًؑ و شققت له اسما منا اسمائی فانا الاعلی و هو علی علیہ الصلوات و السلام یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انی خلقتك و خلقت علیاًؑ و سیدہؑ و الحسنؑ و الحسینؑ علیہم الصلوات و السلام نور من نوری

اے میرے حبیب صلی اللہ علیك و آلك ہم نے ایک تجلی اس زمین پر فرمائی تو اس وقت آپ کو اس زمین کا مختیار قرار دیا یعنی آپ کو اپنے لئے اختیار فرمایا اور آپ کے نام اقدس کو میں نے اپنے نام سے مشتق فرمایا کیونکہ میں محمود تھا اس لئے آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پسند فرمایا اس کے بعد ہم نے زمین پہ اپنا دوسرا جلوہ بکھیرا تو وہ جلوہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کا تھا (کیونکہ وہ بھی میرے ہی نور سے اشتقاق یافتہ جلوہ تھا اس لئے) میں نے ان کے اسمِ مبارک کو اپنے نام سے مشتق فرمایا کیونکہ میں اعلیٰ تھا اس لئے انہیں علیؑ علیہ الصلوات و السلام کا نام دیا اسی طرح ہم نے آپ کے نور کو اپنے نور سے مشتق فرمایا اور اسی طرح امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام اور ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا اور پاک حسنین علیہما الصلوات و السلام کو بھی میں نے اپنے نور سے مشتق فرمایا ہے اس لئے وہ بھی ایسے انوار ہیں کہ جو میرے نور سے ہیں

و عرضت و لا یتکم علی اهل السموات و الارضین فمن قبلها کان عندی من المومنین و من جحدها کان عندی من الکافرین یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم لو ان عبدا من عبادی عبدنی حتی ینقطع و یصیر مثل الشن البالی ثم اتانی جاحدا بولایتکم ما غفرت له حتی یقر بولایتکم

خالق نے فرمایا میں نے آپ کی ولایت جملہ اہلیانِ ارضین و سما کے سامنے پیش کی

جنھوں نے آپ کی ولایت کا اقرار کیا وہ میرے نزدیک مومنین میں سے ہوگیا اور جنھوں نے آپ کی ولایت سے انکار کیا وہ میرے نزدیک کافر قرار پایا اے میرے حبیب صلی اللہ علیک و آلک اگر میرے بندوں میں سے کوئی میری اتنی عبادت کرے کہ وہ ایک سوکھی ہوئی مشک کی مثل ہو جائے اور اس حال میں میرے پاس آئے کہ وہ آپ کی اور آپ کی آل اطہار علیھم الصلوات و السلام کی ولایت سے انکاری ہو میں اسے کبھی نہ بخشوں گا یعنی جب تک کوئی آپ کی ولایت کا اقرار نہ کرے قابل مغفرت ہوتا ہی نہیں

یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم () اتحب ان تراھم قلت نعم یا رب فقال التفت عن یمین العرش فالتفت فاذا انا بعلیؑ و سیدہؑ و الحسنؑ و المھدیؑ علیھم الصلوات و السلام فی ضحضاح من نور قیام یصلون المھدیؑ عجل اللہ فرجہ الشریف فی وسطھم کانہ کوکب دری فقال یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ھولاء الحجج و ھذا الثائر من عترتک یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم و عزتی و جلالی انہ الحجۃ الواجبۃ لاولیائی و المنتقم من اعدائی (غیبۃ الشیخ طوسی ص 95)

کیا آپ اپنے اوصیائے پاک کی زیارت کرنا پسند فرمائیں گے؟ ہم نے عرض کی ضرور اس پر فرمایا آپ عرش کے دائیں طرف نگاہ فرمائیں' جب ہم نے نگاہ فرمائی تو کیا دیکھا کہ وہاں امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام اور ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیھا اور باقی انوار ازلیۂ الٰھیہ صلوات اللہ علیھم اجمعین کو مسند نشین دیکھا اور ان کے درمیان میں ہم نے دیکھا کہ ایک کوکب دری قمری الوجہ ذات کھڑے ہوئے ہیں اس وقت پردۂ

توحید سے ندا آئی اے میرے محبوب صلی الله علیك و آلك

هولاء الحجج و هذا الثائر من عترتك یا محمد صلی الله علیه و آلهٖ وسلم و عزتی و جلالی انه الحجة الواجبة لاولیائی و المنتقم من اعدائی (1)

یہ سارے اللہ جل جلالہ کے حجت ہیں اور یہ جو درمیان میں جلوہ آرا ہیں یہ آپ کی پاک عترت کے تو ثائر ہیں یعنی ایک ایک کے خون کا بدلہ لینے والے ہیں اور مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم یہ میرے جملہ اولیا کیلئے حجت واجبہ ہیں اور میرے سارے دشمنوں سے انتقام لینے والے بھی یہی ہیں

اس فرمان سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ اللہ جل جلالہ کیلئے جو انتقامِ اولیا کا واحد وسیلہ ہے وہ ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشریف ہیں

اب یہ تو ثابت ہوگیا کہ منتقمِ حقیقی اور اللہ جل جلالہ کے وسیلۂ انتقام یہی ہیں تو اب پھر کلام الٰہی سے پوچھتے ہیں کہ اللہ جل جلاله نے کہاں کہاں اور کس کس سے انتقام لیا ہے

ارشادِ قدرت ہوتا ہے جب قوم موسیٰ علیه السلام نے بار بار وعدہ خلافیاں کیں تو

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا وَكَانُواْ عَنْهَا غَافِلِينَ

ہم نے فوراً انتقام لیا یعنی ان سے سارے نعمات سلب فرمالئے اور انہیں امواج دریا میں غرق کردیا کیونکہ انہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی تھی اور وہ ان آیات اللہ سے غافل بھی تھے

یہاں دیکھیں جمع کے صیغے موجود ہیں یعنی اللہ جل جلالہ کے وسائل انتقام کا یہاں بھی ذکر ہے تو اب یوں کہنا چاہیئے کہ جس نے فرعون جیسے جابر و نافرمان اورانا ربکم

العلیٰ کہنے والے کوغرق کیا ہے وہی تو منتقمؑ آل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام ہیں
فرعون جب غرق ہورہا تھا تو اس نے منتقم عجل اللہ فرجہ الشریف کو دیکھا اور فوراً ایمان لانے کی بات کی تو فرمایا کہ ہم وہ ذات ہیں کہ جب بھی آتے ہیں ہمارے اس آنے کے بعد کسی کا ایمان لانا نفع ہی نہیں دیتا اب خاموش رہ

وَإِن كَانَ أَصۡحَابُ الۡأَيۡكَةِ لَظَالِمِينَ () فَانتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ

جملہ انبیا علیہم السلام کے بارے میں فرمایا اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جس جس امت نے بھی ہمارے رسولوں کی تکذیب کی

فَانتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِينَ

پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور آپ دیکھیں کہ ان تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟

اب یہاں کوئی سوال کرسکتا ہے کہ جب ظاہراً شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا اس دنیا میں ظہور اجلال ہوا ہی نہیں تھا اس زمانے کے لوگوں کیلئے وہ منتقم کیسے ہوگئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ان کی معراج پہ زیارت کی تھی تو کیا اس وقت چہاردہ معصومین علیہم الصلوات و السلام میں سے کیا سارے پاک دنیا پہ تشریف لا چکے تھے؟ اگر ہم اس روایت کو معراج اول کا واقعہ قرار دیں تو اس وقت تو پنج تن پاک علیہم الصلوات و السلام میں سے بھی صرف تین ذوات عالیہ صلوات اللہ علیہم اجمعین موجود تھیں ان میں سے ایک تو زیارت کرنے والے تھے اور باقی دو کی ہی زیارت فرماتے مگر اس روایت سے اور اس جیسی دیگر روایت کے جمع کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ معراج پہ چہاردہ معصومین علیہم الصلوات و

السلام کی زیارت ہوئی تھی، اس سے ثابت ہوا کہ یہ ذوات کسی زمانے میں غیر موجود نہ تھے بلکہ اپنے حقیقی وطن مالوف یعنی حریم توحید میں مکین تھے اور بوقت ضرورت انہیں دنیا پہ بھیجا جاتا تھا اسی لئے امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تھا

فانا نظهر فی کل زمان فی صورة ما شاءَ الرحمٰن

یعنی ہم ہر زمانے میں تشریف لاتے رہے ہیں مگر اس شکل و صورت میں کہ جیسی صورت ہمارا رحمٰن پسند فرماتا تھا

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جس جس نعمت کا کفران ہوا اور اللہ جل جلالہ نے اسے سلب فرمانا چاہا اور کافران نعمت سے نعمت کو واپس بلانا چاہا تو اس نعمت کے واپس بلانے کا ذریعہ وہ ذات ہے کہ جو اللہ جل جلالہ کا وسیلۂ انتقام ہے منتقم اللہ ہے'

یہاں ایک اور بات بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ اللہ جل جلالہ نے جن جن نعمات کا ذکر فرمایا ہے اس میں بہت سی چیزوں کو نعمت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم اللہ جل جلالہ کے نعمات کو گننا بھی چاہو تو (ازل سے ابد تک کوشش کرو تو بھی) شمار نہ کر سکو گے اور ان نعمات میں انبیا و رسل اولیا و اوصیا علیہم السلام بھی اللہ جل جلالہ کے نعمات عالیہ ہیں اور جب بھی کوئی اس نعمت کا کفران کرتا ہے تو اللہ جل جلالہ انہیں بھی ان کی امتوں سے سلب فرماتا ہے تو یہ بھی ایک طرح کا امت سے انتقام ہی ہوتا ہے جیسا کہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو فرمایا جا رہا ہے

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ( ) أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ

یعنی اگر ہم آپ کو بھی لے جائیں تو یہ بھی ایک طرح کا ان لوگوں سے ہمارا انتقام

ہو گا یا ہم انہیں وہ موعود دکھا دیں جس کا ہم نے وعدہ فرمایا ہوا ہے تو یقیناً ہم اس پر بھی قادر ہیں

یعنی حجت خدا کا آنا و مخلوق میں رہنا ایک نعمت ہے اور حجت اللہ کا امت و قوم سے چلا جانا یا مقام حجتیت کا لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ فرما دینا یہ بھی ایک انتقام ہے کیونکہ اس میں بھی اللہ جل جلالہ کی نعمت اعظمیٰ کا ایک طرح سے استسلاب ہے (سلب ہونا ہے)

اسی لئے میں کئی مرتبہ اس حدیث کو تفصیل سے پیش کر چکا ہوں کہ جب اللہ جل جلالہ کا غضب کسی قوم پر شدید ہوتا ہے تو ان سے حجت اللہ کو غائب کر دیا جاتا ہے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جو حجت الحجج ہیں ان کا اس دنیا سے غیبت اختیار کرنا بھی اللہ جل جلالہ کا ایک انتقام تھا اور امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے مقامِ حجتیت کا لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہو جانا بھی ایک انتقام تھا اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ زمانہ حجت اللہ سے خالی نہیں رہ سکتا مگر انتقاماً حجت اپنے مقام حجتیت سے غائب ہو جاتا ہے کہ ان کی موجودگی میں بھی ان کو کوئی حجت تسلیم نہیں کرتا اسی طرح امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی پچیس سالہ خاموشی اللہ جل جلالہ کے انتقام کی حیثیت رکھتی تھی اس لئے وہ اس امت کے درمیان بطورِ انتقام خاموش تھے اور شہنشاہ معظم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بھی اللہ جل جلالہ کے انتقام کی صورت میں واپس ملاء العلیٰ میں تشریف لے گئے اور لینے والا انہیں خود بڑے اعزاز سے لے گیا

خود برادران اہل سنت کے کتب میں ہے کہ جن دنوں شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ظاہری دورِ علالت تھا تو اس وقت عزرائیل دراطہر پہ حاضر ہوا اور آ کے آیت تطہیر تلاوت کی اور عرض کی اے اہل بیت اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین کیا مجھے اجازت

ہے کہ میں اندر آ جاؤں؟ ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا نے فرمایا ہمارے بابا جان آرام فرما ہیں واپس چلے جاؤ

وہ کچھ وقت بعد پھر حاضر ہوئے اور پہلے والی بات دہرائی تو انہیں دوبارہ پہلے والا جواب ملا پھر کافی دیر بعد انہوں نے بڑی دہشت ناک آواز میں اندر آنے کی اجازت چاہی تو اس وقت ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کے رخ انور پہ جلال کی سرخی دوڑ گئی اور جلال سے فرمایا ہم نے تمہیں فرما جو دیا کہ ہمارے بابا پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم آرام فرما ہیں یہاں سے فوراً بھاگو اور پھر مت آنا' یہ سن کے ملک الموت نے جا کر بارگاہِ ایزدمیں عرض کی خالق مجھے تو وہاں جانے کی اجازت تک نہیں مل رہی اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ خالق نے فرمایا تم جاؤ اپنا کوئی دوسرا کام کرو اب میں جانوں اور میرا حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جانے

روایت تو یہاں تک ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پھر ملک الموت وہاں نہیں گیا تو لازماً کوئی ایسی ذات وہاں گئی اور انہیں وہاں سے لے آئی کہ جیسے معراج پہ جناب جبریل علیہ السلام ساتھی اور غلام بن کر لائے تھے آگے میں کچھ نہیں کہہ سکتا

دوستو اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اعضائے بدن ہیں یا دین ہے یا ایمان و قرآن ہیں نبی و امام و ولی و مولیٰ ہیں ان سب کو اللہ جل جلالہ نے نعمات الٰہیہ قرار دیا ہے ان سب کا کفران کرنے والوں سے انتقام لینے کا سب سے بڑا وسیلہ ہمارے شہنشاہ معظم منتقم من آل محمد علیہم الصلوات و السلام ہیں

ہمارے ہاں منتقم کا جو تصور ہے وہ یہ ہے کہ جو کسی بھی زیادتی اور ظلم کا بدلہ لے وہ منتقم ہوتا ہے مگر حقیقتاً ہر قسمی نعمت کے کفران کے بعد اس نعمت کا کفران کرنے والوں سے

چھین لینا یا واپس لے لینا ہی انتقام ہے کیونکہ نعمت کا ضائع ہوجانا یا واپس چلا جانا انسان کیلئے اذیت اور دکھ کا باعث ہوتا ہے اسی لئے انتقام میں اذیت وعقوبت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ آنکھیں اللہ جل جلالہ کی نعمت ہیں اور اگر انسان اندھا کر دیا جائے تو اس کیلئے یہ بات کتنی اذیت اور دکھ دینے والی ہوتی ہے

انسان کی صحت ایک نعمت ہے اگر کسی کو کوئی ایسا روگ لگ جائے جو اس کی صحت کو تباہ کر دے تو یہ بات اس کیلئے کتنی اذیت اور دکھ دینے والی ہے؟ اسی طرح اللہ جل جلالہ نے تو بنی اسرائیل پر جن نعمات کا احسان جتلایا ہے ان میں لہسن پیاز میسور کی دال تک کو نعمات میں شمار کیا یعنی ہر وہ چیز جو کھانے میں ذرا سی بھی لذت فراہم کرتی ہے یا بھوک کے وقت اچھی لگتی ہے وہ نعمت قرار دی ہے فرداً فرداً بعض اقوام کو ان کے کفران کی سزائیں ملتی رہی ہیں مگر وہ انتقامِ صغریٰ تھا ہاں جب انتقام کبریٰ ہوگا تو پھر دشمن کو ان چیزوں میں کچھ بھی نہیں ملے احادیث رجعت میں دیکھو ان میں ہے کہ اس دور میں یعنی زمانۂ رجعت میں سارے کافران نعمات کو وہاں حاضر کیا جائے گا اور وہ اس دور میں کافی عرصے تک زندہ رہیں گے اور ساری زندگی وہ انسانی غلاظت وفضلہ کھا کر گزارا کریں گے دشمن خدا گندگی کھا کر زندگی بسر کرے گا یعنی جس جس چیز کو نعمت کہا جا سکتا ہے وہ انہیں میسر نہ ہوگی اور وہ گلی کے کتوں سے زیادہ بدتر زندگی گزاریں گے کیونکہ انہوں نے اللہ جل جلالہ کے نعمات ظاہری و باطنی کے کفران کا ارتکاب کیا ہوگا اس کے بعد انہیں جہنم رسید کیا جائے گا اور وہاں ان کی کیا کیفیت ہوگی ارشاد قدرت ہے

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَاناً ضَيِّقاً مُقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوراً() لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ

ثُبُوراً وَاحِداً وَادعُوا ثُبُوراً كَثِيُراً

جب مجرم آتش کی تنگ و تاریک مکان میں زنجیروں سے جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گےتو اس وقت وہ لوگ دردناک عذاب سے بچنے کیلئے موت کی دعا کریں گےاور درخواست کریں گے کہ ہمیں اس زندگی سے موت ہی دی جائے تو بہتر ہے تو اس وقت انہیں جواب ملے گا تم ایک ہلاکت کی امید نہ رکھو بلکہ تم نے تو ابھی بے شمار ہلاکتوں کا مزا چکھنا ہے

اس دنیا میں زمانہ رجعت میں دشمنان خدا اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جتنا عرصہ جئیں گے انسانی غلاظت کھا کر جئیں گے اور ان کا اس سے پیٹ بھی بھر جائے گا اور بھوک بھی مٹ جائے گی اور پیاس بھی ختم ہو جائے گی لیکن جب انہیں ان کے اصلی مقام پر پہنچا دیا جائے گا تو وہاں جو غذا انہیں ملے گی اس کے بارے میں ارشاد ہے

تَصلَى نَاراً حَامِيَةً ()تُسقَى مِنُ عَيُنٍ آنِيَةٍ()لَّيُسَ لَهُمُ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيُعٍ()لَا يُسمِنُ وَلَا يُغنِىُ مِن جُوعٍ......(سورہ الغاشیہ 7)

وہ بھڑکتی آگ میں جھونکے جائیں گے جہاں انہیں کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پینا ہوگا اور وہاں خاردار جھاڑیوں کے سوا ان کا کوئی کھانا نہ ہوگا کہ جس میں نہ ہی غذائیت ہوگی اور نہ وہ بھوک ختم کرے گا اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی خاردار جھاڑیاں ہوں گی؟ اس کا جواب بھی کلام الٰہی میں موجود ہے فرمایا

لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ()فَمَالِؤُونَ مِنهَا البُطُونَ()فَشَارِبُونَ عَلَيهِ مِنَ الحَمِيمِ()فَشَارِبُونَ شُربَ الهِيمِ()هَذَا نُزُلُهُم يَومَ الدِّينِ(سورہ واقعہ آیہ 56

یقیناً تم شجر زقوم (تھوہر یا ناگ پھنی) سے کھانے والے ہوگے اور اسی سے پیٹ

بھرنے والے ہوگے اوراس پر کھولتا ہوا پانی پینے والے ہوگے تمہارا وہ پانی پینا ایسا ہوگا جیسے پیاسہ اونٹ پانی پیتا ہے یوم الدین میں تمہارے لئے یہی مہمانی تیار ہے

یہاں یہ تو معلوم ہوگیا ہے کہ وہ خاردار جھاڑی زقوم کی ہوگی مگر وہ زقوم کیا ہے اس کا جواب بھی اللہ جل جلالہ نے عطا فرمایا ہوا ہے

اَنَّ شَجَرَتَ الزَّقُومِ () طَعَامُ الاَثِيمِ () كَالمُهلِ يَغلِى فِى البُطُونِ () كَغَلِى الحَمِيمِ ......(سورہ الدخان 46)

بیشک زقوم کا پودا صاحبانُ اثم'' کی غذا ہوگا جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹ میں ابال پیدا کردے گا اور پیٹ اس طرح کھولیں گے جیسے گرم پانی کھولتا ہے

اَذٰلِكَ خَيرُ نُزُلًا اَم شَجَرَةُ الزَّقُومِ () اِنَّا جَعَلنٰهَا فِتنَةً لِلظّٰلِمِينَ () اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخرُجُ فِى اَصلِ الجَحِيمِ ......(سورہ صافات 64)

فرمایا کیا بہتر مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا پودا - زقوم کا پودہ وہ ہے جسے ہم نے ظالمین کیلئے آزمائش قرار دیا ہے بیشک وہ پودا ایسا ہے کہ جو جحیم الاصل ہے (بہ الفاظ دیگر وہ جہنم کے پاتال سے نکلا ہوا یا اگا ہوا پودا ہے یعنی یہ بہت خبیث شجرہ ہے)

طَلعُهَا كَأَنَّهُ رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ () فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِؤُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ () ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْباً مِّنْ حَمِيمٍ () ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ......(سورہ صافات 68)

فرمایا وہ ایسا خبیث شجرہ ہے کہ اس کے شگوفے شیطانوں (سانپوں) کے سروں جیسے ہیں پس وہ ضرور اس سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ پوجا کریں گے اس کھانے کے بعد ان کیلئے گرم کھولتا پانی'' ہے جو انہیں پینا پڑے گا جب وہ یہ سب کچھ کر چکیں

گے پھر انہیں جہنم میں جھونکا جائے گا

میں اس پہ اور کوئی تبصرہ نہیں کرسکتا کیونکہ میں یہ نہیں جانتا کہ اللہ جل جلالہ کے ان الفاظ سے مرادات کیا ہیں وہ زقوم کا لفظ کسی فرد کیلئے علامتی طور پر لایا ہے یا کسی گروپ کیلئے یا واقعی وہاں کوئی ایسا شجر ہوگا یا یہاں کوئی ایسا خبیث شجرہ موجود ہے کہ جس سے اس دنیا ہی میں کچھ لوگ متمسک ہیں اور وہ شجرۂ طیبہ سے کنارہ کش ہیں اور ماء معین سے دور ہیں اور آبِ حمیم سے سوئے استفادہ کررہے ہیں ہاں ایک بات ہے کہ یہ سب کچھ جہنم جانے سے قبل ہوگا اور ان کے کفران نعمت کی وجہ سے ہوگا کیونکہ انہوں نے ماء معین اور شجرۂ طیبہ جیسے اللہ جل جلالہ کے عظیم نعمات کا کفران کیا ہے یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ فلینظر الطعام کی تفسیر میں فرمایا گیا ہے کہ یہ طعام رزق روحانی یعنی علم دین ہے اس لئے حکم ہوا ہے تم یہ دیکھو کہ علم کس سے حاصل کررہے ہو اگر ہم اس جگہ جو فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ انتقام کی زد میں ہونگے انھیں اس دنیا میں بھی شجرہ خبیثہ کے ان افراد سے علم لینا نصیب ہوگا کہ جو شیطان کے سر کی طرح ہونگے اور ان سے لیا جانے والا علم بھی ایک ایسی جہالت ہوگا جو علمی پیاس کیلئے کفایت نہ کریگا

ہماری تو یہ دعا ہے کہ مالکِ حقیقی سارے اہل عشق وعرفان کو ان سے بچائے اور اس دنیا میں ظاہراً جلیاً اپنے نعمات سے استفاہ کرنے کی توفیق دے اور کافران نعمت کا انجام جلدی دکھائے

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه﴾

الحمد لله رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجة الله فی العالمین عجل الله فرجه الشریف و آبائه المعصومین و امهاته الطاهرین الطیبین صلوات الله علیهم اجمعین و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

واسبغ علیکم نعمة ظاهرة و باطنة (۲۰) لقمان

اے ردیفانِ ناقۂ عرفان

انسان ہمہ وقت ہمہ پہلو محتاجِ محض ہے اپنے وجود سے لے کر اپنی بقا و ضروریاتِ بقا تک ایک لامتناہی محتاجی کے سمندر میں غرق ہے اور ہر سانس کی آمد و شد کے ساتھ اسے ایک محتاجی لاحق رہتی ہے اس لئے رب الارباب کی جناب سے ہمیشہ اس کی محتاجیوں کو رفع کیا جاتا ہے اور اسے بارگاہ ذوالنعمات سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے اور وہ ملنا بند ہو جائے تو انسان ایک سانس بھی نہ لے سکے

اس ذاتِ واجب الوجود سے اسے جو کچھ ملتا ہے وہ کئی مدوں میں ملتا ہے یعنی منعمِ حقیقی

کے ہاں اس کے کئی کھاتے کھلے ہوئے ہیں جیسے ایک غریب آدمی کسی دولت مند کی ہمسائیگی میں رہتا ہے تو اسے اس دولت مند سے جو کچھ ملتا ہے اس کے کئی نام ہوتے ہیں یعنی ایک طرح سے اس کے کئی کھاتے ہوتے ہیں کہ جن سے اسے دینے والا دیتا رہتا ہے

مثلاً کوئی چیز اسے بطور صدقہ دی جاتی ہے کوئی چیز کسی خوشی کے موقعہ پہ بطور نوازش عطا ہوتی ہے کبھی کوئی چیز اسے بطور اجرت یا مزدوری ملتی ہے کوئی چیز بطور زکواۃ اسے دی جاتی ہے اور کوئی چیز بطور ہمسائیگی اسے ملتی ہے کوئی چیز بطور اسے رعایا کے ملتی ہے کوئی چیز بطور امداد کے ملتی ہے اور کوئی چیز اسے اس کی حالت پہ رحم کھا کر دی جاتی ہے اور کوئی چیز اسے بطور قرض دی جاتی ہے یہ ساری چیزیں کسی نہ کسی مد میں اسے ملتی ہیں بلا تشبیہ انسان کو خالق کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے وہ بھی کئی مدوں ملتا ہے اور ہر وہ چیز جو انسان کی کسی محتاجی میں کفایت کرتی ہے اور کسی ضرورت کو پوری کرتی ہے اسے عربی میں نعمت کہا جاتا ہے

منعمِ حقیقی جل جلالہ کی طرف سے جو نعمات ملتے ہیں ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں

(1) النعمة بما يشبيه الخير (2) النعمة بمايشبه الضر

یعنی ایک وہ نعمت ہوتی ہے جو نعمت کی طرح نظر بھی آتی ہے جو بذات خود لذت بخش ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے اور مشروبات یہ نعمات بھی ہیں اور ان میں انسان کو لذت بھی محسوس ہوتی ہے دوسرے وہ نعمات ہیں جو ہیں تو نعمات مگر وہ دیکھنے میں نعمت نہیں لگتے یا ان میں کوئی لذت نہیں ہوتی بلکہ ان میں الم ہی ہوتا ہے جیسا کہ مریض کیلئے ایک کڑوی دوائی ہوتی ہے اگرچہ یہ اس کیلئے ایک نعمت ہی ہے مگر اس میں

انسان کیلئے اذیت یاالم بھی موجود ہوتا ہے مگر وہ ہوتی اس کے فائدے کیلئے ہے
اسی طرح انسان کو پہنچنے والے نقمات کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں () النقمة بما یشبه الضر () النقمة بما یشبه الخیر یعنی ایک وہ سلب نعمات ہوتا ہے کہ جو بذات خود الم و اذیت کا حامل ہوتا ہے اور دوسرا وہ سلب نعمات ہوتا ہے جو دیکھنے میں ایک نعمت نظر آتا ہے اور وہ لذت بخش بھی ہوتا ہے مگر وہ حقیقتاً اس کیلئے ایک مصیبت ہی ہوتا ہے اور نقصان دہ ہوتا ہے جیسے کوئی نشہ یا بری لت جو انسان کو وقتی لذت دیتی ہے مگر حقیقتاً اس کی بربادی کا راستہ ہوتی ہے
ان نعمات و نقمات کی آگے دو دو قسمیں ہوتی ہیں یعنی نعماتِ ظاہریہ و نعماتِ باطنیہ اور نقمات ظاہریہ و باطنیہ
اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نعمات کے دائرے میں کیا کیا آتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انسان ان نعمات کو شمار کرنا بھی چاہے اور ازل سے ابد تک کی حیاتی پائے اور ساری زندگی انہیں گنتا رہے تو ان کا شمار کرنا محال ہے کیونکہ ارشاد قدرت ہے
وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَتَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا......(سورہ ابراہیم 34)
کہ انسان اللہ جل جلالہ کے نعمات کو گننا بھی چاہے تو ان کا احصا ممکن ہی نہیں ہے
اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نعمت کی حقیقت کیا ہے؟
اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ نعمت کا تعلق صرف انسان سے ہوتا ہے نعمت کا لفظ کسی غیر نوع کیلئے عموماً استعمال نہیں ہوتا اور یہ نہیں کہا جاتا کہ انعم فلان علیٰ فرسه فلاں شخص نے گھوڑے کو نعمت بخشی

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اس کے معنی دیکھنے کیلئے وہی کلیہ استعمال کرنا پڑے گا کہ جو سارے الفاظ کیلئے جامع ہے یعنی کل شی یعرف بضدھا ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور جب ہم لفظ نعمت کو کلام الٰہی میں دیکھتے ہیں تو کہیں یہ لفظ نعمت ہمیں "ضر" کی ضد میں استعمال ہوتا نظر آتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاء بَعْدَ ضَرَّاء مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي (ہود10)

نعمت کی نقیض البواسی ہے یاباس ہے کیونکہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ضر اور تکلیف میں بھی کوئی نعمت ہی چھپی ہوئی ہو مگر باس میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ فقدانِ نعمت کی جو اذیت ہوتی ہے اسے "باس" کہتے ہیں جیسا کہ کلام الٰہی میں ہے کہ

فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّهِ فَأَذَاقَهَا اللّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ......(سورہ نحل112)

جب ان لوگوں نے اللہ جل جلالہ کی نعمت کا کفران کیا تو اللہ جل جلالہ نے انہیں بھوک اور خوف و باس (اذیت) کا مزا چکھایا' یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی یہ لفظ شر کی ضد میں بھی استعمال ہوتا ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم میں کن کن چیزوں کو نعمت کہا گیا ہے میں ان میں سے ایک ایک چیز کا کیا حوالہ دوں صرف چند چیزوں کا ذکر ہی کر دیتا ہوں جن کے بارے میں آپ پہلے سے بھی جانتے ہیں یہاں صرف یاد دہانی مقصود ہے

وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ......(سورہ بقرہ231)

اللہ جل جلالہ کی اس نعمت کا بھی ذکر کرو کہ جو اس نے تم پر اپنی کتاب میں نازل فرما کر عطا فرمائی ہے یعنی کتاب و ہدایت بھی ایک نعمت ہی ہے

وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ (آل عمران103)

اللہ جل جلالہ کی اس نعمت کا ذکر کرو کہ جب آپ لوگ آپس میں دشمن تھے اور اللہ جل جلالہ نے تمہارے مابین الفت پیدا فرما دی

یعنی مومنین کی آپس میں الفت بھی ایک نعمت ہے

اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحاً وَجُنُوداً لَّمْ تَرَوْهَا......(سورہ احزاب 9)

اللہ جل جلالہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تمہارے سر پہ ایک لشکر سوار ہو گیا تھا اور اللہ جل جلالہ نے ہوا کو ان پر مسلط فرمایا اور ایک نہ نظر آنے والے لشکر کو بھی ان پر نازل فرمایا

یعنی دشمنوں کے خلاف اللہ جل جلالہ کی طرف سے مدد کا آنا بھی ایک نعمت ہے اب ایک ایک آیت لکھنے سے بات بڑھ جائے گی صرف نتائج بیان کرتا جاؤں تو بہتر ہے

مجرمین ومخالفین کے خلاف نصرت الٰہی نعمت ہے (۱۷) القصص

دریا میں کشتی کا تیرنا نعمت الٰہی ہے (۳۱) لقمان

اللہ جل جلالہ پر ایمان لانا نعمت ہے (۳) فاطر

مہلت دینا بھی ایک نعمت ہے (۵۷) الصافات

عہدہ نبوت ایک نعمت ہے (۲) القلم (۲۹) طور

آپس کی محبت ایک نعمت ہے (۱۰۳) آل عمران (۶) المائدہ

گناہ بخش دینا ایک نعمت ہے (۲) فتح

نصب امامت بھی ایک نعمت ہے الیوم اکملت لکم (۳) مائدہ

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نعمت ہیں (۲۰) لقمان

بھوک پیاس ضعف سے نجات ایک نعمت ہے (۱۱۲) نحل

جنت النعیم بھی ایک نعمت ہے اور نعیم نعمت کثیر کو بھی کہتے ہیں

دوستو حقیقت یہ ہے کہ نعمت کا اصل مادہ ہے نعم ینعم

انسان کی زندگی کے پر آرام و پرسکون گزارنے کے سارے اسباب و اشیا نعمت شمار ہوتے ہیں اور نعمت ہی سے اَنعام ہے حقیقت میں "نُعم" کا لفظ اونٹ کیلئے مخصوص تھا جس کی جمع انعام ہے اور اسے اس لئے نعم کہا جاتا تھا کہ یہ بڑی نعمت مانا جاتا تھا اس حوالے سے پھر گائے بھیڑ بکری کو بھی انعام میں شامل کیا گیا اسی لئے خالق نے فرمایا

وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ

اور اللہ جل جلالہ نے تمہارے لئے کشتیاں اور وہ جانور قرار دیئے جن پر تم سواری کرتے ہو

جس چیز کو بھی نعمت کہا جاتا ہے اس میں کئی خصوصیات کا پایا جانا لازم ہے

پہلی خصوصیت

نعمت میں سرعت کا عنصر بھی ہوتا ہے یعنی جلدی ملنے والی نعمت کو نعمت کہا جاتا ہے

دوسری خصوصیت

دوسری خصوصیت بہتری ہے یعنی متقابلی حالت بھی اس میں موجود ہوتی ہے کیونکہ بہتر کا فیصلہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی دوسری چیز بھی موجود ہو کچھ نعمات انسان کو دیگر انواع سے مقابلتًا بہتر ملے ہیں اس لئے انہیں نعمات کہا جاتا ہے اور اسی طرح عربی میں اور کلام الٰہی میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں

نعم البدل کسی چیز کے متبادل اس سے بہتر چیز کو کہتے ہیں نعم العبد انه اواب
بعض انبیاعلیھم السلام کونعم العبد کہا گیا ہے یعنی دوسروں کے مقابلے بہتر عبد

نعم المولیٰ و نعم النصیر

اللہ جل جلالہ نے دوسروں کے مقابلے میں اپنی ذات کو بہتر مولیٰ و مددگار فرمایا ہے
کیونکہ اس دور میں غلاموں اور آقاؤں کا رواج تھا تو خود کو بہتر مولیٰ و مددگار فرمایا

وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ

گھوارے تو سارے دنیا میں موجود ہوتے ہیں مگر خالق نے سارے گھواروں سے
زمین کو بہتر گھوارہ قرار دیا

کلمہ ” نعم “ ایجابیہ ہے یہ بھی نعمت سے مشتق ہے اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی
کہے کہ فلاں کام کرنا جواباً کہا جائے بہتر ہے نعم کے چار معنی ہیں ( ) خبر کے بعد
تصدیق کے معنی ( ) امر و نہی میں وعدہ ہونا مثلاً زید کو مار رہاں مارتا ہوں ( ) استفہام
میں اعلام دیتا ہے کیا زید کھڑا ہے ہاں کھڑا ہے ( ) صدر کلام میں تاکید کرتا ہے
( ) اور معنی بھی دیتا ہے جسے عموماً کم بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ استفہام سلبیہ میں
استسلاب کے معنی دیتا ہے

جیسا کہ اگر کوئی کہے کہ کیا میں انسان نہیں ہوں؟ اس کے جواب میں نعم کہنا ایسا ہے
جیسے کہا جائے کہ ہاں تو انسان نہیں ہے

اسی لئے جب خالق نے فرمایا الست بربکم ؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو
یہاں نعم اور لا دونوں کا استعمال نفی کرنے کے مترادف تھا اس لئے وہاں نعم
نہیں آیا بلکہ بلیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے

نعم میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ "لا" سے بہتر ہے جیسا کہ فرزدق مرحوم نے کہا تھا کہ اگر یہ ذات پاک علیہ الصلوات و السلام تشہد نہ پڑھتے ہوتے تو ان کا لا بھی نعم ہوتا

تیسری خصوصیت

نعمت کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ سہل الحصول ہو یعنی جو حاصل کرنے میں آسان بھی ہو جیسے انسان کو جملہ نعمات کے حصول میں زیادہ تگ ودو نہیں کرنا پڑتی

نعمت کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک جلب منفعت کی حالت میں ہوتی ہے اور ایک دفع ضرر کی حالت میں کوئی نفع حاصل کرنا یا نقصان کو دور کرنا بھی نعمات میں داخل ہوتا ہے

سلسلۂ وسائل

دوستو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں اللہ جل جلالہ کے نعمات کی رسد و رسائی تک ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے یعنی خالق کا نظام نعمات ایک طویل زنجیر کی طرح ہے ایک کڑی کے بعد دوسری کڑی ہے مثلاً

ایک آدمی گرمی دھوپ اور حبس زدہ فضا سے آتا ہے سامنے کمرے میں اے سی چل رہا ہے وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ جاتا ہے ٹھنڈی ہوا لگتی ہے تو اسے سکون ملتا ہے اور وہ کہتا ہے ٹھنڈی ہوا بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے یہ بات کہنے والے دو قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں ایک حیوان کی طرح مثلاً ناقص الشعور دوسرے جدید و قدیم علوم کے عالم

حیوانی انسان کی سوچ ٹھنڈی ہوا تک رک جائے گی اور وہ اس ہوا ہی کو نعمت کہے گا

کیونکہ اسے بلا واسطہ پہنچنے والی چیز یا نعمت ہوا ہے مگر اسے ہم تک پہنچانے والا اے سی کا پنکھا ہے اسے چلانے والا خود اس کا پورا نظام ہے اسے ٹھنڈا کرنے والی گیس ہے اگر اے سی ہی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہے اور اے سی بھی کافی نہیں ہے اور نہ ہی بجلی سب کچھ ہے اگر اس زنجیر کی ایک کڑی بھی ٹوٹ جائے تو نعمت ہم تک نہیں پہنچ سکتی۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نعمت ہم تک بلا واسطہ نہیں پہنچتی بلکہ وہ لاتعداد وسائل و وسائط کے بعد ہم تک پہنچتی ہے

دوستو یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ نعمات کے اپنی کمیت و مقدار کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ دائرے ہوتے ہیں ویسے تو خالق کے سارے نعمات بڑے ہی ہوتے ہیں مگر افادیت کے نقطۂ نگاہ سے کئی نعمات چھوٹے ہوتے ہیں اور کئی نعمات بڑے ہوتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ نعمت جتنی بڑی ہوگی اس کا وسیلہ یعنی منعم اس سے بھی بڑا ہوگا

اب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم تک جتنے نعمات پہنچتے ہیں وہ وسائل اور وسائط کے ایک طویل سلسلے سے گزر کر پہنچتے ہیں اور وسائل کی وہ زنجیر بہت طویل ہوتی ہے اور اس کے ایک سرے سے ہم متصل ہوتے ہیں اور دوسرا سرا اس کا کسی ایسے منعم کے ہاتھ میں ماننا ناگزیر ہے کہ جو بلا واسطہ اللہ جل جلالہ سے نعمات کو حاصل کرے اور ہمیں اس کے نعمات بہم پہنچائے اور وہ وسیلہ بیک وقت مُنعِم بھی ہو اور مُنعَم بھی ہو یعنی وہ نعمات کا لینے والا بھی ہو اور دینے والا بھی ہو

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سلسلۂ وسائل کا زنجیری عمل کس لئے ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر لینے والے کی ایک اپنی استعداد ہوتی ہے اس

استعداد کے مطابق اس کا منعم ہوتا ہے اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے تربیلا ڈیم پہ کئی لاکھ میگا واٹ بجلی پیدا ہوتی ہے اور اس کی مین لائن Main Line سے کوئی اپنے گھر کے برقی آلات چلانا چاہے تو یہ ناممکن ہے بلکہ اس کیلئے ایک ٹرانسفارمر Transformer کی ضرورت ہوتی ہے جو گھریلو برقی آلات کی استعداد کے مطابق ہائی وولٹیج High Voltage کو کم وولٹیج Low Voltage میں تبدیل کر سکے تاکہ اسے گھریلو برقی آلات کیلئے استعمال میں لایا جا سکے اگر کوئی گھریلو برقی آلات کو 11000 میگا واٹ سے بلا واسطہ چلانے کی کوشش کرے گا تو آلات کی تباہی کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا بلا تشبیہ اسی طرح ذاتِ واجب الوجود سے پاک انوار کے علاوہ کوئی بلا واسطہ استفادہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اس لئے خالق نے وسائل کا ایک زنجیری سلسلہ بنا دیا ہے کہ جس سے ہر مخلوق اپنی اپنی استعداد اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کر سکے اور کوئی اس کے فیض سے محروم نہ رہ جائے

اب اس مقام پہ عرض کرنا لازم ہو گیا ہے کہ وہ منعمِ کائنات ہر زمانے کا امام ہوتا ہے اور اس دور میں ہمارے شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں کہ جن کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسمِ مبارک ہے

"منعم" عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

اس دور میں دوست دشمن کو مومن و کافر کو نیک و بد کو فاسق و فاجر کو غرض جس کو بھی کوئی نعمت مل رہی ہے تو وہ نعمات عطا فرمانے والا ہاتھ ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف ہی کا دستِ مبارک ہے

اسی وجہ ہمارے شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجه الشريف کو منعم کا نام دیا گیا ہے کہ جس کے دست مبارک سے اس کائنات کو نعمات ملتے رہتے ہیں اگر کوئی کفرانِ نعمت کرتا ہے تو نعمت کو سلب کرنے کا کسی اور کو اختیار نہیں ہونا چاہیے بلکہ وہ نعمت واپس لے سکتا ہے جو اپنے دست مبارک سے نعمات عطا فرما رہے ہوں

اب یہاں میں کس کس نعمت کا ذکر کروں کہ وہ بھی ہمیں ہمارے شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف عطا فرماتے ہیں اور وہ نعمت بھی وہی جناب عطا فرماتے ہیں اللہ جل جلالہ کے نعمات کا کوئی شمار ہو نہیں سکتا اور اس کی ذات کا وسیلہ اُولیہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہیں اور ان کے ماتحت جو نظام ہے اس کے بارے میں میں پہلے ایک خطاب میں عرض کر چکا ہوں جو انہی جناب کے اسم مبارک غوث الغیوث عجل الله فرجه الشريف کے عنوان سے تھا

دوستو اب ہم اگلی منزل کی طرف سفر کرتے ہیں وہ منزل یہ ہے کہ جب ہم نعمات کی درجہ بندی کرتے ہیں تو ہمیں اس کے دو جہتیں نظر آتی ہیں یعنی نعماتِ دنیوی اور نعماتِ اخروی

کچھ نعمات ایسے ہیں کہ جن کا تعلق اس دنیا سے ہے اور کچھ نعمات ایسے ہیں کہ جن کا تعلق اس دنیا سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق آخرت ہے یعنی اس حیات ظاہری کے اختتام کے بعد انسان جب اگلے عالم میں جنم لیتا ہے تو وہاں بھی انسان کو نعمات عطا ہوتے ہیں اب وہاں نعمات عطا فرمائے جاتے ہیں تو ان کیلئے بھی ایک وسیلہ و منعم ہونا ضروری ہے

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس مادی دنیا کے نعمات کے جتنے بھی وسیلے ہیں وہ اسی دنیا

تک محدود ہیں ان کا آخرت میں کوئی عمل دخل نہیں ہے مثلاً اس دنیا کے جتنے وسائلِ رزق ہیں یا وسائلِ آرام وراحت ہیں وسائلِ ضروریات ہیں وہ یہاں اس دنیا تک تو کفایت کرتے ہیں مگر آخرت میں کافی نہیں ہوتے دیکھئے نا یہ زمین ہی سب سے بنیادی انسان کا وسیلۂ رزق ہے مگر جب انسان کے جسم سے روح جدا ہو جاتی ہے تو یہی زمین ہی انسان کو اپنا رزق بنا لیتی ہے اور انسان کو کھا جاتی ہے اس کی ہڈیوں تک کو ہضم کر لیتی ہے اس دھرتی کو لوگ ماں سمجھتے ہیں مگر یہ ماں بھی اس وقت تک اپنی ممتا کا اظہار کرتی رہتی ہے جب تک انسان کے سانسوں کا رشتہ استوار رہتا ہے اور جب سانس کی ڈوری ٹوٹتی ہے تو پھر یہی ماں ڈائین بن جاتی ہے پھر کوئی بوڑھا ہو یا بچہ یہ کسی کو کھانے سے نہیں چوکتی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا کے اور اس حیات ظاہر کے جتنے بھی وسائل ونعمات ہیں وہ اسی دنیا اور اس حیات ظاہری تک محدود ہیں اور حیات ظاہری کے خاتمے کے ساتھ ہی وہ دشمن ہو جاتے ہیں اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اللہ جل جلالہ کے نعمات کے حقیقی وسیلہ نہیں ہیں بلکہ حقیقی وسیلۂ نعمات تو وہ ہو سکتا ہے کہ جس کیلئے یہ دنیا اور وہ دنیا ایک برابر ہو اس کیلئے یہاں وہاں میں کوئی فرق نہ ہو جس طرح اس کا تعلق اس دنیا سے ہو اسی طرح وہ بعد از حیات ظاہری بھی اسی طرح نعمات کا وسیلہ بن سکے جس طرح اس دنیا میں تھا

اس دنیا میں مقام آلیت کے لحاظ سے جناب میقائیل وسیلۂ ارزاق ہیں اور مدبرات امور جو ملکوت ہیں وہ وسائلِ نعمات ہیں مگر ان کا تعلق بھی اسی دنیا تک محدود ہے یہ نہیں ہے کہ جو شہید اس ظاہری حیات کو قربان کر کے ابدی حیات پا لیتے ہیں بــل احیاء کی سند حاصل کر لیتے ہیں اور عـنـد الـلـه یرزقون کے مقام پر فائز ہوتے

ہیں انہیں وہاں بھی رزق جناب میقائیل کے ذریعے ملتا ہے ایسا نہیں ہے بلکہ وہاں ان کیلئے کوئی اور وسیلہ رزق ہوتا ہے جو انہیں نعمات عطا فرماتا ہے وہ کوئی فرشتہ نہیں ہوتا بلکہ وہ منعم ہوتا ہے جو ملکوت کیلئے بھی اللہ جل جلالہ کے نعمات کا وسیلہ ہوتا ہے

اب ہم قرآن واحادیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے جنت ایک نعمت ہے، کوثر ایک نعمت ہے، نجات ایک نعمت ہے، اب وہاں ان نعمات کو عطا فرمانے والا کون ہوگا جو بھی یہ نعمات عطا فرمانے والے ہوں گے وہی اس دنیا اور آخرت دونوں کیلئے وسیلہ ومنعم حقیقی قرار پائیں گے اب یہ تو بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ساقی کوثر کون ہیں؟ قسیم النار والجنة کون ہیں؟ اگر اب بھی سمجھ نہ آئے تو کسی شیعہ عالم سے یا شیعوں کے کسی امام سے نہ پوچھیں بلکہ خود امام شافعی سے پوچھ لیں تو وہ بھی یہی بتائیں گے کہ اگر یہ عہدہ کسی کو حاصل ہے تو وہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے علاوہ کوئی نہیں ہے

یہ تو ایک غیر شیعہ کا عقیدہ ہے ہمارا عقیدہ تو ان سے بھی آگے ہونا چاہیے

آج کل ہمارے مابین یہ بحث ہو رہی ہے کہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام دنیا کی کوئی نعمت تقسیم نہیں کر سکتے - بقول امام شافعی جو جنت کوثر بانٹ سکتے ہیں کیا وہ اس ادنیٰ دنیا کی کوئی چیز کسی کو نہیں دے سکتے؟ دوستو ہمارا عقیدہ کم از کم امام شافعی سے تو زیادہ بلند ہونا چاہیے تھا مگر ہمیں پستی کی طرح دھکیلا جا رہا ہے چلو یہ ان کی مرضی جیسا بھی کہیں ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ انہوں نے اپنی قبر میں اپنا جواب خود دینا ہے جب قبر میں جائیں گے اور سرہانے جناب امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کو جلوہ آرا دیکھیں گے تو ان کا دل بھی چاہے گا کہ ہم انہیں اپنا سب

کچھ بنا لیں مگر یہاں نہیں بنا سکے تو وہاں بھی نہیں بنا سکیں گے کیونکہ جو سوتے وقت اندھا ہوتا ہے وہ بیدار ہونے پر بینا نہیں ہو سکتا اندھا چاہے سو جائے یا خواب دیکھے یا بیدار ہو جائے وہ اندھا ہی رہتا ہے

تو دوستو عرفا کا عقیدہ تو یہ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں اللہ جل جلالہ کے منعمِ حقیقی کے ماتحت لاکھوں کروڑوں ملکوت ہیں لاکھوں انسان اور دیگر وسائل نعمات ہیں کہ جو ان سے لے کر اس دنیا کے لوگوں کو نعمات پہنچا رہے ہیں وہاں آخرت میں بھی ان کے ماتحت لاکھوں کروڑوں ماتحت ہوں گے کوئی عوام کو کوثر دے رہا ہوگا کوئی سلسبیل سے نواز رہا ہوگا کوئی جنت کا اجازہ دے رہا ہوگا

دوستو

يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ کا جو فرمان ہے اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانے کے لوگوں پر وہاں منعمِ حقیقی ان کے زمانے کا امام ہی ہوگا اور ہمارے منعمِ حقیقی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہیں اسی لئے ان کے اسمائے مبارکہ میں ایک نام پاک ہے منعم عجل الله فرجه الشريف اس دور کے مومنین کو جو نعمات اخروی عطا ہوں گے وہ ان کے حکم سے ہمیں ان کے غلام اور خدام ہی عطا فرمائیں گے کیونکہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کام غلام کرتے ہیں نام بادشاہ کا ہوتا ہے کام مشینری کرتی ہے نام مالک کا ہوتا ہے اسی طرح کام تو یہاں بھی مولا کے غلام کرتے ہیں اور وہاں بھی انہی غلاموں نے کرنا ہے منعم کا تو حکم اور قانونِ تقسیم ہی چلے گا

دوستو میں نے جو وسیلے کا لفظ استعمال کیا ہے وہ عوامی ذہن کو سامنے رکھ کر کیا ہے ورنہ ان کا مقام ایک مطلق وسیلے سے کہیں اونچا ہے کیونکہ باقی چیزیں بھی وسیلہ ہی

ہوں اور یہ بھی ایک وسیلہ ہی ہوں یہ ان کے شایان شان نہیں ہے بلکہ اللہ جل جلالہ نے تو انہیں اپنی ایک نعمت عظمیٰ قرار دیا ہے اسی لئے ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں ایک نام پاک "نعمت اللہ العظمیٰ عجل اللہ فرجہ الشریف" بھی ہے

حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانے کا امام اس زمانے کی مخلوق کیلئے نعمت اللہ العظمیٰ ہی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے کلام مقدس میں سورہ المائدہ میں فرمایا

مَا يُرِيدُ اللّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَـكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ......(سورہ المائدہ 6)

اللہ جل جلالہ یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے لئے کوئی مشکل پیدا کرے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم پر "اتمام نعمت" فرما کر تمہیں پاک کردے تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ

اس آیت کو غور دیکھیں گو یا یہ مومنین کیلئے آیت تطہیر ہے جیسا کہ اھل بیت اطہار علیہم الصلوات و السلام کی آیت تطہیر تھی اس میں بھی "یرید اللہ" کے الفاظ موجود تھے یطھرکم کے الفاظ بھی موجود تھے یعنی اللہ جل جلالہ نے مومنین کے پاک کرنے کا ارادہ فرمایا مگر یہاں ایک اور طرح کی بات فرمائی کہ تمہاری تطہیر کیلئے ضروری ہے کہ تم پر نعمت کا اتمام کیا جائے یعنی تمہیں ایسی نعمت سے نوازا جائے کہ اس سے بڑی کوئی نعمت اللہ جل جلالہ کے خزانے میں موجود ہی نہ ہو اور اسی نعمت اللہ العظمیٰ کی وجہ سے تم پاک ہو جاؤ

اللہ جل جلالہ نے یہ ایک وعدہ ہی فرمایا تھا مگر اس کی تکمیل کب ہوئی ؟ آپ دیکھیں سورہ المائدہ کہاں نازل ہوئی ؟ مدینہ میں جب ہجرت کے بعد ماحول میں ایک

طرح کا سکون آ گیا اور خارجی دشمنوں کا خوف ٹل گیا اب آپ کے سامنے دو ہی دھڑے تھے ایک مومنین اور ایک منافقین کیونکہ نفاق بھی ایک طرح کا رجس ہے اسی لئے اللہ جل جلالہ نے وعدہ فرمایا ہم تمہیں پاک کریں گے اور اس نجاست اور رجاست سے آپ کو پاک کریں گے اور تمہیں تکلیف میں نہ ڈالا جائے گا بلکہ صرف پاک کیا جائے گا تاکہ تم اللہ جل جلالہ کی اس نعمت کا شکر ادا کر سکو کہ جو تمہیں حاصل تو ہے مگر پوری طرح سے کامل نہیں ہوئی اس وعدے کو کافی عرصہ بیت گیا تا اینکہ حجۃ الوداع سے واپسی ہوئی مدینے سے چھ سات میل جنوب مشرق میں یہ حجاج کا کارواں مقامِ خمِ غدیر پہ پہنچا قریب تھا کہ حاجی مدینے میں داخل ہو جائیں مگر حکم ہوا کہ اے میرے حبیب صلی الله عليك و اعلیٰ آلك بلغ ما انزل اليك ( ) اب وقت ہے کہ ان لوگوں کے سامنے اس بات کی تبلیغ فرما دیں کہ جو ہم نے آپ نازل فرمائی ہے

آپ نے مجمع پہ نگاہ ڈالی مومنین سے منافقین کی تعداد زیادہ نظر آئی تھوڑی سی ہچکچاہٹ محسوس ہوئی تو اللہ جل جلالہ نے دو باتیں فرمائیں ایک تاکید کی اور ایک تحفیظ فما بلغت رسالة سے فرمایا کہ اگر آپ نے یہ کام نہ کیا تو آپ نے گویا آج تک رسالت کا کوئی کام کیا ہی نہیں تحفیظ کیلئے فرمایا کہ ہم آپ کی حفاظت کریں گے بلا جھجک جو فرمانا ہے فرما دیں

باقی باتیں آپ نے سنی ہوئی ہیں کیسے پالانوں کا منبر بنایا گیا کیسے اعلانِ ولایت ہوا وہ ساری باتیں آپ کو معلوم ہیں مگر میں اتنا عرض کروں گا کہ وہاں جو اعلان ولایت ہوا تھا وہ صرف امام ماننے کا نہ تھا کیونکہ آیات خمس و زکواۃ آ چکے تھے دیگر احکام

آ چکے تھے اور شہنشاہ معظم جناب سرورانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو ساری امت کا مالک مطلق منوایا جا چکا تھا سب لوگ ان کی غلامی کا اقرار کر چکے تھے اب تو امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی غلامی اور عبدیت کا اقرار کروانا باقی تھا سو جب یہ اقرار ہو گیا تو خالق نے فرمایا

الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِن دِينِكُمْ فَلاَ تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ......(سورہ المائدہ3)

آج کے دن کفار تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں پس آپ ان سے مت ڈریں بلکہ ہم سے ڈریں آج کے دن تمہارا دین مکمل ہو گیا ہے اور تم پر اتمام نعمت ہو گیا ہے میں نے اپنا دین اسلام تمہارے لئے پسند فرما لیا ہے اور جو انسان بھوک و افلاس کی وجہ سے اضطرار کا شکار ہو جائے اور اثم کی طرف مائل ہو جائے نہ کہ دلی طور پر اثم کی محبت میں گرفتار ہو جائے تو اللہ جل جلالہ اس کے معاملے میں بہت بخشنے والا مہربان ہے

اس کی وجہ یہ تھی کہ آنے والے وقت میں کسی کا ظاہری طور پر حق کا ساتھ دینا بہت مشکل تھا اب یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ اثم سے مراد کیا ہے؟ کوئی کردار ہے یا کوئی شخصیت ہے یا کوئی گروپ ہے اس پہ روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے ہمارا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ نعمت سے مراد کون تھا اور وہ آپ جان ہی چکے ہیں کہ نعمت سے مراد امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام ہی ہیں

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں بھی

ایک اسم مبارک نعمت ہے اور کسی نے خاندان پاک علیھم الصلوات و السلام سے جب بھی دریافت کیا کہ آپ فرمائیں اللہ جل جلالہ کی سب سے بڑی نعمت کونسی ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا شہنشاہ معظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی اللہ جل جلالہ کی اجل اور اکبر و اعظم نعمت ہیں میں نے انتقام کے ضمن میں عرض کیا تھا کہ نعمات کا سلب ہونا ہی انتقام ہوتا ہے اور شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا دنیا سے تشریف لے جانا بھی ایک عظیم نعمت الہیہ کا سلب ہونا تھا اور نعمت ہی کا سلب انتقام کہا جاتا ہے اسی لئے فرمایا گیا فاما نذھبن بك فانا منتقمون اگر ہم آپ کو اپنی طرف لے جائیں تو یہ بھی اس امت سے ہمارا انتقام ہی ہوگا

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ نعمت کا سلب ہونا بلا وجہ نہیں ہوتا بلکہ خالق نے ہمیں کلیہ دیا ہے

ذَلِكَ بِأَنَّ اللّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّراً نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنفُسِهِمْ وَأَنَّ اللّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ......(سورہ انفال 53)

یہ اس لئے ہے کہ اللہ جل جلالہ کسی قوم کو نعمت عطا فرمانے کے بعد اسے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم اپنے نفسوں کو اس کے بارے میں نہیں بدلتی

جب کوئی امت اپنے نبی یا امام جیسی عظیم نعمتِ الہی کا کفران کرتی ہے تو اللہ جل جلالہ اپنی نعمت کو سلب فرمالیتا ہے یعنی جن لوگوں میں نعمت الہی کا شکر بڑھتا ہے ان میں نعمات پہ نعمات کا نزول ہوتا جاتا ہے اور ان سے نعمات کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا یعنی ان میں سلسلۂ امامت جاری و ساری رہتا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ کوئی بھی امام اس دنیا سے تشریف نہیں لے گیا مگر یہ کہ انہیں امت نے خود روانہ کیا کسی کو جام

بقا دے کر کسی کو تلوار سے شہید کر کے - گو یا اللہ جل جلالہ کی نعمت کو لوگوں نے خود سلب کروایا ہے

اب یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تو اس دنیا سے اپنی مرضی سے تشریف لے گئے مگر یہ بھی کوئی یقینی بات نہیں ہے کہ کیونکہ صاحب حبیب السیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کو بھی جام بقا دیا گیا تھا جب اسامہ بن زید بن حارث بن عبدالمطلب علیہ السلام کا جیش (لشکر) تیار ہو رہا تھا تو کئی منافقین (کافرین) آپ کی رحلت کے منتظر تھے جب آپ نے سختی سے جانے کا حکم دیا تو آپ کو کسی عورت کے ذریعے جام بقا پلایا گیا' اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ امام حسن علیہ الصلوات و السلام کو پیار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا اس طرح اس دنیا سے رخصت ہوگا کہ جیسے ہم نے اس دنیا کا خیر باد کہنا ہے اس روایت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہیں بھی جام بقا دیا گیا تھا

اور خالق کا کلیہ بھی یہی بتاتا ہے کہ کوئی نعمت اس وقت تک سلب نہیں فرمائی جاتی جب تک اسے صاحبان نعمت خود سلب نہ کروائیں تو اللہ جل جلالہ کی سب سے بڑی نعمت کو اللہ جل جلالہ کسی ناشکری کے بغیر کیسے سلب فرما سکتا ہے؟

ان کے بعد آئمہ ٔ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام بھی اللہ جل جلالہ کے اسی کلیہ کے ماتحت اس دنیا سے روانہ ہوئے گویا اللہ جل جلالہ نے اس دور کے لوگوں سے اپنی نعمت عظمیٰ کو سلب فرمایا مگر زمانہ حجت سے خالی بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا تو اس لئے سلسلہ ٔ امامت جاری و ساری رہا اور جن لوگوں نے کفران نعمت کا ارتکاب نہیں کیا ان پر آج بھی ایک امام کا سایہ ٔ الٰہی موجود ہے اور وہ آج بھی اپنے امام سے منسلک ہیں اور جن

لوگوں نے کفران کیا ہے اللہ جل جلالہ ان کے بارے میں فرماتا ہے

يَعۡرِفُونَ نِعۡمَتَ اللّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكۡثَرُهُمُ الۡكَافِرُون ......(سورہ نحل 83)

وہ لوگ اللہ جل جلالہ کی نعمت کو پہچانتے تھے مگر انہوں نے جان بوجھ کر اس سے انکار کیا اور ان میں سے اکثر کافر ہو گئے اسی طرح ایک اور مقام پہ فرمایا

أَلَمۡ تَرَ إِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُواۡ نِعۡمَةَ اللّهِ كُفۡراً ......(سورہ ابراہیم 28)

آپ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ جنھوں نے اللہ جل جلالہ کی نعمت کو کفر سے بدل لیا ہے یعنی امام حق کو چھوڑ کر آئمۂ باطل کی اطاعت قبول کر لی ہے اور یہ اسی بات کی سزا تھی کہ جنھوں نے خاندانِ تطہیر کے مقدس اور منصوص من اللہ آئمۂ اطہار علیہم الصلوات و السلام کو نہیں مانا انہیں یزید جیسے بدکردار شرابی فاسق و فاجر لوگوں کو امام ماننا پڑا اس سے بڑی سزا اور کیا ہوسکتی تھی اور صدیوں تک بني امیہ وبني عباس کے بدکردار اور عیاش لوگوں کو خلیفۃ الرسولؐ ماننا پڑا بھلا ہو ہلاکو خان کا جس نے مسلمانوں کی گردنوں سے خلافت کا جوا اتار پھینکا اور مسلمانوں کو بدمعاش اور بدقماش خلفاء سے نجات حاصل ہوئی

اسی لئے اللہ جل جلالہ نے ہر نماز میں جس سورۃ کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اس میں ہے بھی یہی دعا تعلیم فرمائی ہے ہمیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرما

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ أَنعَمتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ المَغضُوبِ عَلَيۡهِمۡ وَلاَ الضَّالِّيۡن

یعنی ان لوگوں کے راستے کی طرف رہنمائی فرما جنھیں تو نے امام عطا فرمایا ہے نہ کہ ان لوگوں کے راستے کی طرف جنھوں نے کفران نعمت سے تمہیں غضبناک کیا ہے نہ ان لوگوں کا راستے کی طرف رہنمائی فرما کے جو گمراہ ہو گئے ہیں

دوستو یہاں ایک بات آ گئی ہے تو کرتا چلوں وہ یہ ہے کہ غضب وغصہ یہ جذبات و کیفیات سے تعلق رکھتے ہیں اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ جل جلالہ میں کسی کیفیت کا پیدا ہونا ایک نقص ہے اور وہ ہر نقص سے پاک ہے ہاں اس نے اپنے غضب ورضا کا پیمانہ کچھ ذوات عالیہ علیہم الصلوات و السلام کو قرار دیا ہے جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو گویا اللہ جل جلالہ ناراض ہوتا ہے وہ راضی ہوتے ہیں تو گویا اللہ جل جلالہ راضی ہوتا ہے اور ان میں سے سب سے اہم ذات ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کی ہے اور انہی کا غضب اللہ جل جلالہ کا غضب ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ کچھ لوگوں نے انہیں غضبناک کیا اور کچھ لوگوں نے ان کی طرح کا عمل کیا اور گمراہ ہو گئے یعنی کچھ لوگوں نے ان کا حق غصب کیا اور انہیں ناراض کیا اور کچھ لوگوں نے ان کا حق جو خمس کی صورت میں واجب تھا وہ ادا نہ کیا تو پہلے والے جو تھے وہ مغضوب تھے اور بعد والے ضالین ہیں

تو دوستو میں عرض کرر ہا تھا کہ انعمت علیھم کے مصداق وہ لوگ ہیں جنھیں امام میسر ہیں اور انہیں آئمۂ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام کی اطاعت واتباع کی توفیق عطا ہوئی ہے

امامِ وقت اللہ جل جلالہ کی وہ نعمت ہوتے ہیں کہ جو اللہ جل جلالہ کی تو نعمت ہیں اور مخلوق کیلئے منعم ہوتے ہیں گویا وہ اس کائنات پر ابرِ نعمات پاش ہوتے ہیں اور یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام دو طرح کے ہوتے ہیں یعنی ان کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں جیسا کہ سورۃ القمان کی آیت وَاَسبَغَ عَلَیکُم نِعمَہٗ ظَاھِرَۃً وباطنَۃً کی تفسیر میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے جو مخلوق پر نعماتِ وافرہ شمار فرمائے ہیں وہ دو طرح کی ہیں

ایک ظاہری اور دوسری باطنی اور نعمت ظاہری سے مراد وہ امام ہوتے ہیں جو ظاہراً موجود ہوں اور نعمت باطنی سے مراد وہ امام ہیں جو غائب و مخفی ہوں

حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام کا وجودِ ذی جود ہی نعمت عظمیٰ ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر امام بیک وقت ظاہر بھی ہوتا ہے اور غائب بھی ہوتا ہے امام کا لوگوں میں آنا ایک نعمت ہے ان کا ظہور صرف ایک مقام پر ہوتا ہے یعنی وہ ظاہر تو ایک ہی جگہ پہ ہوتا ہے لیکن وہ باقی دنیا کیلئے تو باطن میں رہتا ہے آپ دیکھیں تو یہی نظر آئے گا کہ امامِ موجود بھی صرف ایک کمرے میں ظاہر ہوتا ہے اور کمرے سے باہر والوں کیلئے وہ نعمتِ باطنہ کا مقام رکھتا ہے اسی لئے امام کا وجود ظاہر بھی نعمت ہے مگر اس کا باطن نعمت عظمیٰ ہے کیونکہ امام کے ظاہر کا دائرۂ افادیت چند افراد تک محدود ہوتا ہے اور باطن کائنات سے محیط ہوتا ہے صاحبان معرفت اچھی طرح جانتے ہیں کہ امام کا ظاہر رحیمیت کے ماتحت ہوتا ہے اور امام کا باطن رحمانیت کے ماتحت ہوتا ہے اور یہ بھی عرفا کا مسلمہ ہے کہ رحمانیت سے ہر کوئی استفادہ کرتا ہے اور رحیمیت صرف مومنین کیلئے مخصوص ہے یعنی ظاہر سے فائدہ کوئی کوئی اٹھاتا ہے مگر باطن سے کوئی محروم ہی نہیں رہتا کیونکہ باطنی طور پر وہ سب کو رزق دیتا ہے نعمات عطا فرماتا ہے دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو ان کے ہاتھ سے جاری نہ ہوتی ہو اور دنیا کا کوئی شخص ایسا نہیں جسے کوئی نہ کوئی نعمت میسر نہ ہو

دوسری بات یہ ہے کہ امام ظاہر سے صرف موجودگان میں سے مومنین ہی استفادہ کر سکتے ہیں ورنہ 260 سال تک آئمہ کی محفلوں میں رہنے والوں میں سے دیکھیں کتنے لوگوں نے عرفان کی منزل پائی ہے اور پھر ان لوگوں کو دیکھیں کہ جنھوں نے باطنی

رابطے سے عرفان کے مقاماتِ عالیہ کا ادراک کیا ہے
جتنے لوگوں نے سن کر کلمہ پڑھا اس سے لاکھوں گنا زیادہ تو وہ ہیں جنہیں باطنی قوت سے کلمہ پڑھوایا گیا ہے جناب اویس قرنی نے دیکھا نہیں مگر ایمان کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں کچھ لوگوں نے ۲۳ سال تک دیکھا ہے مگر بے فیض رہے ہیں یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ظاہر سے رابطہ کرنے والا محروم رہتا ہے جب تک کہ ظاہری وجود کے ساتھ بھی باطنی وروحانی رابطہ پیدا نہ کرے کیونکہ دیکھا تو کفار ومشرکین نے بھی تھا مگر کامیاب وہی ہوئے جنہوں نے روحانی رابطہ قائم کیا
کیونکہ انسان کا جسم مادی ہے اور امام کے جسم کا تعلق عالمِ امر سے ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے مومنین کی روحیں ہمارے جسمِ سرمدی کی ماندہ طینت سے خلق ہوئی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مومنین کے اجسام وابدان میں وجود امام سے رابطہ پیدا کرنے کی مناسبت و صلاحیت ہی موجود نہیں ہے اگر انسان کی کسی چیز میں امام سے استفادے کی صلاحیت موجود ہے تو وہ روح ہے اس لئے امام کے جسم سے رابطہ کرے تو انسان کی روح کرے تو ممکن ہے ورنہ ممکن نہیں کیونکہ جسمِ امام کے انوار کیلئے موصل روح ہے انسان کا خاکی جسم نہیں ہے
عام نعمات کے بارے میں ہے کہ ہر ایک نعمت Six Dimentional یعنی شش پہلو یا جہت والی ہوتی ہے کئی کئی چیزوں کو لنک کرتی ہے اور کئی پہلوؤں سے لنک ہوتی ہے یعنی وہ ایک نعمت کئی انواع کیلئے بھی نعمت ہوتی ہے اور ایک ہی نوع کیلئے کئی طرح سے نعمت ہوتی ہے مثلاً پانی ہے تو یہ بھی ایک نعمت ہے اور یہ ہر جاندار کیلئے نعمت بھی نعمت ہے اور پھر ہر نوع کیلئے کئی کئی طرح سے نعمت ہے یعنی ایک تو یہ پیاس بجھاتا

ہے گرمی میں جسم کو ٹھنڈک دیتا ہے جسم سے آلودگیاں دور کرتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن امام عام نعمات کی طرح محدود پہلو نہیں رکھتا بلکہ غائب بلین +بلین Dimentional ہوتا ہے یعنی اس کے اربوں کھربوں پہلو ہوتے ہیں وہ ہر نوع کے وجود و بقا و تربیت کے جملہ شعبوں میں لنک کرتا ہے اور ہر شعبۂ حیات کیلئے وہ ایک نعمت ہوتا ہے اسی لئے تو وہ نعمت اعظمیٰ قرار پاتا ہے

عام نعمات اور نعمتِ عظمیٰ میں یہ فرق ہے کہ اللہ جل جلالہ کی ہر نعمت بیک وقت نعمت بھی ہوتی ہے اور غیر نعمت بھی کیونکہ پانی جہاں پیاس بجھاتا ہے وہاں باعثِ موت بھی ہو جاتا ہے نجاسات دور کرتا ہے تو خود نجس بھی ہو جاتا ہے اسی طرح ہر نعمت کے مثبت پہلوؤں کے ساتھ منفی پہلو جڑے ہوئے ہوتے ہیں مگر امام ایک ایسی نعمت ہے جو خیر ہی خیر ہے اس کا کوئی منفی پہلو ہے ہی نہیں اگر کسی کو وہ پہلو نظر آتا ہے تو وہ خود انسان کا ہی منفی پہلو ہے نہ کہ امام و نبی کا

ع ہے ان میں دِکھتا جو عیب کوئی تو عیب ہے ان کے عیب جو کا

(چچا غالب سے معذرت کے ساتھ)

یہ جو نعمت ہیں تو اللہ جل جلالہ کی نعمتِ اعظمیٰ ہیں اس لئے نعمت اعظمیٰ وہی ہو سکتی ہے کہ جو اولین کیلئے بھی اسی طرح نعمت ہو جس طرح آخرین کیلئے ہو اور اس طرح نعمت اعظمیٰ کا ازلی اور سب سے اول ہونا لازم ہے ورنہ اولین اللہ جل جلالہ کی اس نعمت سے محروم رہ جائیں گے

اب یہ تو بتانے کی ضرورت نہیں کہ اول نور کس کا تھا ہاں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو نور اول تھا وہ ایک تھا اور وہاں اس کا کوئی نام نہیں تھا وہ ایک بے نام حقیقت تھی پھر

جیسے جیسے اس حقیقت سے صفات کا اظہار ہوتا گیا اس کے نام پڑتے گئے
کیونکہ سب سے اول جو اعزاز اس حقیقت واحدہ کو ملا وہ تھا خود اللہ جل جلالہ کا اس کی حمد کرنا یعنی اللہ جل جلالہ نے اس کے صفات محمودہ کی مدح کی تو اس سے اس حقیقت کا نام حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم قرار پایا اور یہ ایک ایسی جامع حقیقت تھی کہ اس میں سارے معصومین علیھم الصلوات و السلام کے انوار موجود تھے
ان کے بعد جو چیزیں خلق ہوئیں ان اشیا کے وجود کیلئے اور بقا و تربیت کیلئے یہی حقیقتِ نورانیہ ہی علت قرار پائی ورنہ خالقِ حقیقی تو کسی کی علت بننے سے منزہ و پاک ہے یہ مسئلہ علم کلام و علم تصوف کا مشترکہ ہے اس لئے اس پہ پھر کبھی بحث ہوگی یہاں صرف اتنا کہوں گا کہ نعمت اولیہ یہی ذوات ہیں ملکوت و عرش و کرسی کو بوقت تخلیق انہی نے اپنی ہدایت و ولایت سے فائدہ پہنچایا انبیاء کو نعمتِ نبوت و رسالت انہی کی وجہ سے ملی جس جس نے بھی ان کے بارے میں یا ان کی شان و عظمت کے بارے میں لمحہ بھر کیلئے سوچا ہے ان انبیاء کو مبتلا کیا گیا ہے جناب آدم و جناب یونس علیھما السلام کے واقعات گواہ ہیں کہ انہیں ایک سزا ملی جناب یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں ڈالا گیا اس کی وجہ یہی بیان ہوئی ہے کہ انہوں نے کوئی ظاہری گناہ نہیں کیا تھا بلکہ جب میثاق النبیین ہوا تو اللہ جل جلالہ نے سارے انبیا علیھم السلام سے ان انوار علیھم الصلوات و السلام کی ولایت و محبت و نصرت کا عہد لیا تو جناب یونس علیہ السلام نے ایک سیکنڈ کے لاکھویں حصے کیلئے توقف کیا اور سوچا کہ وہ کون سے ذوات مطاہرات ہیں کہ جن کی ولایت کا میں اقرار نہ کروں تو نبوت نہیں ملتی اللہ جل جلالہ کو یہ بات ناگوار گزری کہ تمہارا کام ان کی اطاعت و نصرت کرنا ہے نہ کہ ان کی

ذات کے بارے میں تفتیش کرنا ہے کہ یہ کیسے ہیں اسی جرم میں انہیں مچھلی کے پیٹ میں ظلمتوں کے پردے میں اقرار کرنا پڑا کہ لا الہ الا انت سبحناك انی کنت من الظالمین کہ تیرے سوا کوئی اللہ جل جلالہ نہیں اور تو سبحان ہے اور میں واقعی ظالمین میں سے تھا اپنی اوقات بھول گیا

اب یہاں یہ بھی دیکھ لیں کہ جب کوئی معصوم (نبی) بھی ان کی ذات کے بارے میں تفتیش کرتا ہے یا سوچتا ہے اگر چہ انکار کی نیت سے نہ ہو مگر وہ خود کو ظالم مانتا ہے اور جب تک وہ اپنے ظالم ہونے کا اقرار نہ کرے اسے اللہ جل جلالہ بھی معاف نہیں فرماتا اور اگر کوئی غیر معصوم ان کی عظمت سے انکار کیلئے دلائل تلاش کر رہا ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا ؟

ہماری تو یہی دعا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی اس نعمت باطنی یعنی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور و خروج جلدی ہو تا کہ اس کائنات پر اللہ جل جلالہ کا اتمام نعمت ہو جائے اور یہ کائنات اپنے مقصد تخلیق کو ہمیشہ کیلئے حاصل کر لے اور انسان کو اپنی صبر آزما محنتوں کا ثمر ملے اور وہ اس مقام کو ہمیشہ کیلئے پالے کہ جس کے بارے میں ارشاد ہے

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ( )لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ

یعنی کئی چہرے اس دن نعمت یافتہ تر و تازہ ہوں گے اور وہ اپنی محنت شاقہ کی جزا پر راضی ہوں گے یہ بات عموماً جنت کیلئے فرمائی گئی ہے مگر خصوصاً حکومت آل محمد علیہم الصلوات و السلام کے بارے میں ہے کیونکہ اس دن سارے مومنین کو اپنی محنت اور طویل جد و جہد کا ثمر ملے گا یہ دنیا ہی جنت بن جائے گی اور اسی پر سارے نعمات

انڈیل دیئے جائیں گے کیونکہ جب اللہ جل جلالہ کی نعمت عظمیٰ اس دنیا پہ اپنا اظہار کلی فرمائے گی تو پھر کون سی نعمت اس دنیا میں آنے سے ہچکچائے گی دعا کریں جملہ مومنین کو وہ زمانہ جلدی میسر آئے اور اس دنیا پر حکومت الہیہ کا قیام ہو جائے اور باطل صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهِ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

فهو راعيكم الذى استرعاه الله خلقه وهو اعرف بمصلحة غنمنم فى فساد امرها

اے خیمہ زن گلشن عرفان

ہمارا موضوع تو آپ کے سامنے ہے یعنی ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ پہ گفتگو کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور آج کا ہماراعنوانیہ اسم مبارک ہے راعی الخلق عجل الله فرجه الشريف

راعی کے معنی ہیں کسی بھی چیز کے ریوڑ کو چرانے والا

جیسا کہ آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ فرمایا گیا تھا ہر زمانے کا امام ایک راعی ہوتا ہے کہ جس سے اللہ جل جلالہ اپنی پوری مخلوق کو چرواتا ہے اور وہ اپنی بکریوں کی مصلحتوں کو

سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون سی چیز انہیں مفید ہے اور کون سی باعث فساد ہے
راعی کے معنی ہیں جانوروں کے ریوڑ کو چرانے والا
اس فرمان سے ثابت ہوا خلقت یعنی پوری انسانیت سمیت ہر وہ چیز جس پر لفظ مخلوق کا اطلاق ہوسکتا ہے اس کے اور امام کے مابین ایک راعی ومرعی ورعایا والا رشتہ بھی ہے اس رشتے کی تین حالتیں ہوتی ہیں

نمبر ایک ...... راعی ہو مگر مالک نہ ہو

نمبر دو ...... مالک ہو اور راعی نہ ہو

نمبر تین ...... مالک بھی ہو اور راعی بھی ہو

امام وقت بیک وقت دو دو رشتے رکھتا ہے یعنی وہ مالک بھی ہوتا ہے اور راعی بھی ہوتا ہے

دوستو آپ نے دیکھا امام علیہ الصلوات و السلام نے عالم خلق کو جانوروں سے مثال دی ہے کہ جیسے جانوروں کا مالک وراعی - یعنی ہمارے اور ان کے مابین ایک جانور اور مالک جیسا تفاوت ہے

جناب جابر بن یزید جعفی ایک مرتبہ اس رشتے کو سمجھنے کیلئے امام صادق آل محمد علیہ الصلوات و السلام کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ آقا آپ یہ فرمائیں کیا جانور بھی اپنے مالک حقیقی پر ایمان رکھتے ہیں؟

امام علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تم جانورں کی ایک منظّم زندگی کا مشاہدہ کرتے ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اپنے مالک کی اطاعت میں مصروف ہیں کیا اطاعت بغیر ایمان کے بھی ہوتی ہے؟

اس نے عرض کی آ قا کیا وہ بھی ماضی قدیم کے انسان کی طرح اپنے مالکِ حقیقی کے صفات پر استدلال کرتے ہیں جیسے قدیم لوگ اللہ جل جلالہ کے جسم کے قائل نہ تھے اسی طرح یہ بھی اس انداز کا استدلال کرتے ہیں؟

فرمایا ماضی کا انسان جب اللہ جل جلالہ کے بارے میں سوچتا تھا تو اس کا انداز کچھ اور ہوتا تھا وہ سوچتا تھا کہ اللہ جل جلالہ پرندوں کی طرح پرواز کر سکتا ہے اور وہ سوچتا تھا کہ اللہ جل جلالہ مچھلی کی طرح پانی میں بھی زندہ رہ سکتا ہے اور اس کے اس انداز میں سوچنے کی وجہ اس کی اپنی عاجزی تھی یعنی وہ نہ تو پرواز کر سکتا تھا اور نہ پانی میں زندہ رہ سکتا تھا اس لئے وہ ان چیزوں کو اللہ جل جلالہ کے صفاتِ ثبوتیہ میں سے سمجھتا تھا مگر یہاں یہ معاملہ نہیں ہے

جناب جابر نے عرض کی کیا ہم مالک کو پہچان سکتے ہیں؟ اور اس کے عرفان کے ہمارے لئے کیا حدود ہیں؟

فرمایا مالک کے بارے میں تمہارے عرفان کی ایسی ہی حد ہے جیسے تمہارے جانور وں کیلئے تمہارے عرفان کی حد ہے۔ اس نے عرض کی مولا اس کی وضاحت فرمائیں میں اسے نہیں سمجھا

امام علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی جانور ہے؟ اس نے عرض کی ہاں میرے مولا میں نے ایک بھیڑ پال رکھی ہے

فرمایا تمہاری بھیڑ تمہیں پہچانتی ہوگی ۔ جب تم بلاتے ہوگے وہ چلی آتی ہوگی ۔ تمہارے ہی ہاتھ سے گھاس کھاتی ہوگی ۔ تم میں اور تمہارے غیر میں فرق بھی محسوس کرتی ہوگی ۔ تمہاری آواز اور تمہارے غیر کی آواز میں بھی فرق سمجھتی ہوگی کیونکہ وہ

تمہاری آواز پر کان اٹھا کر دیکھتی ہوگی جبکہ غیر کی آواز پر نہیں- اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ تم دوسروں سے مختلف ہو- اس نے عرض کی مولا یہ سچ ہے فرمایا اب یہ بتاؤ کہ کیا وہ تمہاری بھیڑ تمہاری ذات اور صفات کا ادراک بھی کرسکتی ہے؟

کیا وہ یہ بھی جانتی ہے کہ تمہارا اس کے بارے میں کیا ارادہ ہے اسے کیوں پال رہے ہو؟ اسے ذبح کرنا چاہتے ہو یا بیچنا چاہتے ہو یا کسی کو بخشنا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کی یہ باتیں تو وہ نہیں جانتی

فرمایا تمہیں معلوم ہونا چاہیے اسے صرف اتنا شعور دیا گیا ہے کہ وہ تمہیں پہچانے کہ تم اور ہو تمہارا غیر اور ہے- اور تمہارے حکم کی تعمیل کرے اس کا شعور یہاں تک ہے کیونکہ وہ تو اپنے بارے میں بھی تمہارے ارادوں کو درک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی بس اسی سے تم اپنے عرفان کی حدود کو سمجھ لو کہ تم اپنے مالک کے عرفان و ادراک کی کتنی صلاحیت رکھتے ہو تم بھی اسے اتنا پہچان سکتے ہو کہ تمہارا مالک اپنے غیر سے مختلف ہے اور اس کی اطاعت کرنا ہے اس سے آگے تمہاری رسائی نہیں ہے نہ تم مالک کی ذات کو سمجھ سکتے ہو اور نہ اس کے صفات تک کا ادراک کرسکتے ہو

فرمایا اب تم یہ بتاؤ کہ کیا تمہاری بھیڑ یہ جانتی ہے کہ تم کب پیدا ہوئے؟ کیا وہ اس گھر کے بارے میں بھی جانتی ہے کہ کب بنا اور کیسے بنا اور کس نے بنایا اور اس میں کونسا میٹیریل(Material) لگایا گیا؟ تم دیکھو وہ ان مسائل سے آگاہ نہ ہونے کے باوجود تمہیں پہچانتی ہے

جناب جابر نے عرض کی مولا میں آپ پر قربان جاؤں مجھ میں اور میری بھیڑ میں یہ فرق ہے کہ وہ مجھے ایک حد تک پہچانتی ہے اور میری حقیقت تک رسائی اور میرے کلی

عرفان کیلئے وہ تڑپ نہیں رہی جبکہ میں تو اپنے مالک کی معرفت کی پیاس میں تڑپ رہا ہوں
فرمایا تمہیں یہ کس نے بتایا ہے کہ وہ تمہاری حقیقی معرفت کیلئے نہیں تڑپ رہی؟ دیکھو جب تم گھر نہیں ہوتے وہ بیقرار ہوتی ہے تمہاری فکر کرتی ہے وہ اپنے وسائل کی حد تک تمہیں پہچاننے کی کوشش کرتی ہے وہ تمہیں سونگھتی ہے، دیکھتی ہے، آواز پہ غور کرتی ہے وہ اپنے سارے حواس کو بروئے کار لا کر تمہیں پہچاننے کی پوری پوری کوشش کرتی ہے مگر اس میں اتنا شعور ہی نہیں ہے کہ تمہیں کلی طور پر پہچان سکے
اس کے بعد فرمایا جب تم اپنی بھیڑ کے ساتھ باتیں کرتے ہو تو ایسی زبان میں کرتے ہو کہ جو اسے سمجھ آ سکے ایک طرح سے تم اس کی ہی زبان میں اس سے مخاطب ہوتے ہو اگر تم اپنی زبان میں بات کرو تو وہ نہیں سمجھ سکتی اسی طرح تمہارا مالک اگر اپنے فہم و ادراک کے مطابق تم سے کلام فرمائے تو تم بھی نہیں سمجھ سکتے
اب اس کلام مقدس سے ہمیں جو نتائج ملتے ہیں ان پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری ہے دوستو اس فرمان سے ایک تو ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم لاکھ کوشش کریں اپنے مالک یعنی اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے صفات اور ذات کا ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ ہمیں جو عقل و شعور عطا ہوئے ہیں وہ اقامت رسم عبودیت کیلئے عطا ہوئے ہیں نہ کہ ادراکِ ربوبیت کیلئے اور ہمیں یہ صلاحیت ہی نہیں دی گئی کہ ہم اپنے مالک کو سمجھ سکیں اس لئے مغز مارنے کی کوشش فضول ہے
نمبر دو
ہر جانور صرف مالک سے انس اور محبت کا مکلّف ہوتا ہے یعنی اس کا فریضہ صرف اتنا

ہے کہ وہ مالک سے مانوس رہے اوراس کے غیر سے غیر مانوس رہے یعنی ہمیں جو دین ملا ہے اس کا مطلب ہمارے لئے یہی تولا وتبرا ہے کہ مالک سے انس اور اس کے غیر سے غیر مانوس رہنا ہی دین ہے

آپ دیکھیں جب اجر رسالت پہ بات آئی تو ارشاد ہوا

لا اسئلکم علیه اجراً الاّ لامؤدۃ فی القربیٰ

یعنی ہمیں اسی بات کا مکلّف کیا گیا ہے پاک خاندان سے مؤدت کرو

نمبر تین

جس طرح جانور اپنے گھر کے بارے میں معلومات نہیں رکھتا اسی طرح ہم بھی اس کائنات کو سمجھنے سے عاجز ہیں اب تو پوری سائنس مان چکی ہے کہ ہم اس کائنات کے بارے میں آہستہ آہستہ یہی کچھ جانتے جارہے ہیں کہ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے

نمبر چار

مالک جب اپنے جانوروں سے بات کرتا ہے تو اپنی زبان استعمال کم کرتا ہے اور جب وہ اپنی زبان استعمال کررہا ہوتا ہے تو اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانور اس کی زبان کو نہیں سمجھ رہا لیکن جب اسے سمجھانے کیلئے کلام کرتا ہے تو وہ ایک اشاراتی زبان استعمال کرتا ہے یا علاماتی اصوات وآوازیں نکالتا ہے جو مختصر سا حکم ہونے کے ساتھ ایک چھوٹی سی اطاعت چاہتا ہے آپ نے سنا ہوگا کہ لوگ جانوروں کو کیسی کیسی آوازیں دیتے ہیں ہمارے علاقے میں کئی آوازیں ہیں جو جانوروں کیلئے مخصوص ہیں اوران کے علیحد علیحدہ نام بھی ہیں مثلاً

گٹکر- یہ جانورں کو چلانے کیلیئے ہوتی ہے

بچکر- یہ جانوروں کو روکنے کیلیئے ہوتی ہے

ڈ ٹا- یہ کتے وغیرہ کو بھگانے کیلیئے ہوتا ہے

چھہہ- یہ جانور کو پانی پلانے کیلیئے کہا جاتا ہے

بپا- یہ دنبے کو ٹکر مارنے کا آرڈر ہوتا ہے

تروور- یہ جانوروں کے اجتماع یعنی ریوڑ کو پانی پینے کا آرڈر ہوتا ہے

ہُش - یہ اونٹ کو بیٹھنے کا حکم ہوتا ہے

تتا تتا- یہ بیلوں کو ہل جوتتے ہوئے تیز چلنے کا حکم ہوتا ہے

گھم رے رے رے- یہ بھینسوں کو پانی میں داخل ہونے کا حکم ہوتا ہے

تو وو تو وو- یہ دور بیٹھے ہوئے کتوں کو جلدی آنے کا حکم ہوتا ہے

کُھرے کُھرے- یہ کتے کو کسی چیز سے دور رہنے کا حکم ہوتا ہے

پیش پیش- یہ بلی کو بلانے کیلیئے استعمال ہوتا ہے

کور کور- یہ کتے کے پلے کو بلانے کیلیئے بولا جاتا ہے

دُھر دُھر- یہ کتے کو اپنے سے دور جانے کا حکم ہوتا ہے

سیٹی بجانا - اور لاتعداد بے ہنگم آوازیں لوگ استعمال کرتے ہیں کہ انسانی زبان میں یا یوں سمجھ لیں انسانی لغت میں جن کے کوئی معنی نہیں لکھے ہوئے ہوتے

اسی طرح مالک پاک کے احکامات میں بھی ہمارے ذہن کے مطابق علاماتی اصوات ہیں ورنہ ان کا مفہوم ان کیلیئے کوئی نہیں ہے یعنی ان احکام اور احادیث میں اور قرآن میں ان کے اپنے لئے کچھ بھی نہیں ہے یہ سب ہماری عقل کے مطابق

صادر ہوا ہے

جانوروں کے درجات

دوستو پالتو جانور Domestic Animal جو ہم پالتے ہیں وہ کئی طرح کے ہوتے ہیں اوران کے پالنے کے وجوہات اور مقاصد بھی مختلف ہوتے ہیں ان کے پالنے کے مقاصد کو سامنے رکھ کر ان میں ادنیٰ اور اعلیٰ کا حکم لگایا جاتا ہے مثلاً

کچھ جانور مادی مفاد کیلیئے پالے جاتے ہیں جیسے گائے بھینس کی طرح کے جانور ہوتے ہیں ان میں سے اعلیٰ وہی ہوتے ہیں جو زیادہ فائدہ مالک کو پہنچائیں

مالک اونٹ گھوڑا پالتا ہے اس سے پیار کرتا ہے ہر قسمی خیال رکھتا ہے اور جب وہی اونٹ اپنے مالک کو نقصان پہنچانے کے درپیئے ہو جاتا ہے تو اسے پھر پٹھانوں کے ہاتھ بیچ دیتا ہے یا وہ اسے نکیل ڈال کر پاؤں باندھ کر اتنا مارتے ہیں کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا ہے اسی طرح جب کوئی انسان اپنے مالک کیلیئے باعث اذیت بنتا ہے تو اسے ظالم لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے

جناب یحییٰ علیہ السلام کے دور میں جب ان کی رعایا نے انہیں شہید کیا تو پھر ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا گیا اور اس نے انہیں چن چن کر قتل کیا

انسان کتے بھی پالتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہ وفادار جانور ہے اس سے وہ حفاظت کا کام بھی لیتا ہے گھر کی حفاظت کام بھی لیتا ہے جانوروں کی حفاظت کام بھی لیتا ہے

جس کتے میں وفاداری کو مالک محسوس کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ میری ذات سے محبت کرتا ہے اور کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تو پھر اس کی نجاست کو بھول

کر اسے پیار کرتا ہے اور جو کتا ہر آنے جانے والے کے سامنے دم ہلائے یا جس کے ہاتھ میں ہڈی دیکھے اسی کے پیچھے چل دے تو اسے سٹریٹ ڈاگ Street dog یا لڈھ کہا جاتا ہے

جو پٹے والا ہوتا ہے اسے حکومت بھی کچھ نہیں کہہ سکتی اور جو بازاری کتا ہوتا ہے اسے میونسپلٹی والے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مارتے ہیں اگر انسان اپنے مالک سے کتے جیسی وفا کرلے تو یہ اس کیلئے معراجِ سعادت ہے جیسے جناب عیسیٰ علیہ السلام نے ایک کتے کی مثال دی تھی اور فرمایا تھا کہ اے انسان تو کتے سے سب سیکھ، کہ جب چور آتا ہے تو کتا اپنی جان کو چور کے حوالے کر دیتا ہے اور وہ کیا کرتا ہے کہ اسے اتنا مارتا ہے کہ ادھ موا کر کے چھوڑ جاتا ہے مگر جب یہ مالک کے پاس آتا ہے تو اسے ہنستا ہوا رخ دکھلاتا ہے اب تو سوچ کہ مالک اسے کیا دیتا ہے؟ چند ہڈیاں بچا ہوا کھانا باسی سالن اور کیا دیتا ہے؟

اب تو اپنے مالک کے احسانات کو بھی شمار کر اور پھر دیکھ کبھی تو نے کسی دکھ کے بعد اپنے مالک کو ہنستا ہوا رخ بھی دیا ہے تو ہمیشہ اپنے مالک سے ناراض رہتا ہے کہ اس نے تمہیں کچھ نہیں دیا

انسان بھیڑوں کی حفاظت کیلئے کتا رکھتا ہے جو مالک کا وفادار ہوتا ہے وہ مالک اپنی مخلوق کو اسی کی دینی حفاظت میں چھوڑ دیتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ اپنے مالک کا کتا بننا بہت مشکل کام بھی ہے اور بہت اونچا مرتبہ بھی ہے کیونکہ جو مالک کا صحیح کتا بنتا ہے مالک اسی کو قلندر کبریا بنا دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

پیشوائے تمام رندانم کہ سگِ کوئے شیر یز دانم

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پیشوائے تمام رندانم کا اعزاز اس در کے سگ بننے ہی سے ملتا ہے

انسان بھیڑ بکریاں پالتا ہے وہ بھولی بھالی اپنی اچھائی برائی سے بے خبر ہوتے ہوئے خود کو بقراط سے بڑھ کر دانا سمجھتی ہیں اور مالک کے معین کردہ حدود سے آزاد ہونے میں اپنی خیر اور خوشی سمجھتی ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مالک انہیں پہلے تو پیار سے واپس لاتا ہے کہ ان حدود سے باہر تمہارے لئے خطرہ ہے تم باہر نہ جاؤ مگر وہ نادان اس پر اصرار کرتی ہیں کہ ہمیں آزادی دے دیں پھر وہ مالک سے نظر بچا کر حدود سے پار جانا چاہتی ہیں تو مالک ان پر لاٹھی استعمال کرتا ہے تاکہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اپنا ہی نقصان نہ کر لیں

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی جانور اپنا نقصان کرنے پر اصرار ہی کرتا ہے تو مالک کو اس سے اتنی دلچسپی کیوں ہوتی ہے اگر کوئی ہلاک ہونے پر تل چکا ہے تو پھر اسے بچانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جانور کا ذاتی نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس کی تلفی بھی مالک ہی کا نقصان ہوتا ہے کیونکہ ملکیت کا نقصان خدانہ کرے دراصل مالک کا نقصان ہوتا ہے اس لئے وہ اسے بچانے کی ہر ممکنہ کوشش کرتا ہے

بعض جانور ایسے ہوتے ہیں جو مالک اپنی تفریح طبع کیلئے رکھتا ہے مگر اس کی تفریح اسی میں ہوتی ہے کہ وہ جانور مالک کو پہچانے اور جیسا وہ پسند کرتا ہے ویسا ثابت ہو مثلاً میں نے ایک طوطا پالا ہوا تھا مجھے یہ بات زیادہ پسند تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ

میرے بولے ہوئے جملے ادا کرے اور میری زیادہ سے زیادہ نقل کرے اور جو طوطا نقل نہیں کرسکتا نالائق سمجھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اصل سے زیادہ نقل پسند ہوتی ہے آپ دیکھیں بعض بچے بڑوں کی نقل کرتے ہیں ان کے جوتے پہن لیتے ہیں تو بہت پیارے لگتے ہیں

مالک نے ہمیں سکھانے کیلئے نمازیں پڑھیں روزے رکھے اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کی نقل کریں اور زیادہ سے زیادہ نقل کرنا انہیں اچھی لگتی ہے

جو جانور مالک سے زیادہ محبت کرتے ہیں وہ مالک کی مستی اختیار کر لیتے ہیں عاشق ہو جاتے ہیں اور وہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ مالک کو آ کر دیتے ہیں میرا ایک تیتر تھا اسے جب کوئی دانہ مل جاتا یا کوئی آدھا کھایا ہو کچا بیر مل جاتا تو وہ فوراً میرے پاس آ جاتا اور اسے میرے قریب رکھ کے ٹک ٹک کرتا کہ آؤ بہترین چیز مل گئی ہے تم بھی کھاؤ - ایک مرتبہ میں کتاب پڑھ رہا تھا اور میرا تیتر پنجرے سے باہر گھوم رہا تھا اچانک اس نے جلدی جلدی ٹک ٹک کی اور فوراً خاموش ہو گیا پھر اس نے ایسا کیا دو تین مرتبہ میں نے غور نہ کیا آ کر دیکھا تو وہ ایک کنکھجورا اٹھائے ہوئے کھڑا تھا اور جب وہ زمین پر رکھ کر مجھے متوجہ کرنا چاہتا تھا تو وہ بھاگنے کی کوشش کرتا تھا اس لئے وہ فوراً اسے اٹھا لیتا تھا

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم جو چیزیں اپنے مالک کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے شایان شان نہیں ہوتیں مگر ہمارا ان کی خدمت میں کچھ پیش کرنا انہیں اچھا لگتا ہے اور اس میں ہماری محبت کا اظہار ہوتا ہے

میرا طوطا جب چوری کھا لیتا تو میں اسے اپنے پاس بلا لیتا تھا اور وہ اکثر ایسا کرتا کہ

جیسے وہ اپنے بچوں کو اپنے پوٹے سے غذا نکال کر کھلاتے ہیں اسی طرح وہ اپنے پوٹے سے غذا نکال کر میرے پاؤں پہ ڈال دیتا تھا

ہماری ساری چیزیں مالک کے سامنے ایسی ہی ہیں لیکن ہماری یہ مجبوری ہے کہ ہم ان کے شایانِ شان کچھ پیش بھی نہیں کر سکتے اس لئے یہی کچھ پیش کرنا اور نہیں تو ان کے التفات کا موجب تو بنے گا

راعی کی ذمہ داریاں

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ راعی کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں؟

() راعی کی پہلی ذمہ داری ہے جانوروں کی حفاظت کرنا اس لئے جب بھی کسی جانور کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنے ہی راعی کو بلاتا ہے مشکل میں اپنے راعی ہی کو بلانا واجب ہوتا ہے

() راعی کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مملوکہ جانوروں کے رزق کا ضامن ہو انہیں رزق دینا اس کی ذمہ داری ہے

آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب جانور اپنے مالک کو دیکھتے ہیں تو اسی سے رزق کی فریاد کرتے ہیں اسی سے رزق مانگتے ہیں یہ نہیں ہے کہ اپنے مالک کا واسطہ دے کر اللہ جل جلالہ سے رزق مانگتے ہیں بلکہ وہ اسی سے مانگتے ہیں اب وہ مالک چاہے اللہ جل جلالہ سے لے یا خود پیدا کرے یا ڈاکہ ڈالے یا کسی اور سے مانگ کر لائے اس نے ان جانوروں کو رزق دینا ہوتا ہے

مگر یہی دو ٹانگوں والا جانور ایسا ہے جو اپنے مالک کا واسطہ دیتا ہے اور رزق اللہ جل جلالہ سے مانگتا ہے حالانکہ جب یہ کسی سے سوال کرتا ہے تو کہتا ہے اللہ جل جلالہ کے

نام پہ ہمیں کچھ دے دیں یہ نہیں کہتا اے اللہ جل جلالہ ہمیں اس مہربان کے صدقے میں کچھ دے دے

ہر سائل انسان کو اللہ جل جلالہ کا واسطہ دیتا ہے اور مانگتا انسان سے ہے مگر مالک کے معاملے میں بھی اسے یہی دستور جاری رکھنا چاہیے تھا کہ اللہ جل جلالہ کا واسطہ دے کر اپنے مالک سے کچھ مانگتا مگر یہاں ساری باتیں بھول کر اللہ جل جلالہ سے رزق مانگتا ہے اور کسی کا واسطہ نہیں دیتا اور جب بہت مجبور ہو جائے تو مالک کا واسطہ دیتا ہے ان باتوں سے لگتا ہے کہ یہ انہیں مالک مانتا ہی نہیں تبھی تو چور دروازے سے مانگتا نظر آتا ہے

() جانوروں کا خیال رکھنا ان کی جملہ ضروریات کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری ہے جانور چارہ خود کاشت نہیں کرتے اپنا مکان خود نہیں بناتے ساری پریشانیاں مالک کی گردن میں ڈال کر مزے سے جگالی کرتے رہتے ہیں

سنہ 410 میں محمدؑ بن محمدؑ بن نعمان یعنی شیخ المفید کے نام جو توقیع مبارک صادر ہوئی میں امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف نے تحریر فرمایا

فانا نحیط با انبائکم و لا یعزب عنا شی من اخبارکم و معرفتنا بالذل الذی اصابکم مذجنح کثیراً منکم

فرمایا ہمیں تمہارے پر درد حالات کی مکمل خبر ہے اور تمہارے احوال میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور جن ذلتوں اور مصائب کا آپ کو سامنا ہے ہمیں سب معلوم ہے

یعنی فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ راعی اپنی رعایا سے کبھی بھی بے خبر نہیں ہوتا اور لفظ نحیط

بتا رہا ہے کہ ان کا علم اخباری نہیں احاطی ہے اسی لئے فرما رہے ہیں کہ ہم تمہاری پوشیدہ باتوں سے محیط ہیں اور بعینہٖ ان مصیبتوں کو محسوس فرما بھی رہے ہیں

( ) راعی کی ایک یہ ذمہ داری بھی ہوتی ہے کہ اسے اپنے آرام وسکون کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ریوڑ میں رہنا ہوتا ہے ہم نے دیکھا ہے کہ کئی راعی گرمیوں کی راتوں میں اپنے ریوڑ میں سوتے ہیں اور وہ ایک اونچے پائیوں والی چارپائی بنا لیتے ہیں تاکہ کوئی جانور اس پر چڑھ نہ جائے یا انہیں چلنے پھرنے میں باڑے میں کوئی تکلیف نہ ہو اس غرض سے وہ اونچی چارپائی بنوا لیتے ہیں رات کا آرام چاہے خراب ہوتا ہے مگر وہ سوتے ریوڑ ہی میں ہیں سردیوں کی راتیں وہ زیرآسمان ایک کمبل میں سو کر گزار لیتے ہیں تاکہ ان کے ریوڑ کو کوئی مشکل درپیش نہ ہو انہیں خطرے سے بروقت بچایا جاسکے

اب خود سوچیں ایک عام آدمی بھی اپنے ریوڑ سے دور نہیں رہتا تو جو امام وقت علیہ الصلوات و السلام ہوتے ہیں وہ کیسے اپنی رعایا سے دور ہو سکتے ہیں؟

یہ بھی ہے کہ ان کی رعایا کسی ایک ملک تک محدود نہیں ہے یا یوں سمجھ لیں کہ کسی ایک زمین تک محدود نہیں بلکہ رعایا پورا عالمِ خلق ہے زمین و آسماں کی مخلوق ان کی رعایا ہے تو وہ اس میں موجود ماننے ہوں گے اب خود سوچیں حاضر و ناظر اور کون ہوتا ہے؟

( ) جب ریوڑ کا کوئی جانور بیمار ہوتا ہے تو رات کی نیند راعی کی حرام ہو جاتی ہے کبھی کوئی اعلاج کرتا ہے کبھی کوئی نسخہ آزماتا ہے جانور پھر بھی سو جاتا ہے مگر راعی کو نیند نہیں آتی

اسی طرح امام علیہ الصلوات و السلام نے جناب رمیلہ سے فرمایا تھا اے رمیلہ دنیا میں

کوئی مومن بیمار نہیں ہوتا مگر نصیب دشمناں تکلیف ہمیں محسوس ہوتی ہے آخر میں اس نے عرض کی کیا آپ حاضرین سے فرما رہے ہیں؟ تو امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا پوری دنیا میں جہاں جہاں بھی کوئی مومن کسی مسئلے میں پریشان ہوتا ہے اس کا دکھ ہمیں ہوتا ہے (کیونکہ یہ راعی جو ہیں)

( ) جو جانور مالک سے پیار کرتے ہیں مالک انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتا ہے اسی لئے فرمان ہے کہ کون ہے جو ہمارا بھائی بننا چاہتا ہے؟ کون ہے جو ہمارا بیٹا بننا چاہتا ہے یعنی وہ ایک وفادار بیٹے کے فرائض ہمارے ساتھ ادا کرلے وہ ہمارا بیٹا ہے

( ) اگر کوئی جانور چوری ہو جائے تو مالک اسے لوٹانے کی ہر صورت کوشش کرتا ہے چاہے اسے تاوان ہی کیوں نہ دینا پڑے وہ عدالت جاتا ہے پنچائیت کا راستہ اختیار کرتا ہے اگر دوسرا کوئی داؤ نہ چلے اور اسے اپنے مال کا علم ہو جائے تو وہاں سے چرا کر یا ڈاکہ ڈال کر بھی لانے کی کوشش کرتا ہے

( ) اگر کوئی دشمن ریوڑ میں سے کسی ایک جانور کو بھی اذیت دیتا ہے یا مار دیتا ہے تو اس کا بدلہ بھی مالک ہی لیتا ہے اور اگر صاحب جبر و قدرت ہو تو جرمانہ بھی وصول کرتا ہے اور ایک کا ایک نہیں بلکہ ایک دو یا تین تا اینکہ کئی دس گنا بھی وصول کرتے ہیں کیونکہ اس نے مال کا نہیں مالک کا نقصان کیا ہے قرآن کریم میں ایک آیت ہے

مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِى الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً

یعنی جس نے اگر کسی شخص کو بغیر کسی وجہ کے شہید کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا ہے

یہ آیت عام انسان کیلئے نہیں ہے کیونکہ اسلام نے جو عام انسانوں کو قانون دیا ہے وہ یہ ہے کہ

يَـا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِيْ الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنثَى بِالأُنثَى

یعنی اے ایمان والو قتل کے بدلے میں تم پر قصاص لازم ہے آزاد کا بدلہ آزاد غلام کا بدلہ غلام عورت کا بدلہ عورت۔مگر جس کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے ان کے بارے میں ارشاد ہے

مَن قُتِلَ مَظْلُوماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَاناً فَلاَ يُسْرِف فِّيْ الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورا

وہ سلطان منصور عجل الله فرجه الشريف ایک ایک کربلائی کے بدلے میں لاکھوں ملاعین کو تہہ تیغ کریں گے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے اس لئے ایک ایک کے بدلے میں اگر پوری دنیا کے سارے انسانوں کو تہہ تیغ کر دیا جائے تو اسراف یا زیادتی شمار نہ ہوگی

حالانکہ عام بدلے میں فرمایا گیا ہے کہ ایک کے بدلے میں ایک ہی کو قتل کرو

فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيم

جس نے ایک بدلے میں ذرا بھر زیادتی کی اس کیلئے عذاب الیم ہے مگر یہاں ایک کے بدلے میں لاکھوں کا قتل بھی اسراف نہیں ہے بلکہ خود خالق فرمائے گا

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّيْنُ لِلّه......(سورہ البقرہ 193)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّيْنُ لِلّه

آپ انہیں اس وقت تک قتل کرتے رہیں جب تک اس فتنۂ ابلیس کا مکمل قلع قمع نہ ہوجائے اور دین پورے کا پورا اللہ جل جلالہ کا رہ جائے

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ

خالق فرمائے گا آپ انہیں فی النار کریں کیونکہ اللہ جل جلالہ انہیں عذاب دینا چاہتا ہے اور ان کے فی النار کرنے میں اللہ جل جلالہ آپ کی نصرت کرے گا اور ان کے تہہ تیغ ہونے سے اللہ جل جلالہ مومنین کے زخمی دلوں کو شفا دینا چاہتا ہے

انتقام کے بارے میں فرمایا گیا ہے ایک ایک کا انتقام کئی طرح سے لیا جائے گا یعنی پہلے پہل ان مومنین کو بلایا جائے گا کہ جو کسی مظلوم سے دلی محبت رکھتے ہوں گے ان مومنین کے سامنے ان مظلومین کے قاتلوں کا لایا جائے گا اور انہیں فرمایا جائے گا کہ آپ اس سے انتقام لیں اور اپنے دل کی حسرت نکال لیں

اس کے بعد خود ان مظلومین کے سامنے ایک ایک ظالم کو لایا جائے گا اور ان سے فرمایا جائے گا کہ آپ اپنا انتقام لیں وہ جی بھر کے انتقام لیں گے

اس کے بعد شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف خود انتقام لیں گے اور وہ انتقام اللہ جل جلالہ کا عذاب الیم ہوگا اور وہ سلسلۂ انتقام کافی لمبا ہوگا اس کے بعد ظالمین کو ابدی جہنم میں ڈال دیا جائے گا جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے اور وہاں کا جو عذاب ہے اس کے بارے میں ہے کہ جہاں انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہاں ان پر ملکوتِ عذاب متعین ہوں گے اور جب ظالمین وہاں فریاد کریں گے تو ان پر مؤکل جو فرشتہ ہوگا وہ ان کی پہلی فریاد کا جواب ایک ہزار سال کے بعد دے گا اور صرف اتنا کہے گا

کہ میں نے سن لیا صبر کرو

یعنی وہاں کسی کی فریاد پر کوئی کان دھرنے والا بھی نہ ہوگا

ہماری تو یہ دعا ہے کہ خالق وہ روز سعید جلدی دکھائے جب سارے مومنین کے خون ناحق کا بدلہ لیا جائے اور ان کے بدلے میں ایک ایک ظالم کو لاکھ لاکھ مرتبہ فی النار کیا جائے اور پھر انہیں ابدی جہنم میں جھونک دیا جائے اور یہ مناظر دیکھ کر کائنات کے جملہ مومنین کے دل ٹھنڈے ہوں ان کی آنکھیں فرحت پائیں ان کے جگر مسرور ہوں کیونکہ بدلہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اسلام دینِ فطرت ہے اس لئے اولین وآخرین کے بدلے کے قیام کے ساتھ ہی ایک کامل مسرت کا حصول ہوسکتا ہے اور اللہ جل جلالہ کرے سارے مومنین کو یہ ابدی اور کامل خوشی جلدی نصیب ہو

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے اربابِ عشق و عرفان

میں نے اپنے سابقہ خطاب میں آپ کے سامنے اپنے شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ میں سے اسم مبارک منتقم عجل الله فرجه الشريف کے بارے میں کچھ عرض کیا تھا اب کاروانِ عرفان کو ہم ایک اور منزل کی طرف لے کر چلتے ہیں جیسا کہ میں نے سابقہ تقریر میں ایک حدیث بیان کی تھی آج بھی اسی کو دوبارہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں واقعہ میں پہلے بھی پیش کر چکا ہوں یہاں صرف اس کا اشارہ کروں گا کہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری سلام الله عليه نے راعیِ رسول اللہ صلى الله عليه و آلهٖ وسلم سے روایت کی تھی کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ

(1) سمعت ليلاً اسرىٰ بى الى السماء قال العزيز جل شانه (آمن الرسول بما انزل اليه من ربه)

اتحب ان تراهم قلت نعم یا رب فقال التفت عن یمین العرش فالتفت فاذا انا بعلیؑ و سیدهؑ و الحسنؑ و المهدیؑ علیهم الصلوات و السلام فی ضحضاح من نور قیام یصلون المهدیؑ عجل الله فرجه فی وسطهم کانه کوکب دری فقال یا محمد صلی الله علیه و آلہٖ وسلم هولاء الحجج () و هذا الثائر من عترتك یا محمد صلی الله علیه و آلہٖ وسلم و عزتی و جلالی انه الحجة الواجبة لاولیائی و المنتقم من اعدائی ......(غیبة الشیخ 95)

جب ہم شب اسریٰ خلوت عرش میں رونق افروز ہوئے تو خالق نے فرمایا کہ کیا آپ اپنے اولیاء اعظام واطہار کی زیارت کرنا پسند فرمائیں گے؟ تو ہم نے عرض کی خالق ضرور ان کی زیارت کر کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے ارشاد ہوا کہ عرش کے دائیں طرف نگاہ فرمائیں جب ہم نے نگاہ فرمائی تو اپنے اوصیائے اطہار کی زیارت کی اس پر ہمیں فرمایا گیا یہ سارے جناب آپ کے اوصیا ہیں اور جو جناب درمیان میں ایستادہ ہیں یہ

ھذا الثائر من عترتك یا محمد صلی الله علیك و آلك وسلم و عزتی و جلالی انه الحجة الواجبة لاولیائی و المنتقم من اعدائی (غیبة الشیخ 95)

یہ آپ کی عترت طاہرہ علیھم الصلوات و السلام کے ثائر ہیں اور ہمیں اپنی عزت وجلال کی قسم کہ ہمارے دشمنوں سے انتقام لینے والے بھی یہی جناب ہیں

آپ کا یہ نام پاک صرف ایک حدیث میں منقول نہیں ہے بلکہ کئی ادعیہ اور روایات میں آپ کو اس اسم سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ آپ کے جو صلوات و زیارات پڑھے جاتے ہیں ان میں یہ فقرہ ہمیں بارہا ملتا ہے

اللهم صل علی محمد حجتك فی ارضك و خلیفتك فی بلادك و الداعی الیٰ سبیلك و القائم بقسطك و الثائر بامرك ولی المومنین و بوار الکافرین

ہم اس طرح صلوات پڑھتے ہیں کہ اے اللہ جل جلالہ تو اس شہنشاہ پر صلوات پڑھ جو تمہاری طرف سے تمہاری ہی زمین پر حجت ہیں اور تمہارے شہروں میں تمہارے خلیفہ ہیں اور تمہارے راستے کی طرف بلانے والے ہیں اور تمہارے قسط کو قائم فرمانے والے ہیں اور تمہارے امر کے ثائر ہیں اور مومنین کے ولی ہیں اور کفار کیلئے ہلاکت ابدی ہیں- اس میں بھی اسم ثائر عجل الله فرجه الشریف استعمال ہوا ہے

اس صلوات کے رازوں پہ روشنی ڈالنے کا یہ موقعہ نہیں ہے ورنہ ضرور عرض کرتا کہ حجت کے معنی کیا ہیں بلاد و قریٰ کا لفظ کن کن چیزوں کے بارے میں لایا جاتا ہے اور سبیل اللہ سے مراد کیا ہے اور قسط کے معنی کیا ہیں اور وہ کس طرح اس کے امر کے ثائر ہو سکتے ہیں کیونکہ ثائر ہمیشہ خون کا بدلہ لینے والے کو کہا جاتا ہے

ایک اور زیارت میں ہم پڑھتے ہیں

اشهد انك ولیك و ابن ولیك و صفیك الثائرؑ بحقك اکرمته بکرامتك

یعنی ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ جناب تمہارے ولی ہیں اور تمہارے ولی کے لخت جگر و نور نظر ہیں اور تمہارے صفی ہیں اور تمہارے حق کے ثائر ہیں

لفظ منتقم کے بارے میں اس سے قبل کچھ نہ کچھ عرض کر چکا ہوں مگر یہاں لفظ "ثائر" کے بارے میں کچھ عرض کرنا لازم ہے کیونکہ عام طور پر ثائر اور منتقم میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا اس لئے اس کی وضاحت کرنا لازم ہے

صاحبانِ لغت ماہرینِ السنہ کا کہنا ہے کہ ثائر کا مادہ ثـار یثـور ہے جس کے معنی ہیں کسی مقتول کے خون کے بدلے میں قاتل کا خون بہانے والا یا اس کے خون کے بدلے میں قاتل کے خون کا طلبگار

ثائر اور منتقم میں ایک فرق یہ بھی ہوتا ہے کہ منتقم ہر چیز کے بدلے کا طالب ہوتا ہے یعنی ہتک حرمت سے لے کر قتل تک مگر ثائر کا تعلق صرف خون اور قتل سے ہوتا ہے

اب یہاں ثار اور قصاص میں ایک مناسبت لگنا شروع ہو جاتی ہے یعنی کوئی یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ اللہ جل جلاله نے فرمایا ہے کہ لکم فی القصاص حیوٰۃ قصاص ضرور لو کیونکہ اس میں تمہارے لئے زندگی ہے اور اسی لئے قصاص کو واجب مشروط کا درجہ حاصل ہے جیسا کہ روزے کو حاصل ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ قصاص کو فروعات کا تصور وضع کرنے والوں نے فروعات دین میں داخل نہیں کیا ورنہ اس کیلئے بھی وہی الفاظ صادر ہوئے ہیں جو روزے کیلئے صادر ہوئے ہیں کیونکہ وہاں بھی یہی فرمایا گیا ہے

یا ایہا لذین آمنوا کتب علیکم ا لصیام

اسی طرح کے الفاظ جہاد کیلئے لائے گئے تو اسے داخل فروعات کر دیا گیا

امر بـالـمعروف ا و ر نھی عن المنکر کو تو عباسیوں کے دور میں دیگر فرقوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد کیلئے داخل کیا اور اس طرح وہ ہمارے فروعات میں بھی جگہ پا گئے اور زکواۃ کو فروع کا درجہ پہلے خلیفہ کے زمانے میں ملا اور اسے بھی اپنے مخالفین کے خاتمے کیلئے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا اور مالک بن نویرہ اور متمم بن نویرہ کے خاندان کا قتل عام کیا گیا اور اس طرح اسے بھی ہمارے

فروعات میں جگہ مل گئی مگر قصاص کو جگہ نہ مل سکی کیونکہ فروعات وضع فرمانے والوں کے سامنے فروعات وضع کرنے کا کوئی کلیہ موجود نہ تھا بلکہ دیکھا دیکھی میں اصول و فروع وضع کردئے گئے یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ اصول یا فروع کیسے اور کن مصلحتوں کے تحت اہم سمجھ کر داخلِ اختصاص کئے گئے اور اس سے قرآن کریم پر جو منفی اثرات مرتب ہوئے ان کا یہاں بیان کرنا باعث طوالتِ بیان ہوگا بس یوں سمجھ لیں اس فروعات کے تصور سے باقی احکامِ الٰہی کو نمبر دو کا درجہ مل گیا یعنی جو فروعات میں داخل ہوگئے وہی نمبر ایک احکام قرار پائے اور باقی غیر اہم ہوگئے

چلو اس بات کو پھر کبھی چھیڑیں گے اب یہاں میں یہ گذارش کرر ہا تھا کہ قصاص کے بارے میں اللہ جل جلالہ نے فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَى بِالْأُنثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ......(سورہ البقرہ 178)

اے ایمان والو آپ پر قصاص واجب کردیا گیا ہے کہ قتل کا قصاص لو آزاد کے بدلے میں آزاد غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت - ہاں اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی کو اس میں سے کچھ معاف فرمادے تو گویا اس نے معروف کی اتباع کی ہے اور اس میں احسان کی ادا ہے اور اللہ جل جلالہ کی طرف سے تمہارے لئے تخفیف ہے اور رحمت ہے اور اس کے بعد بھی کوئی حد سے تجاوز کرے گا تو اس کیلئے عذاب الیم ہے

دوستو قصاص اور ثار میں کئی طرح سے فرق ہے

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ قصاص کا قانون صرف مومنین کے صالح معاشرے کی تشکیل کیلئے وضع ہوا ہے اور مومنین کا قصاص مومن لے سکتا ہے یہ بین المومنین و مسلمین کے مظالم کا قانون ہے اور قانون قصاص کسی کافر و مشرک اور مومن کے مابین اپلائی (Apply) نہیں کرتا کیونکہ جب کسی مومن کے ہاتھوں کوئی کافر بلا وجہ مارا جائے تو اس کی دیت تو ہوسکتی ہے قصاص نہیں ہوتا یہ قانون صرف مومنین و مسلمین کے مابین کے معاملات پر اپلائی (Apply) کرتا ہے

() قصاص اور ثار میں ایک اور فرق یہ ہے کہ قصاص جملہ اعضاو جوارح کا ہوسکتا ہے یعنی اگر کوئی کسی کا کان کاٹ لے تو اس کا قصاص 500 دینار مقرر ہے اور اگر جبین یا ابرو کا ایک بال بھی زیادتی کے خیال سے توڑا جائے تو اس کی سزا بھی ایک درہم مقرر ہے مگر ثار ہمیشہ قتل ہی سے مخصوص ہوتا ہے

() قصاص اور ثار میں یہ بھی فرق ہے کہ قصاص بچوں کے معاملے میں لاگو نہیں ہوتا کیونکہ ان کے عقل و شعور کو دیکھتے ہوئے ان کا کیا ہوا قتل بھی قتل خطا شمار ہوتا ہے مگر ثار کی زد سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا ثائر دشمن کی نسل بھی ختم کرسکتا ہے

() قصاص میں ایک کے بدلے ایک ہوتا ہے اور معاونِ ظلم کو حد لگائی جاتی ہے یعنی قاتل کے معاون کو صرف ایک ضرب لگانا جائز ہے جبکہ ثار میں معاون اور خاذل (یعنی جو قتل ہوتا دیکھتا رہے اور بچانے کی پوزیشن میں ہوتے ہوئے بھی نہ بچائے) کو بھی قاتل کے برابر سزا دینا جائز ہے کیونکہ فرمان ہے کہ الخاذل اخی القاتل یعنی خاذل جو قتل ہوتے دیکھتا ہے اور چھوڑ کر چلا جاتا ہے وہ قاتل کا بھائی اور شریک

قتل ہے

() قصاص ہمیشہ حاکم شرعی کے ہاتھوں عمل میں آتا ہے جیسا کہ حکم ہے کہ اگر کوئی ایسے جرم کا مجرم ہو کہ جس کی سزا رجم ہے تو اسے رجم کرنے کیلیئے پہلا پتھر امام وقت کے علاوہ کوئی نہ مارے ورنہ یہ قتل غیر شرعی ہوگا مگر ثار کیلیئے حاکم شرعی یا کسی شرعی عدالت کی ضرورت نہیں ہوتی مظلوم کے وارث کو کسی سے فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ کسی عدالت کی طرف رجوع کرنے ضرورت ہوتی ہے

ثار کے معنی میں جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ "ثار" اس غبار کو کہتے ہیں کہ جس میں کچھ نظر نہ آئے چاہے وہ غبار گرد کا ہو یا بادلوں کا ہو یا دل کا غبار ہو یعنی ایسا غبار جو دیکھنے کی صلاحیت باقی نہ رکھے

ثورت پانی کی کدورت کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پانی میں کچھ نظر نہ آئے

اس لئے ثائر کی تعریف یہ ہوئی ہے کہ "ثائر وہ ہوتا ہے کہ جو قتل کے بدلے میں قتل کے علاوہ کسی چیز پر راضی نہ ہو جب تک اپنے ہاتھ سے قتل کا بدلہ نہ لے اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے"

یہ تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ ثائر ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا اسم مبارک ہے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کس کس کے ثائر ہیں اور کس کس کے منتقم ہیں اللہ جل جلالہ نے فرمایا تھا کہ یہ آپ کی عترتِ طاہرہ صلوات اللہ علیہم اجمعین کے ثائر اور مجھ اللہ کے دشمنوں سے انتقام لینے والے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ساری عترت طاہرہ کے خون کا بدلہ خود اپنے ہاتھوں سے لیں گے مگر بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ ہم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت

کا ایک فقرہ دیکھتے ہیں اس میں فرمایا گیا ہے کہ

السلام علیك یا طالب ثار الانبیاء و ابناء الانبیاء وا لثائر بدم المقتول بکربلا علیه الصلوات و السلام

ہمارا آپ پر سلام ہو اے انبیا اور ان کی اولاد کے خون کا بدلہ لینے والے ہمارا آپ پر سلام ہو اے اس مظلوم کا بدلہ لینے والے جنہیں کربلا کی سرزمین پر شہید کر دیا گیا

حقیقت یہ ہے کہ جناب ہابیل علیہ السلام کے قتل سے لے کر جناب سید نفس ذکیہ تک جتنے خون ناحق ہیں وہ اس انتظار میں رکھے ہوئے ہیں کہ ہمارا ثائر الباثر عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائیں اور وہی آکر سب کا بدلہ لیں

روز میثاق یہ طے پایا تھا کہ خون کا بدلہ فوراً نہیں لیا جائے گا اور اس دن جب منصب تقسیم ہو رہے تھے تو اللہ جل جلالہ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ ہماری طرف سے جتنے بھی مقتول ہوں گے ان کا انتقام اور بدلہ ایک شہنشاہ لیں گے

حضرت اسماعیل علیہ السلام صادقِ وعدا پنے وقت کے نبی تھے بعض کہتے ہیں کہ نبی نہیں تھے وصی تھے ان کا مشہور واقعہ ہے کہ جب امت نے ان پر مظالم کی انتہا کر دی تو دورانِ ظلم جب ان پر اضطراری کیفیت طاری تھی تو اس وقت ان کی خدمت میں جناب جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا آپ کا حبیب فرما رہا ہے اگر آپ چاہیں تو اسی وقت آپ کا انتقام لیا جائے گا اور اگر آپ چاہیں تو سارے انبیا اور اولاد انبیا علیہم السلام کے منتقم حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف کو آپ کا انتقام بھی سونپ دیا جائے؟

انہوں نے فرمایا مجھے اس جناب کا تعارف تو ہے مگر انتقام کے بارے ذرا سی تفصیل

آپ سے سننا چاہتا ہوں جناب جبریل علیہ السلام نے واقعہ کربلا بیان کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ وہ ان کا بھی انتقام اور بدلہ لیں گے یہ سن کر جناب اسماعیل علیہ السلام صادق وعد فرماتے ہیں کہ میں اب بدلہ لے کر کیا کروں گا جب شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کا اور ان کے پاک خاندان علیهم الصلوات و السلام کا بدلہ لیا جائے تو میرا بھی اسی دن انتقام اور بدلہ لیا جائے

اسی طرح بنی اسرائیل نے ایک ایک دن میں ستر ستر نبی شہید کیئے مگر کسی کا بدلہ اور انتقام نہ لیا گیا اسی طرح دیگر انبیا اور ان کے اسباط جو شہید ہوئے ان سب کے بہائے ہوئے ناحق خون آج تک تشنۂ انتقام پڑے ہیں اگر کسی نے بدلہ لینا ہے تو وہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجه الشریف ہیں

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر نبی کے قتل کے بعد امت معذب ہوئی ہے ان پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آئی ہے مثلاً جناب یحییٰ علیہ السلام کو جب شہید کیا گیا تھا تو ان کا خون ایک کنویں میں ڈالا گیا اور اس خون نے کنویں میں ایسا جوش مارا کہ اس سے باہر آ گیا اس کے اوپر مٹی ڈالی گئی مگر ہر مرتبہ خون ناحق جب جوش مارتا تھا تو اس پر مٹی ڈالی جاتی تھی اور یہ سلسلہ جاری رہا تا اینکہ اس کنویں کی جگہ پر مٹی کا ایک ٹیلہ بن گیا اور اس ٹیلے کی چوٹی سے ان کا خون جوش مار مار کر نکلتا تھا اور وہ جوش باقی رہا تا اینکہ اس قوم پر بُخت نصر کو مسلط کیا گیا اور اس نے ایک ایک کو چن چن کر ختم کیا مگر وہ خون جاری رہا تا اینکہ اس ملعونہ عورت کو پکڑا گیا اور اس کا سر قلم کر کے جب اس ٹیلے کی چوٹی سے کئی بار ٹکرایا گیا تب جا کر خون کا جوش ختم ہوا تو اس واقعے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا انتقام نہیں ہوا

اس کے دو جواب ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ شہدائے کربلا خصوصاً امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام کا بظاہر انتقام و بدلہ لیا جا چکا ہے کیونکہ جناب مختار ثقفی سلام اللہ علیہ نے ہزاروں ملاعین کو فی النار کیا عمر سعد ملعون بھی مارا گیا ابن زیاد بھی فی النار ہوا شمر ذی الجوشن ملعون کو بڑی سی دیگ میں ڈال کر روسٹ کیا گیا اسی طرح ہزاروں لوگ جہنم رسید ہوئے مگر ان کے بعد کے سارے آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام فرماتے ہیں ان کا انتقام اور بدلہ نہیں لیا گیا اور ان کا خونِ ناحق تشنۂ انتقام پڑا ہوا ہے اور یہ ساری دنیا مشاہدہ کر رہی ہے کہ جناب یحییٰ علیہ السلام کی طرح امام مظلوم کا خون اطہر بھی آج تک عزاداروں کی پشتوں اور سینوں اور سروں سے ابل رہا ہے کیونکہ ہر مومن کے دل میں ایک مظلوم کی مزار ہے اور خون اسی سے ابلتا ہے نہ کہ عزاداروں کے جسموں سے ابلتا ہے اور یہ واضح ثبوت ہے کہ ان کا بدلہ اور انتقام ابھی باقی ہے اسی طرح جتنے انبیا و ابنائے انبیا علیہم السلام شہید ہوئے ہیں ان کے بعد ایک مصیبت اس قوم پر ضرور نازل ہوئی ہے مگر وہ تو ایک کائناتی ردعمل تھا یا مکافات عمل کا حصہ تھا یا ان کے عمل کا ردعمل تھا انتقام اور بدلہ نہ تھا

ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ کسی انسان کے باپ کو کوئی پاگل کتا کاٹ لے اور وہ مر جائے اور وہ باولہ کتا سڑک پہ دوڑتے ہوئے کسی ٹرک کے نیچے آ جائے اور یہ اطلاع اس شخص کو دی جائے کہ جس کا باپ اس کتے کے کاٹنے سے مرا تھا تو کیا وہ اس کتے کی موت کو باپ کا انتقام اور بدلہ سمجھ سکتا ہے؟ کیا کوئی سے کہہ سکتا ہے کہ دیکھو اب رونا دھونا بند کرو کیونکہ تمہارے باپ کو کاٹنے والا کتا مر گیا ہے تو کیا وہ اس خبر کو خوش خبری قرار بھی دے گا؟

جو ظالمین فی النار ہوئے وہ باولے کتے کی طرح اپنی موت آپ مرے ہیں ان سے انتقام اور بدلے کا عمل شروع نہیں ہوا دیکھئے جب ابن ملجم ملعون نے امام علیہ الصلوات و السلام کو شہید کیا تو آپ نے اسے مہمان رکھا پھر جب روزِ وصال آیا تو فرمایا اس ملعون ازل کو صرف ایک ضرب لگانا

جب آپ دار بقا کو تشریف لے گئے تو پھر اس ملعون کو امام حسن علیہ الصلوات و السلام نے ایک ضرب لگائی اور اس کی گردن اڑا دی اس کے بعد جناب محمد حنفیہ اور دیگر اصحاب خاص نے اس کی لاش کو ایک کھال میں بند کر کے اس پر گھوڑے دوڑائے اور پھر اسے جلا دیا گیا اور اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا یہ سب کچھ تو ہوا کیا انتقام اور بدلہ بھی ہوا یا نہیں؟

سرائیکی کی ایک ضرب المثل ہے کہ (سؤر مویا ٹانڈے بھن کے) یعنی خنزیر مرا تو کھیتی اجاڑ کے یعنی اس ملعون نے جو نقصان کرنا تھا وہ تو کر لیا اب وہ لاکھ بار فی النار کیا جائے تو کیا ان کا بدلہ ہو سکتا ہے؟

جب ہم مختلف زیارات و ادعیہ کی تلاوت کرتے ہیں تو ہمیں ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسم ثائر کی کئی حالتیں نظر آتی ہیں کہیں یہ فرمایا جاتا ہے

ولقائم بقسطك والثائر بامرك یعنی ان پر صلوات وسلام ہوں جو تمہارے قسط کو قائم فرمانے والے ہیں اور جو تمہارے امر کے ثائر ہیں دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو تمہارے امر سے ثائر ہیں یعنی خون کا بدلہ لینے والے ہیں

کیونکہ یہ خود صاحب الامر عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں انہیں کسی امر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ شئنا شاء اللہ کے مصداق ہیں اللہ جل جلالہ کے ارادوں کی منزل ہیں ان

کا فعل ہی اللہ جل جلالہ کا فعل ہے اس لئے انہیں اجازت کی ضرورت نہیں ہے یہ ایک کلیہ ہے جہاں وحدت ارادی پائی جائے وہاں اذن واجازت کا عمل ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ اعضا و جوارح اور روح کے مابین وحدت ارادی پائی جاتی ہے تو کبھی ہاتھوں نے روح سے اذن واجازت کی درخواست نہیں کی اور نہ ہی کر سکتے ہیں بلکہ ان کا کام خود روح کے ارادوں کے ماتحت ہوتا ہے تو اجازت کیسی؟ اسی طرح انہیں اجازت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس فقرے کے اولیں معنی سے لینا ہوں گے یعنی یہ امر الٰہی کے خون کا بدلہ لینے والے ہیں

دیکھئے قرآن کریم میں ہے و له الخلق و له الامر یعنی عالم خلق بھی اللہ جل جلالہ کیلئے ہے اور عالم امر بھی اسی کیلئے ہے اسی سے ثابت کیا جاتا ہے کہ اس دنیا میں کئی چیزیں ایسی ہیں جو خلقی مخلوق ہیں اور کئی چیزیں ایسی ہیں جو امری مخلوق ہیں جو کُن سے پیدا ہوئی ہیں کیونکہ کُن فعل امر ہے اس لئے کُن سے پیدا ہونے والی مخلوق امری مخلوق کہلاتی ہے اب ہم جب مقتولین کی نوعیت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جو شہدا و مقتولین ہیں ان میں سے کئی خون خلق کے ہیں اور کئی خون امر کے ہیں جو بشر راہ حق میں شہید ہوئے ہیں ان کا خون خونِ خلق ہے اور جو انبیا علیھم السلام کا خون بہایا گیا ہے وہ خون خونِ امر ہے

ان کی ذات کے بارے میں ہے والثائر بامرك اللہ جل جلالہ جو تمہارے عالم امر کے خون کے بھی ثائر ہیں ان کا بدلہ بھی انہوں نے لینا ہے اور ایک ایک ظالم کو انہوں نے تہہ تیغ کرنا ہے

اسی طرح اسم مبارک ثائر عجل اللہ فرجہ الشریف ایک اور حالت میں بھی آیا ہے وہ فقرہ

ہے

الثا ر بحقك یعنی جوشہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف تمہارے حق کے قتل کا بدلہ لینے والے ہیں

دوستو جو Right and Wrong کا سلسلہ ہے اس کی ترتیب یہ ہے کہ انسان کی فعلیت تین طرح سے ہوتی ہے (1) عملی (2) قولی (3) فکری یعنی انسان جو عمل کرتا ہے وہ صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی ہوسکتا ہے اسی طرح انسان جو بات زبان سے کرتا ہے وہ صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی ہوسکتی ہے اسی طرح جو تفکر کرتا ہے یا سوچتا ہے اس کی وہ سوچ اور فکر درست بھی ہوسکتی ہے اور نا درست بھی ہوسکتی ہے

اب اس کیلئے عربی میں علیحدہ علیحدہ الفاظ موجود ہیں اب پہلی حالت تھی عملی اب عمل اگر درست اور صحیح ہو تو اسے خیر کہتے ہیں اور اگر عمل نا درست ہو تو اسے شر کہا جاتا ہے اسی طرح اگر قول درست ہو تو اسے صدق کہا جاتا ہے اور قول نا درست ہو تو اسے کذب کہا جاتا ہے اور اگر فکر و نظریہ درست ہو تو اسے حق کہا جاتا ہے اور اگر فکر ونظریہ نا درست ہو تو اسے باطل کہا جاتا ہے

آپ کربلا کے میدان میں دیکھیں وہاں ایک جنگ ہو رہی ہے وہاں تاریخ کا ایک خونیں باب لکھا جا رہا ہے دیکھنے میں وہاں ایک جنگ ہو رہی ہے مگر حقیقت میں وہاں ایک نہیں بلکہ تین جنگیں ہو رہی ہیں قولی طور پر کذب (جھوٹ) صدق (سچ) پر حملہ آور ہو رہا تھا عملی طور پر شر اپنے ابلیسی لشکر سمیت خیرِ مطلق کا خون بہانے میں مصروف تھا اور فکری طور پر باطل ہی تھا جو حق کو شہید کر رہا تھا یہ کوئی عام جنگ نہیں تھی بلکہ یہ وہ جنگ تھی جس کے بارے علامہ اقبال فرماتے ہیں

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ؐ سے شرارِ بولہبی

یہ حق و باطل کا فیصلہ کن معرکہ تھا حق اپنے خون سے الوہیت کے طوبیٰ کو سینچ رہا تھا اس سے قبل فتح و شکست کا جو تصور تھا وہ جسموں تک محدود تھا یعنی جس نے ظاہراً میدان میں دوسرے کے جسم کو زیر کر لیا وہی فاتح تصور کیا جاتا تھا اور یہی غلط فہمی یزیدی ملعونوں کو بھی ہوئی تھی کہ شاید ہم فاتح ہیں مگر حق نے ایک اور پینترا دکھایا جس سے باطل دھوکہ کھا گیا اور اس نے میدان میں فتح کا جشن منانا شروع کر دیا مگر فاتح عالمین نے اس کی اس غلط فہمی کو بہت جلد رفع کر دیا کہ بظاہر شکست کھا کر بھی جنگ جیتی جا سکتی ہے جان دے کر بھی فتح حاصل کی جا سکتی ہے ظاہراً پوری طرح لٹ کر اور ذات حق میں پوری طرح فنا ہو کر بھی فاتح بنا جا سکتا ہے

اس جنگ میں فتح تو حق کی ہوئی مگر ظاہراً جو حق اللہ کا خون بہایا گیا کیا اس کا بدلہ نہیں ہونا چاہیے اور اگر اس خونِ حق کا بدلہ ہونا ابھی باقی ہے تو پھر اس کا ثائر و منتقم کون ہے؟ اسی بات سے ہمیں آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام نے آگاہ فرمایا کہ جب تم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف پر صلوات بھیجو تو اس طرح کہو اے اللہ تو صلوات پڑھ اس ذات پر کہ جو ثائر بحقك کی مصداق ہے کہ جس نے حق کا انتقام لینا ہے اور حق کے خون ناحق کا بدلہ اپنے صاحبِ قدرت ہاتھوں سے لینا ہے یہاں حق سے مراد وہ سارے مظلوم ہیں کہ جنھوں نے اپنی جانیں دے کر وحدت کا تحفظ کیا اسی لئے تو سارے شہداء علیہم السلام کی زیارت ہم پڑھتے ہیں

السلام علیك یا ذابون عن توحید الله

یعنی ہمارا تم پر سلام ہو اے اللہ جل جلالہ کی توحید کے محافظو

اب دیکھیں ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف صرف ثائر ہی نہیں ہیں بلکہ مومنین کو ان سے خطاب کرنے کا جو طریقہ عطا فرمایا گیا ہے اس میں یہ اقرار بھی شامل ہے کہ ہم ان جناب سے مخاطب ہو کر اقرار کریں

اشهد انك ثار الله فی الارض

یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صرف ثائر ہی نہیں اللہ جل جلالہ کے ثار ہیں یعنی آپ منتقم ہی نہیں بلکہ اللہ جل جلالہ کے انتقام ہیں یہاں یہ ان کا مرتبہ موصوف کا نہیں بلکہ عین صفت کا ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے

انا ثائر لاولیائی یوم القیامۃ

یعنی میں قیامت کے دن اپنے اولیا کا بدلہ لینے والا ہوں ان کے خونِ ناحق کا خود اپنے ہاتھوں سے انتقام لوں گا یہاں قیامت سے مراد ایک عمومی ہے اور ایک خصوصی ہے عموم میں روز قیامت مراد ہے اور خصوصاً یہ بات قیامِ قائم آل محمدؐ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں ہے

یعنی اس دن اللہ جل جلالہ اپنے اولیا کا انتقام لے گا کیونکہ وہ اللہ جل جلالہ بھی ثائر ہے اور اس کی صفت ثار کے مظہر ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں اس لئے ہمیں گواہی دینا پڑتی ہے کہ آپ اللہ جل جلالہ کے ثار مطلق ہیں اور اپنے اجداد طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے ثائر ہیں

میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ انتقام اور ثار میں یہ بھی فرق ہے کہ انتقام کسی دوسرے کے ذریعے بھی لیا جا سکتا ہے مگر ثار اپنے ہاتھوں سے لیا جاتا ہے جیسا کہ

جناب مختار ثقفی سلام اللہ علیہ کے دور میں لشکر توابین کا شعار Slogan تھا

یا لثارت الحسین علیہ الصلوات و السلام

یعنی اس میں ان لوگوں کو بلایا گیا تھا کہ جو اپنے ہاتھوں سے دشمن کی گردن اڑانا چاہتے تھے دشمن سے خود بدلہ لینا چاہتے تھے

اسی سے پتہ چلا کہ آپ ثائر بھی ہیں اور ثار اللہ بھی ہیں موصوف ہیں صفت بھی ہیں فاعل بھی ہیں اور عین فعل بھی ہیں

امام صادق آلِ محمدؐ علیہ الصلوات و السلام اللہ کی صداقت کے وارثِ کلی فرماتے ہیں جب کربلا میں صدق وحقِ توحید کا سر اطہر جدا ہوا اس وقت کربلا میں ایک قیامت کا منظر تھا

نادمناد من بطنان العرش الا یا ایتھا الامۃ المتحیرۃ الضالۃ بعد نبیھا لا وفقکم اللہ الاضحی و لا لفطر

اس وقت ایک منادی نے صدرِ عرش سے ندا دی او اپنے نبیؐ کے بعد متحیرہ و گمراہ امت اللہ جل جلالہ تمہیں نہ ہی عید الاضحیٰ پر موفق فرمائے گا اور نہ ہی تمہیں عید الفطر نصیب ہوگی امام علیہ الصلوات والسلام فرماتے ہیں

فلاجرم و اللہ ما وفقوا ولا یوفقون حتیٰ یثار ثائر الحسین علیہ الصلوات و السلام

فرمایا جب تک ہمارے جد اطہر کا انتقام نہ لیا جائے گا اللہ جل جلالہ کی قسم یہ امت اس وقت کبھی بھی عیدین کو نہ پائے گی ان سے عیدیں چھین لی گئی ہیں

فرمایا اس کے بعد زمین پہ ایک ندا دی گئی اور منادی ہوئی

هيهات هيهات مالكم الالسيف ياتيكم الحسينیؑ الثائر فيحصدكم حصدا

فرمایا افسوس ہے افسوس ہے تمہارے انجام پر کہ اب تمہارے لئے تلوار کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہا اب تو ان مظلوموں کا بدلہ لینے والا ہی آئے گا جو تمہیں پکی ہوئی فصل کی طرح کاٹے گا (مِحصَد درانتی کو کہتے ہیں) یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ تمہیں اس طرح کاٹیں گے جیسے کاٹنے کا حق ہے

ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا اسم الثائر ادعیہ وزیارات میں کئی دیگر الفاظ سے ترکیب پاتا ہے یعنی کہیں بیان ہوا ہے الثائر المضطرب کہیں بیان ہوا ہے الثائر البائر یعنی آپ ثائر بھی ہیں اور اپنے اجداد طاہرین عليهم الصلوات و السلام کا بدلہ چکانے کیلئے مضطرب اور بے چین بھی ہیں اور کہیں فرمایا گیا وہ ثائر بھی ہیں اور بائر یعنی ہلاکتوں میں بار بار ڈالنے والے بھی ہیں یعنی دشمن کو صرف ایک مرتبہ تلوار کا مزہ نہیں چکھایا جائے گا بلکہ وہ لاتعداد مرتبہ معذب بالسیف کیا جائے گا

حالانکہ جب مومنین کو جہاد کا حکم ملا تو فریا مایا گیا

وَقَاتِلُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبِّ الْمُعْتَدِينَ ()وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُواْ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ()وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ

تم ان لوگوں کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کرو جو تم سے جنگ کریں اور تم حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ تجاوز کرنے والوں کو اللہ جل جلالہ پسند نہیں کرتا اور اگر تم عقوبت دو تو اس طرح دو جیسی تمہیں عقوبت دی گئی ہو اور اگر تم صبر کرو تو صبر صابرین کیلئے بہتر ہے۔

اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرسکو
اس دنیا میں ظالمین کے ساتھ اعتدال کا حکم ہے مگر اللہ جل جلالہ نے اپنے نظام عدل میں اعتدال کو جائز قرار نہیں دیا کیونکہ اس کا جو ظالمین کے ساتھ رویہ ہوگا وہ بار بار قرآن مقدس میں بیان ہوا ہے فرمایا گیا ہے

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَاناً ضَيِّقاً مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوراً ()لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوراً وَاحِداً وَادْعُوا ثُبُوراً كَثِيراً

جب مجرم آتش کے تنگ و تاریک مکان میں زنجیروں سے جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو اس وقت وہ لوگ دردناک عذاب سے بچنے کیلئے موت کی دعا کریں گے اور درخواست کریں گے لیکن اس وقت انہیں جواب ملے گا تم ایک موت اور ہلاکت کی امید نہ رکھو بلکہ ابھی بے شمار ہلاکتوں کا مزا تم نے چکھنا ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَاراً كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوداً غَيْرَهَا لِيَذُوقُواْ الْعَذَابَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَزِيزاً حَكِيماً

جن لوگوں نے ہمارے آیات اللہ سے انکار کیا عنقریب ہم انہیں آتش جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ اس طرح معذب ہوں گے کہ اگر ان کی ایک کھال جہنم کی آگ سے گل سڑ جائے گی تو پھر دوسری کھال ان پر آجائے گی تاکہ وہ عذاب الٰہی کا پورا پورا مزا چکھیں کیونکہ اللہ جل جلالہ بہت زبردست بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی ہے

سو برس کے کفر کی سزا کا لاکھوں برسوں پر محیط ہونا جس طرح اعتدال کے دائرے میں نہیں آتا اسی طرح ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف جب اپنے اجداد

طاہرین کا انتقام لیں گے تو وہاں ایک ایک ملعون کو لاکھوں کروڑوں مرتبہ فی النار کیا جائے گا پھر انہیں ایک ایک مومن کے حوالے کیا جائے گا اور وہ اپنے من کی بھڑاس نکالیں گے کیونکہ الثار و ثائرة كناية عن انتشار غضبه بھی ہے یعنی ثار کے اندر انتشارِ غضب کا کنایہ بھی ہے اس لئے ہر مومن کو ہر عزادار کو اپنے دردِ دل اور غیظ و غضب کی بھڑاس نکالنے کا موقعہ دیا جائے گا

ایک اور زیارت کا ایک فقرہ پیش کرنا چاہتا ہوں اسے سب سے آخر میں رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے پہل میں نے اس فقرے کو پڑھا تھا تو اس کے معنی کچھ اور نظر آ رہے تھے اور جب اس کی گہرائی میں جانے کی مالک نے توفیق عطا فرمائی تو پھر وہاں کئی اور اسرار نظر آئے ان اسرار میں سے ایک آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ فقرہ یہ تھا (اشهد انك ثائر الله فى الارض)

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ اس زمین پر اللہ جل جلاله کے ثائر ہیں

ثار کے بارے میں پہلے بتایا جا چکا ہے و الثار هو طلب الدم یعنی ثار ہمیشہ خون کے بدلے میں قاتل کے خون کے مطالبے اور بدلے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ امیرالمومنین عليه الصلوات و السلام کا فرمان ہے

واعلموا ان لكل حق طالبا و لكل دم ثائراً

اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر غصب شدہ حق کا ایک مطالبہ کرنے والا ہوتا ہے اور ہر خون کا ایک ثائر یعنی بدلہ لینے والا ہوتا ہے

اور مذکورہ زیارت کے فقرے میں آپ نے دیکھا ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ آپ اللہ جل جلاله کے ثائر ہیں یعنی اللہ جل جلاله کے خون کا بدلہ لینے والے ہیں یا اللہ جل

جلالہ کے قتل کا بدلہ لینے والے ہیں

جب پہلے پہل میں نے اس فقرے کو دیکھا تو میرے ذہن میں وہ لاتعداد احایث و فرامین آئے کہ جس میں فرمایا گیا تھا کہ جس نے اپنے مومن بھائی کی زیارت کی زار اللہ علیٰ عرشہ گویا اس نے اللہ جل جلالہ کی زیارت عرش پہ کی اسی طرح احادیث قدسی میں ہے اللہ جل جلالہ فرمائے گا اے مومن جب میں بیمار ہوا تھا تو تو میری عیادت کو نہ آیا تھا میں بھوکا تھا تو نے کھانا نہیں کھلایا تھا وغیرہ وغیرہ ایسی احادیث میں یہ بیان ہوا تھا کہ تمہارا مومن سے روا رکھا جانے والا ہر رویہ گویا اللہ جل جلالہ کے ساتھ رکھا جانے والا رویہ شمار ہوتا ہے اسی طرح یہ فقرہ بھی اسی مفہوم کو ادا کر رہا ہوگا اس وقت تو میں اس فقرے کا یہی مفہوم سمجھتا تھا مگر پھر جب میں نے ملکہؑ عالمین صلوات اللہ علیہا کی زیارت پڑھی تو اس میں ایک فقرہ تھا

اللھم کن الثائر لھا یعنی اے خالق حقیقی تو اس معظّمہ کونین صلوات اللہ علیہا کا ثائر مقرر فرما

یہ فقرہ میں نے دیکھا تو فوراً ذہن میں آیا کہ یہ تو میں نے دیکھا ہے کہ مومن کے ساتھ رکھا جانے والا ہر رویہ یعنی حرب قتال محبت نفرت لڑائی صلح کھلانا پلانا زیارت کرنا احترام کرنا لباس پہنانا وغیرہ کو اللہ جل جلالہ نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے مگر مومن کی شہادت یا قتل کو اپنا قتل قرار نہیں دیا جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے یہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں ہوتا اس لئے ممکن ہے کسی کتاب میں یہ بھی موجود ہو مگر میری نظر سے نہیں گزرا تو فورا یہ بات سمجھ میں آئی کہ ملکہؑ عالمین صلوات اللہ علیہا کی شہادت کو اللہ جل جلالہ نے اپنی شہادت

اور اپنی ذات کا قتل شمار کیا اور اسی لئے ہمیں تاکید فرمائی گئی ہے کہ تم گواہی دو کہ تمہارے شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف اللہ جل جلالہ کے خونِ ناحق کے بھی وارث ہیں اور بدلہ لینے والے ہیں

حق تو یہ ہے کہ جب دروازہ ٹھنڈا کیا جا رہا تھا تو وہ ان کا دراطہر نہ تھا باب اللہ ٹھنڈا ہو رہا تھا جب ان کا پہلو زخمی کیا جا رہا تھا تو گویا وحدانیۃ الکبریٰ کا جنب اللہ زخمی کیا جا رہا تھا اور جب اس زخم کی وجہ سے آپ نے وصال فرمایا تو گویا اس بھری دنیا میں اللہ جل جلالہ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا ما قدر الله حق قدره جیسی کہ اللہ جل جلالہ کی قدر کرنا تھی خلق نے ویسی قدر نہ ہوئی

مگر یہ سمجھ نہیں آتی کہ ان کا انتقام اور بدلہ کیسے ہوگا؟ کہ اللہ جل جلالہ کے نظامِ انتقام و ثار میں کوئی ایسی سزا بھی موجود ہے کہ جو ان مجرمین کے جرائم و مظالم کی حقیقی سزا بن سکے؟

آپ خود سوچیں ملکۂ عالمین صلوات الله عليها کے اس زخمی پہلو کا انتقام کیا ہوگا؟

ان آنسوؤں کا انتقام اور بدلہ کیا ہوگا کہ جو ان کے دکھوں پر صدیوں سے بہائے جا رہے ہیں کیا دنیا و عقبیٰ کی کوئی چیز ان کا بدلہ ہو بھی سکتی ہے؟

ان مظلومین کا بدلہ کیا ہوگا کہ جنہیں بڑی بے دردی سے کربلا میں شہید کیا گیا کیا ان کے ایک ایک زخم کا بدلہ دنیا اور عقبیٰ کی کوئی چیز بن سکتی ہے؟

شہنشاہ وفا عليه الصلوات و السلام کے بازوؤں کا بدلہ بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے؟ شہزادہ علی اکبر عليه الصلوات و السلام کی جوانی کا بدلہ بھی کوئی چیز بن سکتی ہے؟

شہزادہ علی اصغر عليه الصلوات و السلام کی کمسنی کا بدلہ بھی کوئی چیز بن سکتی ہے؟

ان سارے مظالم کی کوئی ایسی سزا بھی ہوسکتی ہے جو حقیقتاً سزا قرار دی جا سکے؟
میں سمجھتا ہوں کہ ساتوں جہنم مل کر بھی ان کے دراطہر کی کسی چیز کو نقصان پہنچانے کی سزا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور ساتوں بہشت کسی نقصان کی جزا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اب وہاں بدلہ کیسے ہوگا یہ میری سمجھ سے باہر ہے اس لئے دعا کرتے ہیں ثائرآل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف کا جلدی خروج ہو اور وہ ہمیں انتقام و بدلہ چکا کر دکھائیں کہ جس سے اولین و آخرین کے مومنین کے زخمی دلوں کو شفا ملے اور پاک خاندان تطہیر دنیا پہ پھر اس طرح آباد ہو کہ جیسے آباد ہونے کا حق ہے

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علیٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فی العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الی يوم الدين

كل شی يرجع الیٰ اصله

اے محرمان پردہ سرائے معرفت

ہم نے ایک سلسلہ کلام شروع کیا ہوا ہے جس میں اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ کی تفسیر وتشریح میں مصروف ہیں اور ساتھ ہی کچھ ٹیکنیکل پوائنٹ Technical Points بھی عرض کرتا جا رہا ہوں اور ساتھ ہی عرفانیات کے کئی مسائل بھی یہاں عرض کرتا جا رہا ہوں جن لوگوں نے کتبِ غیبت کا مطالعہ کیا یا معجمِ احادیثِ امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف پرمبنی کمپیوٹرسی ڈیز CD,s کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ہمارے شہنشاہ معظم مالکِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے جو 182 اسمائے مبارکہ ان میں منقول ہیں ان میں سے جو اسم مبارک سب سے پہلے

لکھا جاتا ہے وہ ہے

''اصل ؑ'' عجل اللہ فرجہ الشریف

دوستو یہ تو حقیقت ہے کہ کسی زبان کو سمجھنے والے اہلِ زبان ہی ہوتے ہیں مگر اس زبان کی حدیں وضع کرنا ان کا کام نہیں ہوتا بلکہ یہ کام دو طرح کے لوگ کرتے ہیں وہ ہیں صاحبانِ لغت اور ماہرینِ فنِ اصطلاحات

کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے جو لغوی معنی ہوتے ہیں وہی حقیقی معنی بھی ہوتے ہیں مگر لغت کا حال یہ ہے کہ عربی کے ایک ایک لفظ کے بیس بیس معانی لکھے ہوتے ہیں اور ایک ایک معنی پہ کئی کئی سو الفاظ تک کا استعمال ہوتا ہے آج جب ہم لغت دیکھتے ہیں تو اس میں تقریباً ایک لاکھ ساٹھ ہزار کے قریب الفاظ موجود ہیں مگر یہ لغت متروک الفاظ کو نکال کے بنائی گئی ہے جن لغتوں میں آج بھی کچھ متروک الفاظ موجود ہیں ان کے الفاظ کی تعداد کم و بیش دو لاکھ کے قریب ہے مگر ماضی کی لغت میں ساٹھ لاکھ الفاظ ہوا کرتے تھے جس میں شیر کی مختلف حالتوں کے پیشِ نظر چھ سو سے زیادہ الفاظ ہوا کرتے تھے اور اونٹ کیلئے تو ایک ہزار سے بھی زیادہ الفاظ ہوا کرتے تھے

فنِ اصطلاحات کا عالم ہی کچھ اور ہے وہاں تو ایک ہی لفظ کی ایک فن و علم میں کوئی اور تعریف ہے اور اسی لفظ کی دوسرے فن و علم میں دوسری تعریف اور معنی ہیں

ادبیات میں تو الفاظ کے ذاتی معنی بہت کم استعمال ہوتے ہیں کیونکہ کائنات میں مفاہیم کا سمندر موجزن ہے اور الفاظ محدود ہیں اس لئے نئے مفاہیم کو کیپچر Capture کرنے کیلئے علمِ تراکیب وضع کیا گیا تھا اور اس سے دو الفاظ کو ملا کر

ایک تیسرا معنی اخذ کیا جاتا ہے گویا علم تراکیب لغت کی کیمسٹری ہے کہ جس میں مختلف ایٹم ملاکر مالیکیولز Molecules بنائے جاتے ہیں اوراس سے کوئی نیا مادہ وجود میں آتا ہے جس طرح کیمسٹری میں بتایا جاتا ہے کہ مادے کے کل ایٹم ایک سو کے قریب ہیں اوراشیا و مادے ہمارے سامنے کروڑوں کی تعداد میں ہیں تو یہ ان ایک سو ایٹموں کے تعامل کا نتیجہ ہیں اسی طرح ادبیات میں تراکیب کا علم بھی یہی بتاتا ہے کہ ہمارے پاس الفاظ محدود ہیں اور مفاہیم لامحدود ہیں اس لئے تراکیب ہی سے مفاہیم کواسیر الفاظ کیا جاسکتا ہے

اب اسی لفظ ُاصل‘ ‘کو جب ہم دیکھتے ہیں تو یہ بھی کئی علوم وفنون میں مختلف مفاہیم ادا کرتا ہے اوراس کی مختلف تعریفیں نظر آتی ہیں اور جب ہم ان تعریفوں کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو ہمیں شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف بھی کسی نہ کسی طرح سے اصل ہی نظر آتے ہیں

مثلاً اصطلاحاتِ قانون میں ؒ اصل اسے کہتے ہیں جس کا تعلق جرم سے بلا واسطہ ہو چاہے مظلوم کی شکل میں چاہے ظالم کی شکل میں‘ ‘

جب ہم اللہ جل جلالہ کے نظامِ قانون کو دیکھتے ہیں اوراس میں عدلِ آخرت کوسامنے رکھتے ہیں تو اولین وآخرین کے ظالمین کے مقابلے میں کوئی دیگر مظلوم جب آتا ہے تو اس کی حیثیت ثانوی نظر آتی ہے اوراصل معاملہ ہمیں ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا نظر آتا ہے کیونکہ یہ اللہ جل جلالہ کے نمائندے ہیں اور اللہ جل جلالہ ان معاملات میں فریق نہیں بن سکتا مگر جب ظلم ہوتا ہے تو ایک طرح سے اللہ جل جلالہ کے قانون کوتوڑا جاتا ہے اوراس قانون شکنی کی وجہ سے اللہ جل جلالہ اس جرم کا فریق بن

جا تا ہے اور نفاذ قانون حکام کا ہوتا ہے اور وہی اصل حکومت ہوتے ہیں اس لئے ہر وہ معاملہ جو بنام سرکار ہوگا اس میں شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف ایک طرح سے اس کے فیصل بھی ہوں گے اور فریق بھی اور یہی اصل قرار پائیں گے

اب اس بات کو ایک اور طرح سے پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جتنے جرائم اور برائیاں ہوتی ہیں ان میں شیطانی قوتوں کا کسی نہ کسی طرح سے ضرور ہاتھ ہوتا ہے گویا یہ خیر وشر کی جنگ ہے جس میں انسان ایک سپاہی یا لشکری کی حیثیت رکھتا ہے یا آلہ کار کی حیثیت رکھتا ہے اور اصل جنگ ابلیسیت بمقابلہ رحمانیت ہے یا جس طرح زردشت نے کہا تھا کہ اس دنیا میں اہرمن اور یزدان کے مابین جنگ جاری ہے انسان تو اس جنگ کے مہرے ہیں اصل نہیں کیونکہ اللہ جل جلالہ بمقابلہ ابلیس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے اصل مقابلہ اصلِ خیر واصلِ شر کا ہے یا اصلِ حق و اصلِ باطل کا ہے تو اصلِ خیر ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں اس لئے یہ عادل کی حیثیت سے بھی پیش ہوں گے اور خیر کی طرف سے اصالتاً بھی پیش ہوں گے اس لئے آپ کا اسم مبارک اصل ہے کیونکہ یہی اصلِ خیر ہیں

ادلۃ الفقہ (اصطلاح علم الادیان) میں اُصل اسے کہتے ہیں جس پر علمِ توحید کی بنیاد ہو' اسی سے اصول وفروع کا تصور وجود میں آیا ہے

حقیقت یہ ہے کہ علم توحید کی بنیاد بھی ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں ویسے تو ہر دور میں ہر زمانے میں اس زمانے کا امام ہی اصلِ توحید ہوتا ہے اور علمِ توحید کی بنیاد حجتِ دوراں ہی پر ہوتی ہے کیونکہ اس کا مقام ایک بیج کی طرح ہوتا ہے کہ جس سے تنا شاخیں پتے پھول پھل نکلتے ہیں اگر عقائد سے امام کا وجود نکال دیا

جائے تو اللہ جل جلالہ کے وجود کا کوئی Scientif ثبوت باقی نہیں رہتا ہے امام ہی وہ علم ہوتا ہے کہ جس سے توحید کا وجود معلوم ہوتا ہے جس طرح ایک عمارت کی دیواریں بنیاد پر قائم ہوتی ہیں اسی طرح سارے کا سارا علمِ توحید حجت زمانہ عجل اللہ فرجه الشريف پر قائم ہے

کچھ لوگ کہتے ہیں ہم بوجہ عقل اللہ جل جلالہ کے وجود پر استدلال کر سکتے ہیں اس لئے کسی ایسے ذریعے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم عقل سے زیادہ سے زیادہ ایک علت العلل کے وجود پر استدلال کر سکتے ہیں اور وہ بھی اجمالی سا نہ کہ تفصیلی علم حاصل کر سکتے ہیں ہم یہ تو عقل سے معلوم کر لیں کہ یہ دنیا بغیر کسی چلانے والے کے نہیں چل رہی یہ حرکت کسی محرک کے بغیر پیدا نہیں ہو رہی مگر یہ بات تو پھر بھی ثابت نہ ہوگی کہ جسے ہم محرک مان رہے ہیں کیا وہی حقیقی محرک ہے؟ کیونکہ ایک ہندو اس کا محرک پتھروں کے اصنام کو سمجھتا ہے ایک عیسائی اس کا محرک اقنوم ثلاثہ کو سمجھتا ہے اسی طرح ہر مذہب والا اس کا محرک اپنے ہی کسی کو سمجھ رہا ہوتا ہے

ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ کون کہتا ہے آئن سٹائین عقل مند نہیں تھا؟ کون کہتا ہے ارسطو عقل مند نہیں تھا؟ کون کہتا ہے نہرو عقل مند نہیں تھا کون کہتا ہے کہ پورے ہندوستان کے ہندو عقل سے خالی ہیں؟ اگر ان میں عقل موجود ہے تو اس کا مظاہرہ صرف مسلمانوں ہی میں کیونکر ہوتا ہے کہ وہ ایک اللہ جل جلالہ پہ استدلال کر سکتے ہیں اور دوسرے کیوں نہیں کر سکتے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم میلانات کو عقل مان رہے ہوں حقیقتاً وہ ہمارا میلانِ طبعی ہی ہے؟

چلو عقل کو ہم مستدلل علی التوحید مان بھی لیں تو کیا وہ ہمیں احکامِ الہی شریعت صفات الہی اور اس کے غضب و رضا کیلئے کوئی پیمانہ فراہم کرسکتی ہے؟ اس کی تفصیل کو کیا بیان کرے گی

اس لئے علمِ توحید کی بنیاد اگر کوئی ذات ہے تو وہ حجت دوران عجل الله فرجه الشريف ہی ہیں اس لئے وہ اصل ہی ہیں

علم المادیات میں اصل کہتے ہیں اس چیز کو جو عللِ اربعہ میں سے افضل ہو اور چاروں علتیں اسی پر قائم ہوں اگر اسے درمیان سے نکال دیا جائے تو چیز کا وجود ہی معدوم ہو جائے

جیسے ایک کرسی ہے اور وہ لکڑی کی بنی ہوئی ہے اس پر علتوں نے عمل کیا اور اسے کرسی بنایا اس کے بعد ساری علتیں اس سے جدا ہو جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے علتِ فاعلی یعنی درکھان Carpenter کہ جس نے اسے بنایا ہے وہ اس کرسی کے ساتھ رہے یا نہ رہے اس سے کرسی کا وجود خطرے میں نہیں پڑسکتا مگر اس کا اصل مادہ یعنی لکڑی ہی نہ رہے تو کیا کرسی پھر بھی اپنی اصل حالت میں باقی رہے گی؟ حالانکہ یہ علت مادی ہے اور اس مادے کی بنیاد بھی کسی اور چیز پر ہے یعنی ان ایٹموں پر ہے کہ جو ہر چیز میں ایک جدا گانہ انداز میں موجود ہوتے ہیں اور ان ایٹموں کی بنیاد وہ برقیے ہیں کہ جو اس کے اندر موجود ہوتے ہیں اور ان برقیوں کی بنیاد ایک نور پر ہے اگر یہ نور اس سے نکال لیا جائے تو یہ کرسی باقی نہ رہے بلکہ کوئی مادہ ہی نہ رہے بس اسی طرح اصل وہ ہے جس پر کسی چیز کے وجود و عدم کا انحصار ہو

اسی طرح فرمایا گیا تھا کہ اگر حجتِ زمانہ نہ ہو تو یہ دنیا ایک سیکنڈ کیلئے بھی باقی نہیں رہ

سکتی کیونکہ اس مادی دنیا کیلئے اصل ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں کیونکہ انہی کی وجہ سے اس زمین کا وجود باقی ہے ساری خلق اگر موجود ہے تو انہی کے وجود مبارک کے صدقے میں ہے خدا نہ کرے یہ ایک لمحے کیلئے اپنے وجود کو اس دنیا سے منقطع فرمالیں تو ساری دنیا معدوم وفنا ہو جائے اس پہ پھر کسی موقعہ پہ تفصیل سے بات کریں گے

علم لغت میں اصل ان قبائلِ عرب کو کہتے ہیں کہ جن کی زبان کو سند مانا جاتا ہے اور قرآن فہمی اور عربی دانی کا معیار وہی سات قبائل ہیں کہ جس لفظ کو انہوں نے جس معنی میں لیا ہوتا ہے اسی معنی میں لینا ہی درست مانا جاتا ہے اور ان میں سے ایک قبیلہ بني ہاشم بھی تھا اس پاک خاندان علیهم الصلوات و السلام کی زبان مبارک ہی حقیقی زبان قرآن مانی جاتی ہے اور اس حوالے سے قرآن و حدیث کا مفہوم جو ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف بیان فرمائیں وہی حقیقی مفہوم قرار پاتا ہے بلحاظِ حجت بھی اور اصل یعنی ہاشمیؑ ہونے کی حیثیت سے بھی یہ اصل ہیں

علم الاصول کی اصطلاح میں ’’اصل اس قیاس کو کہتے ہیں کہ جس کی رو سے کوئی چیز یقیناً حرام یا حلال ثابت ہو جائے‘‘

ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف اس حوالے سے بھی اصل ہیں کہ انہی کا حلال کردہ یقیناً حلال ہوتا ہے اور انہی کا حرام فرمودہ یقیناً حرام ہوتا ہے

علم العروض کی اصطلاح میں اصل و اصول اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے اصولِ ثلاثہ نکلتے ہیں یعنی وتد وسبب وفاصلہ وغیرہ

اسی طرح ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف بھی وہ اصل ہیں کہ جن سے جملہ

اصول نکلتے ہیں یعنی توحید و عدل و نبوت و امامت و قیامت یہ سارے اصول انہی سے مستخرج ہوتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ جو اصول بیان ہوئے ہیں کیا یہ کفایت کرتے بھی ہیں یانہیں اس پر پھر کبھی گفتگو ہوگی

علم الانساب کی اصطلاح میں اصل اس خاندان کو کہا جاتا ہے کہ جس کی خاندانیت اور اشرفیت وفضیلت تسلیم شدہ ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے فلان لا اصل له و لا فصل فلاں شخص کی نہ خاندانیت ہے نہ شرافت ہے اس کا آ گا پیچھا کوئی نہیں ادنیٰ گھر کا فرد ہے اور یہاں ہماری زبان میں بھی اصیل کا لفظ اعلیٰ نسل کیلئے بولا جاتا ہے

اس حوالے سے بھی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اصل ہیں کہ کیونکہ ان کے نوری خاندان پاک صلوات اللہ علیہم اجمعین جیسا تو کوئی تصور کرنا بھی کفر ہے

اصطلاحِ تجار و علم الاشیا میں ہر اس چیز کو اصل کہا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں جیسا کہا جائے وہ ویسی ہی ہو یعنی ہمارے ہاں جس طرح کہا جاتا ہے کہ یہ اصلی ولایتی چیز ہے یہ اصلی ہے یہ نقلی ہے یا یہ کہ یہ اصل شے ہے یہ جعلی ہے

یعنی نقل کی ضد کو اصل کہا جاتا ہے

اس حوالے بھی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اصل ہیں کیونکہ کتب ملاحم و الفتن میں جو احادیث منقول ہیں ان میں ہے ساٹھ ایسے لوگ ہوں گے جو مہدویت کا دعویٰ کریں گے اور وہ نقلی مہدی ہوں گے اور جب شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف اعلان خروج فرمائیں گے تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ 'اصل' ہیں باقی سارے نمبر دو مہدی تھے

امام صادق آل محمد علیہ الصلوات و السلام سے جب جناب مفضلؒ نے سوال کیا کہ جب

اتنے نقلی مدعیان مہدویت ہوں گے تو اصل کی پہچان کیسے ہوگی ؟ اس وقت آپ نے کھڑکی کی طرف نگاہ فرمائی اس وقت اس میں سے سورج نظر آ رہا تھا اسے دیکھ کر فرمایا اے مفضل کیا یہ سورج روشن نہیں ہے؟ اس نے عرض کی جعلت فداك بیشک یہ سورج ہی ہے اور روشن بھی ہے اس پر فرمایا واللہ لا مرنا انور و ایبین من ھذاہ الشمس فرمایا واللہ ہمارا امر اس سورج سے زیادہ روشن اور واضح ہوگا یعنی اصل اصل ہوتا ہے چاہے اس کی ہزاروں نقلیں بنالی جائیں

اس دور میں 1200 علوم وفنون رائج ہیں اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی علم ایسا نہیں ہے کہ جس میں اصل کی اصطلاح استعمال نہ ہوتی ہو اب آپ بتائیں میں کس کس علم کا حوالہ دوں اور اگر حوالے دینا شروع بھی کر دوں تو بات کب ختم ہوگی اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں

میں یہاں اتنا عرض کروں گا کہ عرفانیات اور روحانیات (علم الارواح) یہ دونوں ما بعد الطبیعاتی علوم شمار ہوتے ہیں ان میں اصل کے جو معنی ہیں وہ سارے نظری و اعتقادی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسم مبارک اصل عجل اللہ فرجہ الشریف کی تشریح اگر ان علوم کے حوالے سے کی جائے تو لاتعداد اسرار و رموز کا دروازہ کھل جاتا ہے اور انسان کو معرفت کے سمندر میں غوطہ لگانے کا پورا پورا موقعہ مل جاتا ہے

تصوف میں اصل اس مبدۂ اول کو کہا جاتا ہے کہ جو دائرۂ وجود کیلئے نقطۂ آغاز بھی ہوتا ہے اور وہی نقطۂ انتہا بھی وہی مبدہ اول بھی ہوتا ہے اور منتھا بھی اسی لئے کہتے ہیں البدایت ھو النھایت یعنی دائرے کا جو ابتدائی نقطہ ہوتا ہے وہی انتہائی نقطہ

ہوتا ہے اسی لئے فرمان ہے کہ کل شی یرجع الی' اصلہ یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے

﴿اصل الوجود﴾

اصل الوجود کیا ہے؟ اصل منقرب باللہ ہوتی ہے اس لئے ارشاد ہوا انا للہ و انا الیہ راجعون یعنی سارے اسی سے صادر ہوئے ہیں اور اسی کی طرف واپس جائیں گے کیونکہ اصل وجود اللہ جل جلالہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جو اصل الوجود ہوگا وہ وجود تخلیق سے مناسبت رکھتا ہوگا جیسے فنکار سے اس کا فن ایک طرح کی مناسبت رکھتا ہے جتنا بڑا فنکار ہوگا اتنا بڑا فن پارہ ہوگا یا یوں سمجھیں کہ جب کسی چیز سے کوئی زخم لگتا ہے تو اس آلۂ زخم سے اس زخم کی ایک مناسبت ہوتی ہے اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ جل جلالہ کی خلق و امر میں سے کسی سے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے اصل الوجود وہ اللہ جل جلالہ نہیں ہوسکتا ہاں جو اصل الوجود موجود ہے وہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی ہے کیونکہ سارے وجود و مراتبِ وجود انہی سے صادر ہوئے ہیں اور انہی کی طرف سب کی رجعت ہے اسی لئے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو اصل الوجود بھی کہا جاتا ہے کہ اس حقیقت ہی سے جملہ آئمۂ اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین کے انوار طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین ظاہر ہوئے اور وہی اصل الخلق قرار پائے

اصل درخت کی جڑ کو بھی کہتے ہیں اور امامِ دوران و حجتِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو اسی لئے اصل کہا جاتا ہے کہ وہ اس دور کی جملہ مخلوق کیلئے بہ منزلت اصل یعنی جڑ ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جڑ ہوا میں نشو و نما نہیں پاتی بلکہ جڑ بھی کسی چیز ہی میں ہوتی

ہے بلا تشبیہ وہ زمین جس میں اصل امامت قائم و واقع ہوتی ہے وہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہے کہ جو جملہ انوار طاہرین علیہم الصلوات و السلام کی جامع ہے شاید کسی کو میرا یہ فلسفہ گراں گزرے مگر میں صدق نیت سے یہ بیان کرر ہا ہوں

یہ تو معلوم ہو گیا کہ امام وقت مومنین کی ارواحِ علویہ کیلئے اصل کا درجہ رکھتا ہے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام وقت اپنے زمانے کے لوگوں کے ابدان و اجسام کیلئے بھی اصل کا درجہ رکھتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب حدیث طینت میں موجود ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ ہماری طینتِ جسمانی ونورانی ولطیف سے باقی ماندہ طینت سے مومنین کی ارواح خلق فرمائی گئی ہیں یعنی مومنین کے ساتھ ان کی جو مناسبت ہے وہ روح کی حد تک ہے نہ کہ جسم کی حد تک

اللہ جل جلالہ کے نورِ ازل نے کیونکہ بشری لباس پہننا تھا اس لئے بشریت کے اعلیٰ افراد کے ارواح کو اپنے لباس کے تاروں سے خلق فرمایا تا کہ ان کے لباس سے مومنین کے ارواح میں ایک مناسبت پیدا ہو جائے اور اسی ارضی ارواح کو عالم امر کہا جاتا ہے

اس پہ بحث بھی یہاں نہیں ہوسکتی کہ مراتبِ وجود میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات حق سے کیا مناسبت ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ کی ذات کا ادنیٰ مرتبہٴ انانیت ہے اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا اعلیٰ مرتبہٴ انانیت ہے اور اس حقیقت کا ادنیٰ مرتبہ محمّدیت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہے اور باقی آئمہ اطہار من حیث الکل من حیث الذات واحد الاصل ہیں اس لئے مرتبہٴ انانیت میں بالکل

داخل ہیں اور مرتبہ محمدیتؐ میں بھی واحد الاصل ہیں مگر مرتبہ منصبیت میں یہ ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں اور اس طرح ہر امام کا مرتبہ محمدیتؐ اعلیٰ ترین مرتبہ ہوتا ہے اور مرتبہ نورانیت وروحانیت ان کے ادنیٰ مراتب ہیں اور عالم خلق ہو یا عالم امر اس میں اگر کوئی ان سے مناسبت ہے تو وہ انہی ادنیٰ مراتب سے ہے نہ کہ ان کے اعلیٰ مراتب سے اس لئے انسانوں میں سے جو داخل جنت ہونے کے قابل ہیں ان کے ارواح کو ان کے زمانے کے امام کے ادنیٰ مراتب سے خلق فرمایا گیا اور وہی مراتب جو ان کی ذات کے ادنیٰ مراتب ہیں وہی اصل الارواح و ام الارواح قرار پائے ہیں

'ام'' کے معنی بھی یہی ہیں کہ جس سے کوئی چیز پیدا ہو وہ اس پیدا ہونے والی چیز کی ام یعنی ماں کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ ہر زمانے کے امام سے اس زمانے کے علوی ارواح پیدا ہوتے ہیں اسی لئے اسے بھی ام الارواح کا مقام حاصل ہوتا ہے' جس طرح جڑ ہی سے پورا شجر نکلتا ہے اسی طرح امام وقت سے اس دور کے ارواح کا ظہور وقیام ہوتا ہے اسی لئے امامت کو اصول میں داخل مانا جاتا ہے کیونکہ یہ جڑ کی طرح ہے اور جڑ اصل وام (ماں) ہوتی ہے

بعض لوگوں نے قرآنِ کریم کی آیت یَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ کی طرح کی ایک حدیث بھی پیش کی ہے وہ کہتے ہیں حدیث ہے کُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِم یعنی ہر شخص کو بلاوے کے دن اس کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا

بات ان کی درست تھی مگر اس کا مفہوم انہوں نے غلط سمجھا کیونکہ امام وام میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ امام ہی تو اصل وام (ماں) ہے حقیقت یہ ہے کہ ازل میں

ارواح کے مابین کوئی نسب نہیں تھا وہاں کوئی روح نہ کسی کی ماں تھی نہ باپ تھی ان کا آپس میں کوئی نسبی رشتہ نہیں تھا اور یہ رشتے تو اس دنیا میں وجود میں آنے کیلئے رکھے گئے تھے ان کا ارواح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہے لا انساب بینھم یوم القیامۃ یعنی قیامت کے دن کوئی نسب باقی نہ رہے گا ازل میں ہو یا قیامت میں وہ ارواح کے تجرد کے ادوار ہیں اس لئے وہاں نسب کا باقی رہنا ناممکن ہے اسی لئے ارشاد ہے

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءلُون

جب صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے انساب نہ رہیں گے اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے بارے میں پوچھیں گے جیسا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ قیامت کے دن نفس نفسی کا عالم ہوگا اور اس وقت جناب ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام بھی یاد نہ ہوں گے بات یہ ہے کہ وہاں ان کا نسب بھی باقی نہ رہے گا بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ اس دن صرف سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا نسب باقی رہے گا دوسرا کوئی نسب باقی نہ رہے گا اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ اس دن صرف سادات کا نسب باقی رہے گا دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس دن ان لوگوں کے ساتھ آپ کا نسب روحانی باقی رہے گا کہ جن کے ساتھ ازل سے تھا کیونکہ اس دن ارواح مجرد تھے اور آخرت میں بھی ارواح مجرد ہوں گے

ازل میں اور قیامت میں ان دونوں مقامات پر اطاعت واتباع کا رشتہ ہے کیونکہ طینتِ روحی کا تقاضہ ہے کہ اپنی ام واصل کی اتباع کی جائے اس لئے یہاں آ کر اس سے اتباع واطاعت کا ظہور ہوتا ہے اس لئے وہاں بھی نسب نہیں ہوگا بلکہ رشتۂ

اطاعت واتباع کے حوالے سے سب لوگ پہچانے جائیں گے ازل میں تخلیق ارواح کا عمل ہوا تو انہیں دو چیزوں سے وجود ملا ایک مادہ تھا جس کا نام تھا علیین اور ایک کا نام تھا سجین - قدسی روحیں علیین سے پیدا ہوئیں اور نجس روحیں سجین سے پیدا ہوئی اوران ارواح کی تخلیق کا وسیلہ وہاں ہر زمانے کا امام تھا وہاں جو روحیں خلق ہوئیں ان کیلئے ام واصل کا مقام ان آئمہ طاہرین علیھم الصلوات و السلام کو حاصل ہوا یا انہیں باپ بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا تھا امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام اور ہم اس امت کے باپ ہیں یعنی جس طرح باپ اپنی اولاد کیلئے وسیلۂ پیدائش ہوتا ہے اسی طرح ہم بھی امت کے وسیلۂ پیدائش ہیں فرق اتنا ہے کہ باپ اس جسم کی پیدائش کا وسیلہ ہوتا ہے اور یہ ذوات مطاہرات علیھم الصلوات و السلام روحانی پیدائش کے وسیلہ ہیں

ایک دفعہ ابوبصیر نے امام صادق علیہ الصلوات و السلام سے دریافت کیا کہ آقا کبھی کبھی ہم بلا وجہ غمگین ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی بلا وجہ خوش ہو جاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اے ابوبصیر تمہاری روحیں ہماری طینتِ بدن سے خلق ہوئی ہیں اسی لئے جب کبھی تمہارے زمانے کا امامؑ (خدا نہ کرے) غمگین ہوتا ہے تو تم بھی غمگین ہو جاتے ہو اگرچہ تمہیں معلوم ہی نہ ہو اور اسی طرح جب تمہارے زمانے کا امام مسرور ہوتا ہے (ہمیشہ مسرور رہیں) تو تم بھی بلا ظاہری وجہ کے خوش ہو جاتے ہو یعنی یہ اس طینت کے کنکشن Connection کی وجہ سے ہوتا ہے کہ جو اس کا امام و حجتؑ دوراں کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ امام و حجتؑ دوراں ہی اس کی اصل ہے

جس وقت عالم ارواح کی تخلیق کا مرحلہ آیا تھا تو ارواح مومنین کی تخلیق کا کام امام وقت نے کیا تھا یعنی جس زمانے کے مومنین کے ارواح کی تخلیق کا کام تھا وہ اس زمانے کے امام کے سپرد ہوا تھا کیونکہ ارواح کا تعلق عالم امر سے ہے اور اسے اس لئے امر کہا جاتا ہے کہ کن کا لفظ کلمۂ امر ہے اس لئے "کن" سے تخلیق ہونے والی مخلوق امری مخلوق کہلاتی ہے اس وقت امام دوراں نے علیین کے بطن میں حکمِ "کن" سے مومنین کے اوراح کا تخم ڈالا تھا جو بلاتوقف وجود میں آ گیا کیونکہ یہ انسان کے اعلیٰ ترین رکن کے وسیلۂ پیدائش بنے تھے اس لئے انہیں ام الارواح اور اصل الارواح کا مقام ملا اسے لئے فرمایا گیا تھا کل مومنین اخوۃ یعنی سارے مومنین آپس کے رشتے میں بھائی لگتے ہیں کیونکہ ان کی ام و اصل ایک ہے ام ماں کو کہتے ہیں اور ماں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی چیز جنم لے جیسا کہ ہمارے ہاں زمین کو ماں کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے بطن میں جو تخم بھی ڈالا جاتا ہے وہ اسی سے جنم لیتا ہے بلاتشبیہہ اسی طرح امام ہی ماں تھا اور امام ہی باپ تھا وہاں ان کے بطن رحمت میں نورِ ارواحِ مومنین کی تخم ریزی ہوئی اور اسی سے سارے ارواح نے جنم لیا اسی لئے وہاں کوئی نسب نہ تھا نصب اطاعت واتباع کا تھا اور قیامت میں بھی کوئی نسب نہ ہوگا بلکہ اطاعت واتباع کا نسب ہوگا اور زمانۂ خروج کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس دور میں مومنین کی وارث ان کی اولاد نہ ہوگی اگرچہ ایک ایک ہزار بیٹے کیوں نہ ہوں گے مگر وراثت مومن بھائیوں میں منقسم ہوگی جس کی متوفیٰ سے زیادہ محبت ہوگی اس کی کو وارث قرار دیا جائے گا کیونکہ وہاں کی محبت ذاتی نہیں ہوگی بلکہ محبت بالاصل ہوگی یعنی اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی وجہ سے ہوگی اور

اس کے درجات میں جو قرابت ہوگی وہی وہاں کی قرابت داری قرار پائے گی اور وہی رشتہ نسب کی طرح لاگو ہوگا

اللہ جل جلالہ نے ہر وسیلۂ ولادت کو جبکہ وہ تربیت بھی کرے اسے اپنے عہدۂ ربوبیت کی نیابت کا اعزاز دیا ہے جیسا کہ ماں باپ کیلئے دعا کا حکم دیا ہے تو فرمایا کہ ان کے حق میں اس طرح دعا کرو وقل رب رحمھا کما ربیٰني صغیرا یعنی دعا کرو اے ہمارے رب حقیقی ہمارے ان دو ربوں پہ اس طرح رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھ پر بچپن میں رحم کیا تھا یعنی تربیت کرنا بھی ایک طرح سے ربوبیت ہے اسی وجہ ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک رب الارض عجل الله فرجه الشريف ہے یعنی یہی زمین کے رب ہیں اسی طرح جو جسم انسانی کی تربیت کرے وہ بھی رب ہوتا ہے مگر ازل میں جب ام الارواح یعنی نور آئمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیهم اجمعين و عجل الله فرجهم نے ارواح مومنین کو تخلیق فرمایا تھا تو وہاں انہوں نے تربیت بھی فرمائی تھی

اب یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ امری مخلوق تو جب پیدا ہوتی ہے تو اپنے نقطۂ کمال پہ پیدا ہوتی ہے اسے تربیت کی کیسے ضرورت ہوسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کی تربیت اور طرح کی تھی وہاں کی تربیت پالنا پوسنا نہ تھی بلکہ وہاں کی تربیت عرفان الٰہی کی تھی وہاں کی تربیت درسِ تسبیح و تہلیل تھا اور اس کی ضرورت تو ایک عام روح سے لے کر روح القدس تک کو ہے اور اسی طرح جملہ ملکوت کروبیاں و قدسیان و حاملانِ عرش تک کو لاحق ہے اور اسی بات کو سمجھانے کیلئے آپ نے فرمایا تھا کہ

سبحنا سبحت الملائكة و حللنا حلت المالائكة

یعنی ہمیں دیکھ کر ملکوت نے تسبیح وتہلیل کرنا سیکھا اور یہی تسبیح سکھانا ہی ان کی تربیت کہلایا اور حقیقی تربیت ہے بھی یہی جسم کو پروان چڑھانا اتنا اہم نہیں جتنا روح کو ذات واجب الوجود سے متعارف کروانا ہے

جب ہر زمانے کے امام نے اپنے اپنے زمانے کے مومنین کی ارواح کی تخلیق فرمائی تو اس کے بعد ان سے اقرار لیا گیا خالق نے فرمایا ہم نے روزِ الست فرمایا تھاالست بربکم یہ جملہ اسی طرح کا ہے جیسے اللہ جل جلالہ نے فرمایاولکن اللہ رمیٰ یعنی یہ پتھر آپ نے نہیں مارا میں نے مارا ہے یہاں اس نے اپنے نمائندوں کے فعل کو اپنی ذات سے منسوب فرمایا ہے

وہاں بھی اسی طرح ہوا کہ اقرارِتوحیدورسالت جو بھی لیا ہر دور کے مومنین کی ارواح سے اللہ جل جلالہ کی نیابت میں ان کے زمانے کے امام نے عہد لیا کیونکہ امام وقت ہی اس دور کے مومنین کا ام واب ہوتا ہے ماں باپ ہوتا ہے اسی لئے سارے کام اسی کے سپرد ہوئے تھے جیسا کہ ماں بچے کی تربیت کرتی ہے بولنا سکھاتی ہے اور خود اپنا تعارف بھی کرواتی ہے جب بولنا سکھاتی ہے تو اس سے کہتی ہے ’’اماں‘‘ تو اس وقت بچہ سمجھ بھی نہیں سکتا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے مگر وہ اس کی نقل میں کہتا ہے اماں اور پھر وہ ہر چیز کو اماں کہتا ہے کیونکہ اماں کے لفظ کے مفہوم سے ناشنا ہوتا ہے مگر بعد میں وہ سمجھتا ہے اسی طرح سارے خاندان کا تعارف بچے کو ماں ہی کرواتی ہے وہی بتاتی ہے یہ بابا ہے یہ ماموں ہے یہ دادا ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح امام وقت ہی سارے پاک خاندان اور توحید ورسالت کی پہچان کرواتا ہے اور جب وہاں سے انسان اس دنیا میں آتا ہے تو اسے یہاں بھی امام ہی کی سرپرستی میں دے دیا جاتا ہے پوری زندگی

امام ہی اس کی تربیت فرماتا ہے اور ان کا نسبِ روحانی اس دنیا میں بھی بحال رہتا ہے

ہاں اس پر ایک اور جھوٹا نسب بھی طاری ہو جاتا ہے جسے ہم ظاہر ماں باپ کہتے ہیں اور ان کے حوالے سے کئی اور رشتے بھی اس سے چمٹ جاتے ہیں مگر اس کی اطاعت واتباع کا رشتہ امام ہی سے بحال رہتا ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ تمہارے لئے والدین کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ تمہیں امام کے احکام کے خلاف حکم نہ دیں اگر امام کی مخالفت میں تمہیں استعمال کرنا چاہیں تو پھر ان سے کوئی رورعایت جائز نہیں ہے بلکہ اگر وہ امام کی مخالفت میں میدان جنگ میں اتر آئیں تو انہیں فی النار کرنے کا سب سے پہلا فریضہ بھی اولاد کا ہے جیسا کہ صفین میں ہوا تھا یہاں صرف اشارہ ہی کافی سمجھتا ہوں

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں بھی انسان اپنے امام ہی کے ماتحت ہوتا ہے کیونکہ وہی اصل اس کی اصل ہے جیسا کہ ایک عورت نے آ کر ملکہ عالمین صلوات اللہ علیہا سے دریافت کیا تھا کہ آپ والدین کے حقوق کے بارے میں ہمیں آگاہ فرمائیں تو اس وقت آپ نے جواباً فرمایا تھا تم اپنے حقیقی والدین کو خوش کرلو تو ظاہری والدین کی ناراضگی کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور اگر تم نے حقیقی والدین کو ناراض کرلیا تو پھر ظاہری والدین کی خوشنودی تمہیں کوئی نفع نہ دے گی یعنی والدینِ حقیقی وہی ہیں جو ازل میں مقام اصل وام پر فائز تھے جو کہ مومنین کے اصل تھے

اب یہاں کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ کیا وہاں کی تربیت میں کوئی کمی رہ گئی تھی کہ یہاں بھی تربیت کی ضرورت محسوس ہوئی اور نصب امام کی ضرورت محسوس ہوئی

اس کا جواب یہ ہے کہ ازل میں ہر انسان میں تربیتی کیمپ کے دوران ہدایت کو فطرت میں کاشت کر دیا گیا تھا یا یوں سمجھیں کہ وہاں تعارف بھی ہوا تھا اور اورل Oral امتحان بھی ہوا تھا مگر وہاں جو کچھ ملا تھا وہ بالقویٰ ملا تھا کیونکہ وہاں کسی چیز کے بالفعل کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی اس لئے اس دنیا میں آنے کے بعد اسے بالقویٰ یعنی فطرتی ودیعت الٰہی کو جاری کرنے کیلئے دعوت وتبلیغ کی ضرورت تھی جیسا کہ ہر انسان سارے فنون وعلوم کو فطرت اور سرشت میں لے کر آتا ہے مگر یہاں آنے کے جو ملکے اس میں ہوتے ہیں انہیں جاری کرنے کیلئے ایک استاد کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا طریقہ سکھائے ان صلاحیتوں کو جاری کرے جیسا کہ میں نے پہلے مثال دی ہے کہ انسان بولنے کی صلاحیت شکم مادر سے لے کر آتا ہے مگر اس کے ناطقے کو پروان چڑھانے کیلئے ماں کی ضرورت ہوتی ہے یا کسی ایسے بولنے والے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے ناطقے کو پروان چڑھائے جن لوگوں کے بچے گنگی دائیوں کے سپرد ہوتے ہیں وہ کافی عرصہ اشاروں سے کام چلاتے ہیں اسی طرح ان صلاحیتوں کو جاری کرنے کیلئے دعوت حق دینے کا عمل بھی حجت دوراں کے سپرد ہوتا ہے اسی لئے کسی زمانے کو حجت سے خالی نہیں رکھا گیا کیونکہ جب انسان اپنی پوری زندی گزار لیتا ہے تو پھر اسے قبر وحشر وبرزخ میں بھی حجت ہی سے واسطہ رہتا ہے اور آخر میں جب اسے بلایا جائے گا تو بھی اسی کے نام سے بلایا جائے گا اور اسی کی طرف بلایا جائے گا اور اس کی رجعت اپنی اصل کی طرف ہونا لازم ہے حقیقت تو یہ ہے کہ امام وحجت کا جونسب روحانی ہے وہ کسی مقام پہ ساکت نہیں ہوتا اور باقی انساب تو سانس کی ڈوری ٹوٹتے ہی ختم ہو جاتے ہیں اور

ہم اس کا اعلان ساری دنیا کے سامنے کردیتے ہیں کیونکہ جب ہم جنازہ پڑھتے ہیں تو جس نیت کا اعلان کیا جاتا ہے اس میں یہی کہا جاتا ہے کہ' واسطے حاضر میت' کے یعنی چاہے باپ اپنے بیٹے کا جنازہ پڑھ رہا ہوگا وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے بیٹے کی نماز جنازہ پڑھ رہا ہوں یعنی اس کا اب اس کے ساتھ کوئی نسبی تعلق باقی نہیں رہا اب یہ بیٹا اس کیلئے ایک حاضر میت کے سوا کچھ نہیں ہے اور اگر بیٹا بھی باپ کا جنازہ پڑھے تو اسے بھی یہی کہنا پڑے گا کیونکہ سانس کے ساتھ سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں مگر ازل کا جو نسب ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹتا

جناب ابومحمد العسکری علیہ الصلوات و السلام ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے بابا پاک سے کسی نے دریافت کیا کہ یتیم کسے کہتے ہیں اس پر فرمایا

اشد من يتم اليتيم الذى انقطع عن ابيه يتم يتيم انقطع عن امامه ولا يقدر على الوصول اليه ولا يدرى كيف حكمه فيما يبتلىٰ به من شرائع دينه - الا فمن كان من شيعتنا عالماً بعلومنا و هذالجاهل بشريعتنا المنقطع عن مشاهدتنا يتيم فى حجره الا فمن هداه وارشده و علمه شريعتنا كان معنا فى الرفيق الاعلىٰ

فرمایا جو یتیم اپنے والد سے جدا ہو جائے اس سے بھی بڑی ایک یتیمی ہے یعنی جو شخص اپنے امام زمانہ سے منقطع ہو جائے اور وہ اپنے امام کی تلاش میں سرگرداں ہو اور انہیں نہ پا سکے اور اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ جس مسئلے میں وہ پھنسا ہوا ہے اس کے بارے میں اس کے امام زمانہ علیہ الصلوات و السلام کا حکم کیا ہے فرمایا جو ہمارے شیعوں میں سے ہمارے علم کے عالم ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ شریعت سے ناوقف

شیعہ اور ہمارے مشاہدے اور زیارت سے محروم مولائی ایک یتیم کی طرح ان کی گود میں ہیں کوئی عالم جو اس کی ہدایت کرے اور اس کیلئے مرشد بنے اور علمی طور پر اسے پروان چڑھائے اور اسے ہماری شریعت کی تعلیم دے کل یہ رفیق اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہوگا

(بقول جزری رفیق اعلیٰ انبیا خاص کی ایک جماعت ہے جو انبیاء علیہم السلام میں سے اعلیٰ درجے پر فائز ہے اور وہ علیین میں اعلیٰ مقام پر رہتے ہیں)

یعنی اس یتیم کی پرورش کرنے والے کا مقام انبیاء عام سے بھی بہت اونچا قرار دیا گیا ہے اسی طرح فرمایا کہ جو ہمارے بھولے بھالے موالی ہیں جو ان کی روحانی کفالت کرے وہ عرصہ محشر میں جب وارد ہوگا تو اس کے سر پہ ایک نورانی تاج ہوگا جس سے ایک نور ساطع ہوگا جس کی چمک تین سو سال کی مسافت تک چمک مارے گی یہ حدیث طویل ہے اس لئے ترک کر کے نتیجہ عرض کرتا ہوں کہ جو اپنے امام زمانہ علیہ الصلوات و السلام سے بچھڑا ہوا موالی ہے وہ یتیم آل محمد علیہم الصلوات و السلام شمار ہوتا ہے

یتیمی کی جو اقسام بیان ہوئی ہیں اس میں ہے کہ چوپائیوں میں سے وہ یتیم ہوتا ہے کہ جس کی ماں مرجائے پرندوں میں سے وہ یتیم شمار ہوتا ہے کہ جس کے دونوں ماں باپ مرجائیں اور انسانوں میں وہ یتیم ہوتا ہے جس کا باپ قبل از بلوغ مرجائے اور روحانی طور پر یتیم وہ ہوتا ہے کہ جس کا امام زمانہ علیہ الصلوات و السلام غائب ہوجائیں اس پر بھی یتیم کے احکام اپلائی کرتے ہیں یعنی جو اس کا مال کھائے وہ بھی خود کو جہنم کا نوالہ سمجھے اسی طرح حکم ہے کہ یتیم کو نہ ڈراؤ اس پر غصہ مت کرو اس کے سر پہ شفقت

سے ہاتھ پھیرنا گناہوں کا ازالہ وکفارہ ہوتا ہے اسی طرح کے دیگر احکام نافذ ہوتے چلے جاتے ہیں کیونکہ عالم خود بھی ایک یتیم ہی ہوتا ہے اور ایک یتیم جب دوسرے یتیم کی کفالت کرتا ہے تو اس کا ثواب اسے کئی گنا زیادہ ملتا ہے اور جو اہل حق کو گمراہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں بھی اسی طرح کے فرامین ہیں کہ وہ لشکر یزید سے زیادہ ضرررساں ہے اور علمائے سوء کی مذمت میں جو فرامین آئے ہیں وہ کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا اسم مبارک اصل عجل اللہ فرجہ الشریف اسی حیثیت کو پیش کرتا ہے کہ وہ ہمارے ازل کے مربی بھی ہیں اس لئے وہ بھی ہمارے رب ہیں اور وہ اس دنیا میں میں بھی ہمارے مربی ہیں اس لئے وہ رب الارض بھی ہیں اور یہی قبر وحشر کے مربی ہیں اور یہی ہمارا مبدہ ہیں اور یہی ہمارے منتھیٰ بھی ہیں ہمارے لئے ماں باپ بھی یہی جناب ہیں اسی لئے ہمارے سارے معاملات انہی سے وابستہ ہیں جیسے والدین اپنی اولاد کا امتحان لیتے ہیں کہ ہمارے بچے ہماری عدم موجودگی میں ہمارے بارے میں کس طرح سوچتے ہیں کس قدر فرمانبرداری کرتے ہیں اس آزمائش ہی سے یہ تعین ہوتا ہے کہ ان کی اولاد شریف ہے یا بری ہے ان پر اچھے برے کا حکم آزمائش کے بعد لگتا ہے اسی طرح ہماری آزمائش شروع ہے اور آخرت میں ہماری کارگزاری کی رپورٹ ہمیں تھمادی جائے گی کسی کے دائیں ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں اور ہمیں اپنے شہنشاہ کے سامنے کھڑا کرنے کیلئے پکارا جائے گا جیسا کہ عام عدالتوں میں پکار ہوتی ہے کہ زید بنام سرکار اسی طرح ہر آدمی کی پکار بنام امام ہوگی اور ہمیں بھی شہنشاہ

زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بنام پکارا جائے گا جس کا مطلب ہمیں پوری زندگی کا نتیجہ سنانا ہوگا کہ ہم اپنے مربی کی اچھی اولاد ثابت ہوئے یا خدا نہ کرے بری اولاد ۔مولا نہ کرے کہیں ہم عاق تو نہیں ہوگئے کیونکہ عام عاق کے بارے میں ہے کہ وہ بھی دیوث کی طرح جنت کی خوشبو کو نہ پا سکے گا تو اپنے اصل وام واب سے یعنی والدِ حقیقی سے جو عاق قرار پائے گا اس کا انجام کیا ہوگا اس کا تو یہاں سوچا بھی نہیں جا سکتا

آخر میں ایک بات عرض کروں گا کہ نیک اولاد کو خالق نے حکم دیا ہے کہ والدین کے حق میں دعا کریں تو ہمارا بھی یہ حق بنتا ہے کہ ہم سارے مل کر دعا کریں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اجدادِ طاہرین علیھم الصلوات و السلام کا جلدی انتقام ہو دوستو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جب والدین دکھی وغمزدہ ہوں تو ان کے حق میں دعا کرنا واجب نہیں او جب ہو جاتا ہے اور ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف صدیوں سے پردۂ غیبت میں آنسو بہا رہے ہیں ان کے حق میں دعا کرنا چاہیے کہ ان کے غم جلدی ختم ہوں ان کی ابدی مسرتوں کا دور جلدی آئے اور ان کے اجداد طاہرین صلوٰۃ اللہ علیھم اجمعین کا جلدی انتقام ہو ان کا گھرا طھرا ایسا آباد ہو کہ پھر کبھی مصائب کی ہوا اسے نہ لگے

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے محرمانِ اسرارِ عرفان

میں نے ایک عرصے سے ایک موضوع کو سامنے رکھا ہوا ہے اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں اپنے شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ کی تشریح پہ مبنی گفتگو کررہا ہوں اور یہ عرفانیاتی گفتگو کسی عام ظاہر بین شخص کے دامنِ عقل میں نہیں سما سکتی اور جو صاحبانِ طلب ہیں انہیں بھی آگاہ کرتا چلوں کہ معارف و عرفان کے نکات کی جب بارش ہوتی ہے تو اس سے وہی ظروفِ قلب لبریز ہوتے ہیں کہ جو اس کے پہلے سے منتظر ہوتے ہیں یا انہیں حاصل کرنے کیلئے پہلے سے تیار ہوتے ہیں کیونکہ روحانیت اور عرفان کی بارش کی مثال عام بارش کی طرح ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو جو برتن اس بارش میں سیدھے رکھے ہوئے ہوتے ہیں وہی برتن

اس سے لبریز ہوتے ہیں اور معرفت اتنی بے نیاز چیز ہے کہ جو کسی اوندھے برتن کو سیدھا کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتی اگر آپ کے دل و دماغ پہلے سے اس کے وصول کرنے کیلیئے تیار ہوں گے تو یہ نور معرفت سے لبالب ہو جائیں گے ورنہ اپنی محرومی کا کسی اور کو ذمہ دار نہ ٹھہرائیں

ہاں تو دوستو میں عرض کرر ہا تھا کہ کتب غیبت میں ہمارے شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے 182 اسمائے مبارکہ مرقوم ہیں اور ادعیہ اور زیارتوں میں جو اسمائے مبارکہ وارد ہوئے ہیں ان کی تعداد کل ملا کر چھ سو 600 سے متجاوز ہے

یہ سن 1976ء کی بات ہے کہ میں آقائی و مرشدی و سیدی دام ظلہ تعالیٰ کی بزمِ قدسی میں بیٹھا ہوا تھا اور ان کی ذاتِ صد برکات سے اپنے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ کو پہلی مرتبہ سننے کا شرف پایا اور میں نے وہاں بیٹھ کے یہ اسمائے مبارکہ اپنی ڈائری پہ نوٹ کیئے پھر اس کے بعد میں نے کتبِ غیبت میں ان اسمائے مبارکہ کو تلاش کیا اپنے مالک سے ان کے مفہوم و مقصد و معنی کو طلب کیا اور اس طرح جو کچھ عطا ہوا وہ آپ کے سامنے پیش کرر ہا ہوں

شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے کئی اسمائے مبارکہ ایسے ہیں کہ جب میں نے انہیں پہلی مرتبہ سنا تو مجھے ان میں کوئی فرق نظر نہیں آیا میں سمجھتا تھا کہ یہ دونوں اسمائے مبارکہ ایک مفہوم کو ادا کرتے ہیں اور ان کو دو طرح سے پیش کرنے کا مدعا اس صفت میں شدت و تاکید پیدا کرنا تھا - کم از کم مجھے اس وقت ایسا ہی لگا تھا مگر جب ان پر غور کیا اور مالک نے شعور و عرفان سے نوازا تو پتہ چلا کہ ان میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف معارف کے خزائن

سے بھرے ہوئے ہیں ان اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام پاک تھا محسنؑ' عجل الله فرجه الشریف اور دوسرا نام پاک تھا ''احسان'' عجل الله فرجه الشریف

میں نے لغت میں دیکھا ہوا تھا کہ محسن وہ ہوتا ہے جو احسان کرے اور ان دونوں کا مادہ ہے حَسَنَ اور حَسَنَ کے اکثر مشتقات میں صفتِ حُسن ضرور ہوتی ہے جیسا کہ ُ حسنہ'' ایسی نیکی اور بھلائی کو کہتے ہیں جس میں بھلائی کے ساتھ حسن و استحسان بھی موجود ہو اور ایسی بھلائی اور نیکی کرنے والے کو محسن کہتے ہیں

آئمہ مفردات نے اس پہ بہت کچھ لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

حسن کا بہ جہت انسان سے تین حوالوں سے تعلق ہے ہوتا ہے بہ الفاظ دیگر اس کی تین طرحیں ہوتی ہیں

(1) مُسْتَحْسِنُ مِنْ جِهَتِ الْحِسِّ انسان کے حسیات کے حوالے سے مستحسن ہو

(2) مستحسن من جهت الهوىٰ خواہشات نفسی کے حوالے سے مستحسن ہو

(3) مستحسن من جهت العقل جو عقلی حوالے سے مستحسن ہو

میں نے کئی مرتبہ یہ بات آپ کے سامنے پیش کی ہے کہ انسان من حیث الکل تین ارکان پہ مبنی ہوتا ہے یعنی اس کا ایک رکن بدن ہوتا ہے دوسرا رکن نفس ہوتا ہے اور تیسرا رکن روح ہوتا ہے اور یہ تینوں مل کر ایک انسان بناتے ہیں اگر ان میں سے ایک رکن بھی نہ ہوگا تو انسان کی بشریت کا وجود نہ رہے گا یعنی انسان سے اگر روح جدا ہو جائے تو مر جائے اور نفس جدا ہو جائے تو بھی مر جائے اور بدن ہی نہ رہے تو انسان ہی نہ رہے

اب ان تینوں ارکان کے اپنے اپنے لذات و آلام ہوتے ہیں اس کی تفصیل میں نے

اپنی روحانیات کی کتاب میں دی ہے اور Ethics (اخلاقیات) کی کتابوں میں بھی اس کی تفصیل ملتی ہے اس کا خلاصہ یہاں عرض کرتا چلوں تاکہ یاددہانی ہوجائے انسان کے ان تین ارکان کو جونعمت ملتی ہے اس سے ان ارکان کوایک لذت ملتی ہے ایک سرور حاصل ہوتا ہے اس لئے ان ارکان کے کیلئے نعمات کا تصور جدا جدا ہے مثلاً جسم کی اپنی ضروریات ہیں یعنی غذا گرمی میں سرد فضا اور سردی میں گرم لباس و کمرہ گرم بستر وغیرہ ان چیزوں کا تعلق حسِ لامسہ سے ہے اسی طرح دیگر حسیات یعنی آنکھوں کانوں کیلئے علیحدہ علیحدہ چیزیں لذت بخش ہیں آنکھیں خوبصورت منظر سے لطف اٹھاتی ہیں مگر کان اس سے محروم رہتے ہیں اور جب کان کسی سازِ دلبرا کی شیرینی کا مزا لے رہے ہوتے ہیں تو آنکھ محروم رہتی ہے اسی طرح ایک حس کی لذت دوسری حس کیلئے کچھ نہیں اب کوئی چیز ان حواس خمسہ وعشرہ میں سے کسی ایک کیلئے بھی لذت بخش ہے تو وہ من جہت الحس مستحسن ہے چاہے اس کی شرعی وطبی حیثیت کوئی بھی ہو

انسان کا دوسرا رکن نفس ہے اور بحیثیت رکن کے اس کے بھی کچھ لذات وآلام ہیں بعض چیزوں سے اسے سرور ملتا ہے اور بعض چیزیں اس کیلئے باعث الم واذیت ہوتی ہیں اب جو چیز نفس کیلئے لذت بخش ہو اسے من جہت الھوی مستحسن کہا جاتا ہے چاہے اس کی شرعی وفقہی وطبی حیثیت کیسی ہی کیوں نہ ہو

اسی طرح انسان کا رکن اعلیٰ روح ہے اور اس کے بھی کئی لذات وآلام ہیں اسے بھی کئی چیزوں سے سرور ولذت کا حصول ہوتا ہے اور کئی چیزیں اس کیلئے بھی باعث اذیت والم ہیں اور جو چیزیں روح کیلئے باعثِ لذت وسرور ہوں انہیں من جہت

الـعقل مستحسن   کہا جاتا ہے یوں سمجھ لیں ان ارکان ثلاثہ میں سے جس کیلئے بھی کوئی چیز باعث لذت وسرور ہوا سے عربی میں ُحسنه ''کہتے ہیں اور جو چیز بھی ان ارکان ثلاثہ میں سے کسی رکن کیلئے باعثِ اذیت والم ہوا سےُ سیئه ''کہا جاتا ہے علم الاخلاق میں جو حسنہ کا تصور ہے وہ کچھ اور ہے اصطلاحاتِ اخلاقیات کے حوالے سے دیکھا جائے تو حسن اور حسنہ میں فرق ہوتا ہے اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسن اور حسنہ میں کیا فرق ہے؟

یہاں حسن سے مراد وہ حسن نہیں جو علمِ جمالیات Aesthetics میں زیر بحث آتا ہے بلکہ یہاں علمِ لسانیات والے حسن کی بات کر رہا ہوں اس حسن اور حسنہ میں یہ فرق ہے کہ حسنہ ہمیشہ اعیان واحداث وافعال کیلئے آتا ہے اور حسن کا لفظ اس خوبصورتی کیلئے آتا ہے کہ جو آنکھوں کو بھلی لگے اس لئے اس کا تعلق صرف بصریات سے ہوتا ہے

حسن کی ضد قبح ہے یعنی ایک حسین ہوتا ہے اور جو اس کے برعکس ہو اسے قبیح کہتے ہیں ایک بات اور بھی عرض کرتا چلوں وہ یہ ہے کہ عربی میں حسن کے معنی میں لفظ جمال کا استعمال بھی ہوتا ہے اس طرح حسین کی طرح جمیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور ہمارے ہاں بھی کسی کے حسن کی تعریف میں یہ دونوں لفظ ساتھ ساتھ لائے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ حسین وجمیل نوجوان تھا مگر حقیقت میں ان کے مابین بھی فرق ہے کیونکہ حسین کی ضد قبیح ہے اور جمیل کی ضد ذمیم ہے حسن کا تعلق صرف دیکھنے سے ہوتا ہے چاہے ذمیم ہی کیوں نہ ہو یعنی جمیل وہ ہے جو خود بھی دیکھنے کو بھلا لگے اور اس کے کام اور افعال وصفات بھی دل کو اپنی طرف کھینچ لیں اسی لئے اللہ جل جلاله کے

اسمائے مبارکہ میں سے بھی ایک جمیل ہے اور ذمیم وہ ہوتا ہے کہ جس کے افعال وصفات دل کو نہ لگیں یعنی اچھے نہ ہوں چاہے وہ کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو

حسین کا لفظ خوبصورت کے معنی میں آتا ہے چاہے سیرت کیسی ہی کیوں نہ ہو یعنی حسین اسے کہا جا سکتا ہے جو آنکھوں کو اچھا لگے اور حسنہ ان نیک اعمال کو کہتے ہیں کہ جو دل کو اچھے لگیں کیوں کہ کئی اعمال نیک تو ہوتے ہیں مگر دل کو بھلے نہیں لگتے جیسے غصے پر کنٹرول کرنا ظلم پر صبر کرنا انہیں نیک اعمال تو کہا جا سکتا ہے مگر حسنہ کے دائرے میں یہ نہیں آتے ہاں اگر آدمی تسلیم ورضا کی اس منزل پر پہنچ جائے کہ جہاں تزکیاتِ نفس پر دل بھی خوش ہونا شروع ہو جائے اور کڑوی دوا بھی میٹھی لگنے لگے تو پھر وہاں یہ بھی حسنہ میں شمار ہونے لگ جاتے ہیں کیونکہ حسنہ کی تعریف یہی ہے کہ جو عمل نیک بھی ہو اور دل کو محبوب بھی ہو اور لذت بخش بھی ہو وہ حسنہ ہوتا ہے

لفظ احسان کو اگر عربی کے صرفی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو احسان ایک فعل ہے اور اس کے فعل کے فاعل کو محسن کہتے ہیں

یہ ایک مسلمہ ہوتا ہے کہ کسی سے بھی اگر کوئی فعل صادر ہوتا ہے یا کوئی بھی کوئی کام کرتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے کوئی وجہ ہوتی ہے کسی غرض سے کام کیا جاتا ہے اب اگر ہم اس پر غور کریں کہ اس فعل کا محرک کیا ہوتا ہے تو ہمیں چند اور الفاظ کی تشریح کرنا لازم ہوگی

دیکھئے انسان کو ملنے والی چیزیں جو رائج الوقت زر کی شکل میں ملتی ہیں ان کی کئی مدیں ہوتی ہیں (یاد رہے یہاں زر کا تصور علم الاقتصاد والا ہے جو بڑا وسیع ہے)

مثلاً ( ) اجرت ( ) اجر ( ) ثواب ( ) جزا ( ) معاوضہ ( ) انعام

اجرت

اجرت اس کا مادہ اَجَرَ ہے لیکن اجر اس ملنے والے ریٹرن Return کو کہتے ہیں کہ جو کسی کام یا عمل کے بدلے میں ملے چاہے دنیا میں ملے یا آخرت میں یا وہ طے شدہ ہو یا نہ ہو اور اجرت بھی اسی طرح کے ریٹرن Return کو کہتے ہیں مگر اس میں یہ شرط ہے کہ وہ اس دنیا ہی میں ملے یعنی دنیاوی ریٹرن Return کو اجرت کہتے ہیں اس لئے جو شخص کسی کے ہاں مزدوری کرتا ہے اسے اس کام کا جو ریٹرن Return ملتا ہے اسے بھی اجرت کہتے ہیں ''اجر'' کا لفظ عموم کیلئے ہے اور ''اجرت'' صرف دنیا کیلئے مخصوص ہے

ثواب

جس طرح اجرت کا تعلق صرف دنیا سے ہے اسی طرح جس ملنے والے ریوارڈ Reward یا ریٹرن Return کا تعلق صرف آخرت سے ہوتا ہے اس کیلئے مخصوص لفظ ہے ''ثواب'' ہے اور ثواب ہمیشہ آخرت میں ملنے والے ریٹرن Return کو کہتے ہیں

ایتا

اس کے بعد ہے دنیا یا آخرت میں کسی حقدار کو اس کا حق دینے کیلئے لفظ '' اِیتـــــا'' استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے اقیمـوا الصلواۃ و آتوا الذکٰوۃ یعنی زکواۃ مسلمانوں کے مال میں غریب کا حق ہے جو اسے دینا واجب ہے شرط یہ ہے کہ وہ آدمی صاحب نصاب ہو اسی طرح ارشاد ہے وآتــوھــن اجـور ھـن یعنی جن

عورتوں کا تم پر اجر عائد ہوتا ہے وہ ان کا حق ہے وہ انہیں دے دو

جزا

دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ انسان کو ملنے والی چیزیں کئی مدوں میں ملتی ہیں ان کیلئے ہمارے ہاں ایک لفظ جزا بھی انہی معنی میں لیا جاتا ہے جبکہ عربی میں جزا کا مفہوم وہ نہیں جو اردو میں ہے بلکہ عربی جزا کی تعریف یہ ہے کہ

الجزاء ما فیه الکفایة من المقابلة ان خیرا فخیر و ان شراً فشر

جزا وہ ہے کہ جو کسی عمل کے مقابلے میں اس کے بدلے میں دی جائے خیر کے مقابلے میں خیر اور شر کے مقابلے میں شر کی حیثیت والی چیز۔مگر ہمارے ہاں اس کا تصور صرف خیر تک محدود ہے جبکہ عربی میں سزا کو بھی جزا ہی کہا جاتا ہے یعنی کسی نے نیکی کی ہے تو اسے اس کی جزا دو اور اگر جرم کیا ہے تو سزا دو مگر عربی میں جزا و سزا کیلئے ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے اور وہ ہے جزا جیسا کہ کلام الٰہی میں ہے

ذالك جزاء من تزکی ( ) فله جزاء الحسنى '( ) و جزاء سیئة سیئة مثلها

یہ اس کی جزا ہے کہ جس نے اپنا تزکیہ کیا یا فرمایا کہ اس کیلئے دیکھنے میں اچھی لگنے والی اور اس کے فائدہ مند جزا ہے اسی طرح فرمایا اذیت بخش جرم کی جزا ویسی ہی اذیت ہے اس میں سزا کیلئے بھی جزا کا لفظ استعمال ہوا ہے اسی طرح جزا کے کئی اقسام بیان ہوئے ہیں جیسا کہ ’جزائے حسنیٰ‘ ‘یا’ جزائے موفور‘ جیسا کہ ارشاد ہے

جزاؤكم جزاء موفورا

یعنی جزا اس بدلے کو کہا جاتا ہے جو عمل کرنے والے کے عمل کا بدلہ بننے کیلئے کافی ہو جائے یعنی بطور جزا بھی اور بطور سزا بھی

معاوضہ

معاوضہ اس ملنے والی چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے عیوض ملے مگر اس کے بارے ہمارا جو تصور ہے وہ بہت وسیع ہے جب کہ اصل زبان میں اس کا تصور محدود یعنی جنس کے بدلے میں جنس جنس تک محدود ہے بالفاظ دیگر مادی چیز کے عیوض میں ملنے والی مادی چیز ہی معاوضہ کہلاتی ہے

انعام

انعام کسی کامیابی پر عزت افزائی کیلئے دی جانے والی نعمت کو انعام کہتے ہیں اور خصوصاً جب کسی معاملے میں مقابلے کی صورت بھی موجود ہو تو اس کامیابی پر ملنے والی نعمت انعام کہلاتی ہے

ان کچھ Technical Points کے بعد ہم واپس اپنے موضوع پہ آتے ہیں یعنی میں عرض کر رہا تھا کہ ہر وہ نیک کام جس میں لذت کا عنصر بھی ہو وہ حسنہ ہوتا ہے اور ہر وہ برائی جس میں اذیت کا عنصر بھی موجود ہو اسے سیئہ کہتے ہیں

حسنہ اور حسنیٰ میں بھی فرق ہے حسنہ ہر اس نیکی کہتے ہیں کہ جس میں ذات کیلئے ایک لذت ہو اور حسنیٰ ہر اس خیر کو کہتے ہیں کہ جس میں ذات کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے بھی خیر اور لذت ہو اسی لئے اللہ جل جلالہ نے اپنے اسمائے مبارکہ کے بارے فرمایا ہے

فله الاسماء الحسنىٰ فالدعوه بها

یعنی اس کیلئے کچھ ایسے اسمائے مبارکہ ہیں کہ جو حسنیٰ ہیں یعنی ان میں ایک تو حسن کا

عنصر بھی غالب ہے اور ساتھ ہی اس میں دوسروں کیلیئے یعنی اس کی ساری مخلوق کا فائدہ بھی ہے اس لئے جب اسے بلایا جائے تو انہی اسمائے حسنٰی ہی کے ذریعے بلایا جائے یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ اسما سے مراد کیا ہے

اب ہم اپنی اگلی منزل کی طرف بڑھتے ہیں میں کوشش کروں گا کہ آپ کو بھاری بھرکم اصطلاحات سے بچا کر اپنا مافی الضمیر سمجھا دوں بات یہ ہے کہ جو لوگ لسانیات کی باریکیوں کو سمجھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان کو جو چیزیں دی جاتی ہیں وہ کسی نہ کسی مد ہی میں دی جاتی ہیں اور ان مدوں کی تشخیص کیلیئے ان کے علیحدہ علیحدہ نام ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر ہم بیان کر آئے ہیں ان مدوں کی پہچان اس طرح کی جاتی ہے کہ جب ان کی ادائیگی کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے ساتھ "دینے" کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اجرت دینا ، معاوضہ دینا ، جزا دینا ، اجر دینا ، انعام دینا وغیرہ مگر کچھ چیزیں وہ ہوتی ہیں کہ جن کا تعلق دینے سے نہیں ہوتا بلکہ ان کیلیئے لفظ "کرنا" استعمال ہوتا ہے جیسا کہ عطا کرنا ، احسان کرنا ، ایثار کرنا ، بذل کرنا ، جود کرنا ، سخا کرنا ، اسراف کرنا ، اطراف کرنا یہ ساری چیزیں افعال کے دائرے میں آتی ہیں جو چیز کسی مد میں آتی ہیں وہ دی جانے والی چیزوں کی مدیں ہیں اور ان مدوں میں دی جانے والی چیزیں اور ہوتی ہیں جیسا کہ کسی کو اجرت میں پیسہ ملتا ہے کسی کو گندم دی جاتی ہے کسی کو انعام میں کوئی مقررہ رقم ملتی ہے کسی کو ٹرافی یا کپ دیا جاتا ہے اسی طرح ملنے والے چیزیں اور ہوتی ہیں وہ ملنے والی چیزیں کس مد میں مل رہی ان کے نام علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں مگر جو افعال ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا عمل ہوتا تو دینا ہی ہے مگر وہ فاعل کے فعل کی صورت میں بیان ہوتے ہیں اور ان افعال کو علیحدہ

علیحدہ نام دیئے جاتے ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ عطا، احسان، ایثار وغیرہ یہ وہ الفاظ ہیں کہ جن کے ساتھ لفظ دینا نہیں لگتا بلکہ "کرنا" استعمال ہوتا ہے جیسا کہ یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں نے کسی کو احسان دیا ہے یا ایثار دیا ہے بلکہ کہیں گے فلاں نے احسان یا ایثار کیا ہے اور یہ بھی نہیں کہا جاتا کہ فلاں نے اجرت کی ہے یا اجر کیا ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اجرت یا جزا یا اجر دیا ہے

جود

اگر کسی شخص کے پاس اپنی ضروریات میں سے کچھ بچا کر رکھا ہوا ہو یا کسی چیز کا ایک ذخیرہ موجود ہو اور وہ اس چیز کے کسی ضرورت مند کو اس میں سے اس کی ضرورت کے مطابق دیتا ہے تو اس کا یہ دینے کا عمل جود کہلاتا ہے اور دینے والا جواد کہلاتا ہے اور اس کی ضد بخیل ہے

بذر

جس چیز کے انجام کا علم نہ ہو کہ اس میں فائدہ ہو گا یا نہ ہو گا اس میں مال کا خرچ کرنا بذر کہلاتا ہے اس لئے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین فرمایا گیا ہے بیجوں کو بھی اس لئے بذر کہا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں علم نہیں ہوتا کہ وہ درست حالت میں پھوٹیں گے یا نہیں یا پھر ان کے پھوٹنے نہ پھوٹنے کا کوئی یقینی علم نہیں ہوتا

بذل

اگر کسی شخص کے پاس کسی چیز کا ایک ذخیرہ ہو اور وہ اس ذخیرے کے ختم ہونے کا خوف نہ کرتے ہوئے ضرورت مندوں کو وہ چیز دیتا جائے تو اس کے اس عمل کو بذل

کہتے ہیں

ایثار

اگرکسی انسان کے پاس کسی چیز کا ذخیرہ موجود ہی نہ ہو بلکہ جو کچھ ہو اس کی اپنی ہی ضروت کی بہ مشکل کفایت کررہا ہو اور وہ خود بھی اس کا ضرورت مند ہو اور وہ اپنی ضرورت کو بالائے طاق رکھ کر کسی کیلیئے اس چیز کی قربانی دے تو اس کے اس عمل کو ایثار کہا جاتا ہے یعنی خود محتاج یا ضرورت مند ہوتے ہوئے دوسرے کو اپنی ذات پر ترجیح دینا ایثار ہے

قربانی

قربانی کا جو تصور ہمارے ہاں ہے عربی میں اس لفظ کے یہ معنی نہیں ہیں اگر کوئی شخص کسی کی خوشنودی کیلیئے کوئی بھی چیز اس کے راہ میں لٹا دے یا قربان کر دے یا کسی کو دے دے تو اسے قربانی کہا جاتا ہے یعنی قربانی کا مقصد ہی کسی کا تقرب ہوتا ہے اگر اس میں تقرب اور خوشنودی کی نیت شامل نہ ہو تو قربانی نہیں ہوتی

اسراف

اسراف کیا ہے؟ انسان جس چیز کو بھی حد سے بڑھا لے وہ اسراف ہوتا ہے چاہے وہ خرچ کا معاملہ ہو یا کسی فعل کا معاملہ ہو اس میں اضافہ مقدار کے حساب سے ہو یا کیفیت کے حساب سے مگر احادیث میں آیا ہے کہ

ما انفقت فی غیر طاعة الله فهو سرف ؐ وان كان قليلاً

یعنی اطاعت الٰہی کے بغیر کسی بھی معاملے میں خرچ کرنا اسراف ہے چاہے وہ کتنا ہی

قلیل کیوں نہ ہواس طرح امام حسن علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تھا لا اسراف فی الخیر یعنی امور خیر میں کوئی اسراف ہوتا ہی نہیں

اتراف

اتراف ہوتا ہے عیاشی یا لذاتِ دنیا پر کچھ خرچ کرنا

اطراف

اس کا مطلب ہے کسی کنارے پہ ہونا یا مال کو اس مقام پر خرچ کرنا جہاں نہ کوئی فائدہ ہو نہ کوئی نقصان ہو اس لئے اونٹنی کے کان کاٹنے کو بھی اطراف کہا جاتا ہے کہ اس عمل کا نہ کوئی مادی فائدہ ہے اور نہ کوئی مادی نقصان ہوتا ہے

عطا

عطا کیا ہے؟ کسی چیز کا صلہ دینا یا ہر وہ چیز جو کسی کو دی جا سکتی ہے اور دی جائے تو اسے عطا کہتے ہیں

احسان

دوستو احسان بھی نعمات کے ملنے ہی کا نام ہے مگر اس میں عمومیت پائی جاتی ہے یعنی نہ اس میں مقابلے کی شرط ہے اور نہ ہی کسی کامیابی کی اور نہ ہی استحقاق کی اور نہ ہی پہلے سے کسی طے شدہ چیز کی اس لئے کہتے ہیں الاحسان و فوق العدل یعنی احسان عدل کے تقاضوں سے ماورئ ہوتا ہے

عدل کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ مستحق کو اس کی ضرورت کے مطابق ملے مگر احسان ان تقاضوں سے بالاتر ہوتا ہے عدل کا تقاضہ ہے کہ جو جیسا کرے ویسا بھرے اسے وہ

کچھ دیا جائے کہ جو شخص جس چیز کے قابل نظر آئے مگر احسان کسی میرٹ Merit کو نہیں دیکھتا وہ صرف دینے والے کی ذات کو دیکھتا ہے لینے والے کی اوقات کو نہیں دیکھتا

ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام پاک ہے احسان عجل الله فرجه الشريف

اب یہاں سوچنا پڑے گا کہ انہیں کسی حیثیت سے احسان کہا گیا ہے؟

جب ہم عالم خلق کو دیکھتے ہیں اور پھر پوری انسانیت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں انسان ہی دنیا کے سارے جانوروں سے ادنیٰ نظر آتا ہے کیونکہ باقی جانور اگر کوئی غلطی کرتے ہیں تو انہیں اس کا شعور ہی نہیں دیا گیا اور ان کی عقل ان کی غلطی کے غلط ہونے کو دریافت نہیں کر رہی ہوتی اور انسان جب غلطی کرتا ہے تو اسے اکثر معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلطی کر رہا ہے اس لئے یہ سب حیوانوں سے بھی اضل و گمراہ قرار دیا گیا ہے اس کی اوقات کیا ہے؟ تخلیق کیلئے دو مذموم مقامات کا جب تک اتصال نہ ہو یہ پیدا نہیں ہوسکتا پھر یہ بھی ہے کہ اس کی تخلیق کا اولین میٹریل Material وہ ہے کہ جس کا ایک قطرہ بھی خارج ہو جائے تو انسان پر غسل واجب ہو جاتا ہے پھر یہ شکم مادر میں آتا ہے تو اس کی اولین غذا حیض کا خون ہے اور ایک دو دن نہیں پورے نو ماہ تک یہی غذا کھا کر یہ نشو و نما پاتا ہے اور پھر جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کی اولین آمد ایسی ہے کہ آتے ہی ایسا نجس ہوتا ہے کہ خود اس پر بھی غسل واجب ہے اور جس جگہ پر یہ پیدا ہو جائے وہاں نماز پڑھنا تک جائز نہیں اور پوری زندگی یہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں پھر جب مرتا ہے تو اس طرح نجس

ہو جا تا ہے کہ جو اسے غسل سے پہلے چھو لے تو اس پر بھی غسل واجب ہو جا تا ہے حالانکہ کتے اور خنزیر کے معاملے میں ایسا نہیں ہے کیونکہ جو شخص کسی مردہ کتے یا خنزیر کو ہاتھ لگائے تو اس پر غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ اسے صرف ہاتھ پاک کرنا پڑتا ہے مگر یہاں غسل واجب ہو رہا ہے یہ ہے انسان کی اصل حقیقت اور اسی بات کو دیکھتے ہوئے اللہ جل جلالہ نے انسان کو ظلوماً جھولا کا لقب عطا فرمایا ہے اب اللہ جل جلالہ کے احسان کو سمجھنا ہو تو پہلے عدل کو دیکھیں تب سمجھ میں آئے گا کہ احسان تو عدل سے ماورئی ہے دیکھئے

جس طرح ظلم کا دائرہ وسیع ہے اسی طرح عدل کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے ظلم ایک چھوٹے سے چھوٹے رویے سے لے کر بڑے بڑے جرائم تک محیط لفظ ہے اسی طرح عدل اس کے خلاف ایک جامع لفظ ہے

عدل کا تقاضہ ہے کہ جو جیسا کرے ویسا بھرے ہر شخص کے استحقاق کو دیکھ کر اسے کچھ دینا عین عدل ہے اور اگر کوئی کسی کے میرٹ Merit اور استحقاق سے بڑھ کر عطا فرمائے تو یہ احسان ہوتا ہے

ہمارے شہنشاہ امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے حسنٰی ہیں محسنؑ واحسان عجل اللہ فرجہ الشریف وہ احسانؑ بہ ایں معنی ہیں کہ ان کی ذات اللہ کا احسانِ مجسم ہے اللہ نے جو مخلوق کے استحقاق کو بالائے طاق رکھ کر احسانِ عظیم واحسانِ مجسم مخلوق کو عطا فرما دیا ہے وہ یہی جناب ہیں انسان اس قابل ہی نہیں تھا کہ اس ظلوماً جھولا کے مصداق کی فلاح کیلئے اللہ جل جلالہ کے انوارِ اولیہ صلوات اللہ علیهم اجمعین کو جامہ بشری پہنا کر اس کم ظرف انسان کی ہدایت کیلئے بھیجا جائے میرٹ Merit کے لحاظ

سے یہ اس قابل تھا ہی نہیں

جو غلط قطرے سے غلیظ مقام پہ غلیظ غذا کھا پی کر نشو ونما پا کر مقامِ ولادت کو نجس کرتا ہوا دنیا میں آیا اس حیض خور گندی نالی کے کیڑے کی ہدایت کیلئے اسے پاک کرنے کیلئے اللہ جل جلالہ کے نور کو دنیا میں بھیج دینا عدل کے خلاف تھا اس گندی نالی کے بد مزاج کیڑے کیلئے تو بخت نصر جیسے لوگ بھیجنا زیادہ مناسب تھا جو جوتے مار مار کر اس کا حلیہ درست کر دیتے مگر اللہ جل جلالہ نے اپنے انوار کو بھیجا تو یہ اتنا بڑا احسان ہیں کہ احسان مجسم ہیں اور بد بخت انسان نے جور و یہ ان سے روا رکھا تو اللہ جل جلالہ کو مایوسانہ لہجے میں فرمانا پڑا ما قدر الله حق قدره انہوں نے اللہ جل جلالہ کی قدر کی ہی نہیں

آپ دیکھیں کسی جگہ چوڑھے چمار مل کر غلاظت کھا رہے ہوں اور اس ملک کا شہنشاہ یا سربراہ خود ان کے پاس جائے اور انہیں سمجھائے کہ یہ چیزیں تمہاری صحت کیلئے مضر ہیں یہ اس بادشاہ کا کتنا بڑا احسان ہے؟ اب اگر وہ لوگ اس بادشاہ کے چل کر آنے کی قدر رہی نہ کریں تو اسے کتنا غصہ آئے گا؟

محسنؑ عجل الله فرجه الشريف

ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کا انسان کے ساتھ احسان کے معاملے میں دہرا رشتہ ہے ایک طرف مخلوق پر اللہ کے احسانِ عظیم بھی ہیں اور دوسری طرف سے اس پوری کائنات کے محسن بالذات بھی ہیں

اگر ہم اس دنیا کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا میں دو طرح کے لوگ رہتے ہیں

(1) اہلِ حق (2) اہلِ باطل

بالفاظ دیگر کچھ لوگ فرمانبردار ہیں اور کچھ لوگ نافرمان ہیں یا یوں سمجھ لیں کہ کچھ لوگ ان کے اپنے ہیں دوست ہیں اور کچھ لوگ ان کے دشمن ہیں یا کچھ لوگ مومن اور کچھ لوگ کافر ہیں جب کوئی اس تناظر میں دیکھتا ہے تو اس حقیقت سے انکار ہی نہیں کرسکتا کہ ان کی ذات کے احسانات کا سلسلہ دونوں کیلئے عدل سے ماوریٰ ہے یہ سراپا احسان ہیں اس لئے ان کے احسانات کا دائرہ پوری خلق سے محیط ہے

دیکھئے کہ دنیا کے بادشاہوں کے کچھ لوگ فرماں بردار ہوتے ہیں اور کچھ لوگ نافرمان ہوتے ہیں جب بادشاہ عدل پر آ جائے تو عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ نافرمان کو جوتے پڑیں اور فرماں بردار کو نوازا جائے مگر ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف ان نافرمانوں کی نافرمانیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے انہیں بھی دولت دنیا سے سرفراز فرما رہے ہیں جو دشمن و قاتل کو بھی شیر و شربت پیش کرے اس سے بڑا محسن بھی کوئی ہوسکتا ہے؟

جو اپنے آباء و اجداد کے قاتلوں پر بھی نعمات دنیوی کو جاری رکھے اس سے بڑا بھی کوئی محسن ہوسکتا ہے؟

اپنے گھر پر ظلم وستم ڈھانے والوں سے بھی دست نعمت نہ کھینچے اس سے بڑھ کر کون محسن ہوسکتا ہے؟

یہ تو تھا مخالفین پر جاری احسانات کا سلسلہ اور یہ بھی دیکھتے چلیں کہ وہ مومنین پر کس درجہ احسانات فرمانے والے ہیں قرآن سے ثابت ہے کہ مومنین کا اس دنیا میں کوئی حصہ نہ تھا یہ ازل کی تقسیم تھی کہ دنیائے دنیٔ غیر کے حصے میں اور آخرت مومنین کے

حصے میں اس لئے امم سابقہ کے جتنے صحیفے آئے ان میں مومنین کو اس طرح خطاب نہیں ہے کہ یا ایھا الذین آمنوا بلکہ انہیں اس طرح خطاب ہے
یا ایھا الفقرا و المساکین یعنی ماضی کے جتنے مومن تھے ان کو اس دنیا میں سے کچھ بھی نہیں دیا جاتا تھا کیونکہ یہی عدل کا تقاضہ ہے اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں پاکستان میں ایک آدمی کے دو بیٹے ہوں وہ ان دونوں کو بلا کر کہے کہ بیٹے میں چاہتا ہوں کہ اپنی جائداد کا اپنے ہاتھوں سے بٹوارہ کر کے جاؤں تا کہ تم میرے بعد آپس میں نہ جھگڑو دیکھو میری کچھ پراپرٹی Property پاکستان میں ہے اور کچھ امریکہ میں ہے یہاں پاکستان میں میری کل جائداد سوا یکڑ ہے اور اس میں ایک بڑی کوٹھی بھی ہے اور امریکہ میں میری جائداد ایک ہزار ایکڑ ہے اور اس میں دس کوٹھیاں بھی ہیں اور میں تقسیم اس طرح کرنا چاہتا ہوں کہ ایک بھائی امریکہ والی ساری جائداد لے لے اور ایک بھائی پاکستان والی جائداد لے تا کہ جو وہاں کا مالک ہوا سے یہاں نہ آنے پڑے اور جو یہاں کا مالک ہوا سے باہر نہ جانا پڑے یہاں پاکستان کی جائداد میں ایک خطرہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں زرعی اصلاحات کا عمل بھی ہونا ہے اس میں اس جائداد کے جانے کا ڈر بھی ہے آپ دونوں بھائی اپنی اپنی پسند کے مطابق اپنی رائے علیحدہ علیحدہ کاغذ پر لکھ کر میرے پاس لے آؤ کہ کون کہاں کی جائداد لینا چاہتا ہے؟
وہ دونوں بھائی علیحدہ چلے جاتے ہیں ایک بھائی لکھتا ہے کہ مجھے پاکستان والی جائداد دی جائے اور میں امریکہ والی نہیں لینا چاہتا دوسرا لکھ کر لاتا ہے کہ مجھے امریکہ والی وسیع اور بے خطر جائداد کی ضرورت ہے میں یہاں کی خطرات سے گھری

جائداد نہیں لینا چاہتا

اب دونوں بھائی اپنی پسند لکھ کر لائے اور دعا مانگ رہے تھے کہ دوسرا بھائی اس کی پسند کو پسند نہ کرے جب ان کے باپ نے وہ کاغذ کھولے تو اس میں دیکھا اور انہیں اسی طرح جائداد منتقل کر دی

اب اس میں خود دیکھیں کہ ایک بھائی کو اس میں بہت زیادہ خسارہ ہے مگر وہ اس خسارے کو سمجھتے بوجھتے ہوئے وہی طلب کر رہا ہے اگر چہ یہ فیصلہ خلاف عدل تھا مگر پھر بھی ان بھائیوں کی پسند کا تھا پھر جب یہ فیصلہ ہو گیا تو ان کے باپ نے کہا کہ جس بھائی نے امریکہ والی جائداد چن لی ہے میں اس کیلئے اپنی طرف سے ایک رعایت بھی رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر وہ پاکستان میں رہے یعنی دو یا چار سال تک یہاں رہے تو اس پاکستان والی جائداد میں سے وہ اپنے ضروریات زندگی حاصل کر سکتا ہے میری اس کوٹھی میں وہ ایک کمرہ عارضی طور پر اپنی تحویل میں رکھ سکتا ہے اور اس سوا یکڑ میں سے دس ایکڑ وہ کاشت بھی کر سکتا ہے

اب دیکھیں کہ یہ جو اس پر احسان ہوا کیا وہ اس کا مستحق تھا؟ کیونکہ وہ تو خود اپنا فیصلہ دے چکا ہے کہ میں اس میں سے کچھ بھی نہیں لینا چاہتا مگر باپ نے اسے وہ قیمتی جائداد بھی دے دی اور ساتھ ہی اس میں سے بھی اسے حصہ دیا گیا کیا یہ کم احسان ہے؟

بلا تشبیہ ابنائے دنیا اور ابنائے آخرت کا اسی طرح معاملہ ہے کیونکہ قرآن پاک میں ہے

اِنّ َاللّٰہَ اشتَرَیٰ مِنَ المُومِنِینَ اَنفُسَھُم وَ اَموَالَھُم بِاَنَّ لَھُم اَلجَنَّۃَ ( )

یقیناً اللہ جل جلالہ نے مومنین سے ان کی جانیں اور مال ومتاع خرید لیا ہے کیونکہ اس

کے عیوض ان کیلئے جنت ہے- تا اینکہ فرمایا

فَاسْتَبْشِرُواْ بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (سورہ توبہ 111)

بس تم اس سودے پر خوشی مناؤ کہ جو تم نے اللہ جل جلالہ سے کیا ہے اور یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے یعنی یہ بہت بڑے منافعے کا سودا ہے فانی دے کر باقی لے رہے ہو گھٹیا دے کر اعلیٰ لے رہے اس میں تو پچھتاوے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

اب مومنین نے لکھ دیا کہ ہمیں اس دنیا کا کچھ بھی درکار نہیں مگر محسن عالمین نے اپنے احسان کا مظاہرہ فرمایا کہ اگرچہ اس دنیا میں مومنین کیلئے ایک دانہ گندم کا استحقاق بھی نہ تھا مگر انہیں اس دنیا میں بھی برابر کا حصہ دیا گیا ہے کیونکہ کفار نے حیات دنیا مانگی اور انہیں دے دی گئی اور مومنین کیلئے آخرت کا گھر تھا اب عدل کا تقاضہ ہے کہ اہل دنیا کو آخرت میں سے کچھ نہ دیا جائے اور اہل آخرت کو اس دنیا میں سے کچھ نہ دیا جائے مگر اللہ جل جلالہ کے احسان مجسم ہمارے محسن اعظم عجل اللہ فرجہ الشریف نے قانون عدل سے بالاتر ہو کر احسان فرمایا ہے کہ اہل حق کو اس دنیا سے بھی محروم نہیں فرمایا یہاں بھی دوسروں جیسا حصہ عطا فرمایا ہے تو کیا یہ احسان کم ہے؟

اب مشاہدہ بتاتا ہے کہ اہل حق میں سے کئی ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں اہل باطل سے بھی زیادہ حصہ پا رہے ہیں باقی دنیا داروں سے بہتر اور آرام و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں اور کئی اہل باطل یہاں اہل حق سے بھی زیادہ اس دنیا سے محروم ہیں حالانکہ یہ خلاف عدل تھا اسی لئے تو فرمایا گیا ہے احسان مافوق العدل ہوتا ہے وہ میرٹ Merit اور استحقاق کو نہیں دیکھتا اور جو میرٹ Merit اور استحقاق کے بغیر عطا فرمائے اسی کا نام پاک محسن عجل اللہ فرجہ الشریف ہوتا ہے

اب اس دنیا میں کسی مومن کو اس دنیا میں سے کچھ کم بھی ملا ہے تو یہ اس کا حق ہی نہیں بنتا پھر رونا دھونا کیسا؟ کیونکہ جو کچھ مل رہا ہے یہ بھی اس کا حق نہیں تھا کیونکہ یہ تو اس کی اپنی پسند بھی تھی

ہاں ایک وقت ہے کہ جب شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا دورحکومت ظاہر ہوگا تو اس وقت کے بارے میں ہے کہ اس وقت ظالمین اور دشمنان آل محمد علیہم الصلوات و السلام کو اکدم فنا کی گھاٹ اتار کر جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا بلکہ انہیں ایک طویل عرصے تک اس دنیا میں رکھا جائے گا تاکہ مومنین کی حکومت کو دیکھ سکیں اس طرح سے مومنین کو حکومت کرتے دیکھ کر انہیں ذہنی اذیت میں مبتلا رکھا جائے گا اور وہ اس عرصے میں بھیک مانگیں گے مگر کوئی انہیں بھیک دینے کی زحمت بھی گوراہ نہ کرے گا اور وہ اس وقت لیٹرینوں کی غلاظت کھا کر اپنا پیٹ بھریں گے اور اس دور کے نعمات میں سے انہیں کچھ بھی نہ دیا جائے گا اور اس دن وہ افسوس کریں گے کہ ہم نے کیا کیا ہے

اب یہاں عرض کروں گا کہ سارے مومنین مل کر یہ دعا کریں کہ خالق وہ روز سعید جلدی دکھائے اور حکومت آل محمد علیہم الصلوات و السلام کا اظہار ہو اور ہم سب اپنے اپنے دور کے کفار و مشرکین و منافقین کو ذلت آمیز زندگی گزارتے ہوئے خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور مومنین کے سارے دکھوں اور محرومیوں کا ازالہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیں

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے میکشانِ بادۂ عرفان

اللہ جل جلالہ ربی نے اس کائنات کی تخلیق سے قبل ایک اور کائنات تکوین (تخلیق) فرمائی جسے عالمِ امر کہا جاتا ہے اور وہ کائنات کسی مادے سے نہیں بلکہ ایک لفظِ سری و مخفی سے خلق فرمائی جسے "کُن" کہا جاتا ہے اور جو چیز لفظ کن سے خلق ہو وہ اللہ جل جلالہ کی تخلیق نہیں کہلاتی بلکہ اس کی تکوین کہی جاتی ہے کیونکہ جو چیز کسی مادے سے یا کسی شے سے پیدا کی جائے وہ مخلوق ہوتی ہے اور جو چیز بغیر مادے کے پیدا کی جائے یا جو شے صرف لاشے سے پیدا کی جائے وہ امری ہوتی ہے اور اللہ جل جلالہ کی تکوین کہی جاتی ہے عرفا یہی سمجھتے ہیں کہ تکوینِ عالمِ امر سے قبل کے جو اللہ جل جلالہ ربی کے مراتب ہیں وہ اس کی داخلی اور ذاتی مراتب ہیں اور لفظ کن فرمانے کے بعد کے

جو مراتب ہیں وہ اس کے خارجی مراتب ہیں اور وہ اس کی مخلوق ہیں اس کے اپنے پیدا کردہ ہیں کیونکہ وہ اس سے بعد کے ہیں اور وہ ذات اس سے اجل وارفع واعلیٰ ہے کہ حوادث اس میں حلول کریں اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ اس کے صفات و اسمائے حسنیٰ اس کی ذات کے بعد پیدا ہوئے ہیں وہ ذات اس سے بھی منزہ واجل ہے

یہ جو قبل و بعد کا تصور ہوتا ہے یہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک زمانی ہوتا ہے اور دوسرا درجاتی ہوتا ہے مگر اللہ جل جلالہ ربی کے ذات وصفات واسما کے معاملے میں جہاں بھی قبل یا بعد جیسے الفاظ آتے ہیں وہاں ان سے زمانی قبل و بعد مراد نہیں ہوتا بلکہ درجاتی لحاظ سے ہوتا ہے کیونکہ زمان بھی اسی کی ایک مخلوق ہے اور اگر اس کی ذات کو ماتحتِ زمان مان لیا جائے تو گویا اسے اپنی مخلوق کے ماتحت ماننے کے مترادف ہے اور یہ کفر ہے وہ ذات تو وقت اور زمان سے مافوق ہے بلکہ اس کے انوار اولیہ بھی ماتحتِ زمان نہیں ہیں اور وہ ذاتِ اجل تو سب سے اول ہے

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ وہ ذاتِ واجب اس حیثیت سے اول نہیں ہے کہ جیسے عدم سے بعد وجود کی ابتدا ہوتی ہے یعنی اللہ جل جلالہ ربی سے قبل کوئی عدم تھا یعنی ایک وقت ایسا تھا وہ ذات نہیں تھی پھر اس کی ابتدا ہوئی وہ اول ہے تو درجاتی لحاظ سے ہے نہ کہ زمانی لحاظ سے' اور وہ ذات آخر بھی ہے تو وہ بھی زمانی لحاظ سے نہیں ہے کیونکہ زمانہ کے آخر کا ایک ُبعد'' ہوتا ہے یعنی اس کے بعد بھی عدم ہوتا ہے

میں نے یہ کہا تھا کہ لفظِ کن سے قبل اس کے سارے مراتب داخلی تھے اور ساری تکوین اس کے داخل میں تھی جیسے ایک پودے کے بیج کے اندر اس کی ایک نسل چھپی

ہوتی ہے ہزاروں لاکھوں درختوں کے جنگلات ایک بیج میں سمائے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح ساری تکوین اس کی ذات کے اندر تھی یا یوں سمجھیں کے اس کے علم کے اندر بھری ہوئی تھی ایک بات یہاں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں اکثر اوقات مادی چیزوں کی مثالیں دیتا ہوں مگر یہ مثالیں صرف سمجھانے کیلئے ہوتی ہیں نہ کہ معاملات الٰہی اسی طرح ہوتے ہیں جیسے مادی چیزیں ہوتی ہے اسی لئے عرفا فرماتے ہیں اپنے سمجھنے کیلئے ''تنزیہ'' ہوتا ہے اور غیر کو سمجھانے کیلئے ''تشبیہ'' ہوتی ہے اور حقیقت ان کے مابین ہوتی ہے

آمدم برسر مطلب

ایک زمانہ ایسا تھا جسے زمانہ کہنا بھی شاید جائز نہ ہو کہ جب ایک ذات تھی کہ جسے عددی لحاظ سے ایک کہنا بھی اس کی وحدت کے منافی ہوگا اس وقت اس ذات نے انسانِ اول کو خلق فرمایا جب دہر بھی موجود نہ تھا اس وقت انسان اول کی تکوین ہوئی لفظ کن سے یہ انسان لا شے سے خلق ہوا یہ عالمِ امر تھا اور اسی کو انسان کلی کہا جاتا ہے اور آج ہم جسے انسان کہتے ہیں یہ انسانِ جزئی ہے اور انسانِ کلی کے بارے میں اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے

هَلۡ أَتَى عَلَى الۡإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُن شَيۡئاً مَّذۡكُوراً

جب دہر میں سے کچھ نہ تھا تو اس وقت جس انسان کو پیدا کیا گیا وہ یہ آدم (بشر) نہ تھا بلکہ وہ انسانِ اول تھا اور دہر سے مراد ہم آج وقت اور زمانے کے لیتے ہیں مگر ماضی میں فطرت Nature کو کہتے تھے (اس لئے Naturalist کو دہریہ کہا جاتا تھا) یعنی جب فطرت بھی موجود نہ تھی تو اس وقت ایک انسان کو پیدا کیا گیا اور وہ

انسان انسانِ اکبر یعنی عالم امر تھا جو عالمِ خلق و اجسام سے بھی قبل تھا اور اس سے محیط اور اس سے بہت بڑا بھی تھا' جہاں اللہ جل جلالہ نے اس بشری انسان کا ذکر کیا ہے تو فرمایا ہے

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاج ( )

انسان کے معنی ہیں آنکھ کی پتلی اور اس ذاتِ احد نے اس تکوین کو عین اللہ کا مقام دیا تھا اس لئے اسے انسان کا نام دیا مگر اس آنکھ کی پتلی میں نور نہیں تھا اس جسم انسان میں گویا جان نہیں تھی اس وقت اللہ جل جلالہ ربی نے اول ما خلق اللہ نوری کے مصداق نور کو اس میں سکونت بخشی کہ جس سے اس عالم بے جان میں جان آ گئی اسی لئے فرمایا گیا تھا کہ اول ما خلق اللہ الروح یعنی سب سے اولیت جسے حاصل ہے وہ روح کو ہے اور یہی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہے

کیونکہ اس حقیقت کے دو پہلو تھے ایک اللہ جل جلالہ کی ذات سے متصل نور تھا اور ایک پہلو اس انسان اول سے متصل ہو گیا کہ جس سے اس میں جان پڑی تو اس لئے اس کے ایک پہلو کے لحاظ سے اس حقیقت اولیہ کو نور کا نام دیا گیا اور اس کے دوسرے پہلو کو جو انسان اول کیلئے بمنزلت روح تھا اسے روح یا روح الارواح یا روحِ الٰہی کا نام دیا گیا اور انسان اول (کائناتِ اول) میں یہ نورِ اول اللہ جل جلالہ ربی کا جانشین بن کر نازل ہوا تھا اس لئے اسے خلافت الٰہیہ کا منصب بھی حاصل تھا اس عالم کی تخلیق کے بعد مدتیں گزرنے کے بعد عالمِ خلق ایجاد فرمایا گیا عالمِ نبات و جماد بے جان پڑا رہا پھر خالق نے اس عالم میں جان ڈالنے کا ارادہ فرمایا تو اوادم (آدموں) کا سلسلہ شروع فرمایا اس نور اول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو مقام نفس اللہ

حاصل ہوا اور اس نور اول نے نور ثانی کے ساتھ مل کر ہر آدم کی مٹی گوندھی اور اس کی تخلیق میں اللہ جل جلالہ کی نمائندگی فرمائی اور ملکوت کو ان آدموں کے سامنے جھکایا جاتا رہا اور اسی طرح ہر آدم کی تخلیق پر اس کے جسم میں نیابتِ الٰہی کی مسند لگائی گئی اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد صادق ہوتا گیا کہ خلقکم من نفس واحدہ و خلق منھا زوجھا یعنی ایک ہی نفس اللہ جل جلالہ سے سب کچھ وجود پذیر ہوا اور جب اس ہمارے بابا آدم کی تخلیق ہوئی تو اسے خاتم اوادم کا نام و مقام ملا کیونکہ اس کے بعد اس دنیا پر مزید کسی آدم کی تخلیق کے امکان کو ختم کر دیا گیا کہ اب ان کے بعد کوئی آدم اس دنیا میں نہیں آئے گا اور اس دنیا کی قیامت اس کی اولاد پر ہی آئے گی
ہمارے بابا آدم کو اس لئے خاتم کہا گیا کہ ایک تو یہ آخری آدم تھے اگر لفظ خَاتِم پر زبر ڈال دی جائے تو خَاتَم بن جاتا ہے جس کے معنی اس شاہی انگوٹھی کے ہیں جس سے بادشاہ اپنے کسی فرمان پر مہر لگاتے تھے اور یہ آدم اس ملک الجبار کی انگوٹھی کا منقش نگینہ تھا اسی لئے اسے خلیفۃ اللہ فی ارض کا نام ملا

جب نسل آدمؑ کا سلسلہ جاری ہوا تو اس کی ہدایت کیلئے اللہ جل جلالہ نے انبیا و رسل و اوصیا علیہم السلام کا ایک سلسلہ جاری فرمایا وہ انبیا و رسل بھی خلیفۃ اللہ قرار پائے مگر وہ انبیا و رسل علیہم السلام بالحقیقت خلیفہ آدم تھے مگر بالمجاز خلیفۃ اللہ تھے اور جناب آدم علیہ السلام کو جو مقامِ خلافت حاصل تھا وہ بالحقیقت حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خلافت تھی اور بالمجاز وہ خلیفۃ اللہ تھے صاحبانِ اسرار اسی لئے کسی بھی نبی و رسول کی نبوت و رسالت کو حقیقی نہیں مانتے بلکہ انہیں مجازاً نبی و رسول مانتے ہیں اور ان کی نبوت و رسالت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت پر منحصر مانتے ہیں

جیسا کہ ایک آدمی کشتی میں سفر کر رہا ہو تو باہر کھڑے ہوئے دو آدمی اسے دیکھتے ہیں ایک آدمی اسے دیکھ کر کہتا ہے وہ دیکھو وہ کشتی میں جو شخص بیٹھا ہے وہ ساکن ہے کوئی حرکت بھی نہیں کرتا مگر دوسرا کہتا ہے دیکھو وہ تو متحرک ہے

پہلا کہتا ہے تم غور سے دیکھو اس نے تو کوئی حرکت نہیں کی ایک جگہ پہ بیٹھا ہے اور ہلتا جلتا بھی نہیں ہے دوسرا کہتا ہے دیکھو وہ ابھی چند قدم پیچھے تھا اب اور آگے بڑھ گیا ہے یہ بغیر حرکت کے اتنا فاصلہ کیسے کر سکتا ہے ان میں یہی بحث جاری تھی تو ایک شخص وہاں آیا اور اس نے ان کو بتایا کہ وہ شخص جو کشتی میں سفر کر رہا ہے وہ ساکن بھی ہے اور متحرک بھی ہے وہ بالحقیقت ساکن ہے اور بالمجاز متحرک ہے اور اس کی حرکت ذاتی نہیں بلکہ کشتی کی مرہون منت ہے اسی طرح ہر نبی و رسول خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی کشتی نبوت و رسالت میں سوار ہونے کی وجہ سے نبی و رسول ہے ورنہ بالذات و بالحقیقت وہ نہ نبی ہے نہ رسول ہے اسی حدیث شریف میں آیا ہے کہ

بنا یفتح اللہ و بنا یختم ()

یعنی اللہ جل جلالہ نے سارے سلسلوں کو ہمارے ذریعے کھولا بھی ہے اور ہمارے ہی ذریعے بند بھی کرے گا اس لئے ختم نبوت و رسالت کا تاج آپ کے فرقِ مبارک پر رکھا گیا ہے اور ختم ولایت و امامت و وصایت کا تاج آپ کے آخری لختِ جگر شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے سرِ اطہر پر رکھا گیا ہے

میں نے اپنے ایک خطاب میں آپ کو بتایا تھا کہ اللہ جل جلالہ ربی کے دو نظام ہائے حکومت ہوتے ہیں ایک امری اور دوسرا خلقی، جو خلقی نظامِ حکومت ہوتا ہے اس میں

انبیؑا و رسلؑ کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے اور ایک نبی کے بعد دوسرا آتا رہتا ہے اس کے بارے میں مزید یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ کبھی کبھی دو نبیوں کے مابین ایک زمانۂ فترۃ آجاتا ہے یعنی ایک ایسا زمانہ جس میں کوئی نبی موجود نہ ہو اسے زمانۂ فترۃ کہتے ہیں اور یہ زمانۂ فترۃ صرف اللہ جل جلالہ کی حکومت خلقی میں واقع ہوتا ہے اس کی حکومت امری میں وقوعِ فترۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

ہوتا یہ ہے کہ جب مخلوق کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ جل جلالہ ربی ان پر غضبناک ہوتا ہے تو اپنی حجت ظاہری و خلقی کو غائب کر لیتا ہے یا اٹھا لیتا ہے ورنہ اس کی امری حکومت کا جو حجت ہوتا ہے اس کے بغیر تو یہ کائنات ایک سیکنڈ کے اربویں حصے تک بھی باقی نہیں رہ سکتی جیسا کہ ارشاد ہے

لولا الحجة لساخت الارض بآهلها

یعنی اگر ایک لمحے کو بھی زمین حجت اللہ امری سے خالی ہو جائے تو یہ زمین اپنی پشت پر رہنے والوں کو نگل جائے کیونکہ اللہ جل جلالہ کہ نظام امر میں فترۃ نام کی کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی

عالمِ خلق کے ظاہری جو اولیائے کرام رہتے ہیں وہ اللہ جل جلالہ ربی کے مظاہر ناقص ہوتے ہیں مگر اس دنیا میں اللہ جل جلالہ کی امری حکومت میں ایک مظہر تام یا مظہر کامل ہمیشہ موجود رہتا ہے جو قطبِ زمان یا غوث زمان ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ ربی اسی سے عالم خلق کی حفاظت کرواتا ہے اور وہ اپنے دور کے کسی نبی کی نبوت کے ماتحت نہیں ہوتا بلکہ وہ بلا واسطہ خاتم الانبیا ورسل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ماتحت ہوتا ہے جیسا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ہے انہیں جناب خضر علیہ السلام سے

ملاقات کا حکم ملا اورانہوں نے مل کر سفر کیا مگر وہاں آپ دیکھیں جناب موسیٰ علیہ السلام اس زمانے کے نبی بھی ہیں کلیم بھی ہیں صاحب شریعت رسول بھی ہیں انبیائے بنی اسرائیل میں سب سے بلند مقام پر فائز بھی ہیں مگر اس سفر میں وہ جناب خضر علیہ السلام پر حاکم نہیں ہیں بلکہ محکوم کی طرح ہیں اور جناب خضر علیہ السلام نہ ہی نبی ہیں اور نہ رسول ہیں مگر ایک نبی و رسول پر حاکم ہیں اور بار بار ڈانٹ بھی رہے آخر کیوں؟

یہ بھی ہے کہ جو مصالح اور اسرار وہ ظاہر فرماتے ہیں انہیں جناب موسیٰ علیہ السلام نہیں سمجھ سکتے اس کی وجہ کیا ہے؟

یہ صرف اس لئے ہے کہ وہاں ان کا عہدہ قطبِ زمان کا تھا اور وہ امری حکومت کے حاکم تھے اور جناب موسیٰ علیہ السلام خلقی حکومت کے حاکم تھے اس لئے وہ ان پر بھی حاکم تھے کیونکہ امری حکومت خلقی حکومت سے افضل ہوتی ہے اس لئے اس کے حکام بھی خلقی حکام اور عہدہ داروں سے افضل ہوتے ہیں اور وہ اپنے دور کے کسی نبی کے ماتحت نہیں ہوتے بلکہ وہ بلاواسطہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے منسلک ہوتے ہیں اور اس موجودہ دور میں بھی جناب خضر علیہ السلام ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ماتحت ہیں اور ان چالیس افراد پر حاکم ہیں کہ جو ہمہ وقت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ساتھ رہتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف دستارِ رسالت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے وارث ہیں اور اس دور میں یہی ذات اقدس نیابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر فائز ہیں اور اس دور میں گویا یہ امیجیٹ Immediate رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں اور ان کی خلافت الھیہ کے مالک بھی ہیں

خاتم الانبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

سب سے پہلے یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ اس دور میں خاتم النبیین کے لفظ پر بہت لے دے ہو رہی ہے اس میں لفظ خاتم کے اعراب پر تصرف کر کے باتیں بنائی جا رہی ہیں

بات یہ ہے کہ خاتَم خاتِم دو لفظ ہیں پہلا لفظ ہے "خاتَم" جس کے معنی مہرِ شاہی کے ہیں کہ جس سے بادشاہانِ ماضی کسی چیز یا عبارت کو سیل کیا کرتے تھے

دوسرا لفظ تھا "خاتِم" جس کے معنی ہیں ختم کرنے والا اور آخری کہ جس کے بعد کوئی نہ ہو اس میں شرط نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بالکل کوئی نہ ہو نہ ان کے برابر کا نہ ان سے ادنیٰ اور نہ ان سے کوئی اعلیٰ بس کوئی بھی نہ ہو یعنی ان کے بعد کوئی نبی مبعوث ہو ہی نہیں سکتا قیامت تک خاتم النبین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی کی شریعت نے چلنا ہے اور قیامت سے بعد تک بھی اس نے چلنا ہے اور اس نے کبھی بھی منسوخ نہیں ہونا

قرآن پاک کا جو تئیس 23 سالہ دورانیۂ نزول ہے اس میں آیات منسوخ ہوتے رہے ہیں اور ان کے ناسخ آیات نازل ہوتے رہے ہیں مگر نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ خاتم الانبیا ہیں

خاتم الانبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہو بھی وہی سکتے ہیں کہ جن کے بعد کسی نبی کا تصور ہی محال ہو ہاں زمانۂ رجعت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و رسل علیہم السلام نے واپس آنا ہے مگر انھوں نے نبی بن کر نہیں آنا بلکہ امتی بن کر آنا ہے جیسا کہ جناب صادق آل محمد علیہ الصلوات و السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے

وَإِذْ أَخَذَ اللّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُواْ أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُواْ وَأَنَاْ مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ () فَمَن تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُون......(سورہ آل عمران 82)

سلام بن مستنیر سے امام صادق آل محمد علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا کہ ابھی تک اس آیت کی تفسیر ظاہر نہیں ہوئی یہ سن کر اس نے عرض کی آقا میری جان آپ پر فدا ہو پھر اس آیت کی تفسیر کب پوری ہو گی؟ اس وقت امام علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا اس کی تفسیر زمانۂ رجعت میں پوری ہو گی اس وقت جملہ انبیا و رسل کو خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا اور وہ سارے ان پر از سر نو ایمان لائیں گے اور اس وقت شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا علم مبارک جسے لِوَا اَلحَمد کہا جاتا ہے وہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام دست مبارک میں دیا جائے گا اور اس دن امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام تمام مومنین کے امیر اور سردار ہوں گے

اسی طرح امام صادق علیہ الصلوات و السلام نے ابن ابی شیبہ سے فرمایا تھا کہ اللہ جل جلالہ کی قسم آدم سے لے کر خاتم تک کسی نبی کو نہیں بھیجا گیا مگر اسے رجعت میں بلایا جائے گا اور وہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی معیت میں ان کی نصرت میں شمشیر زنی کریں گے اور وہ امیر المومنینؑ علیہ الصلوات و السلام جتنی تلوار چلائیں گے

اس موضوع پہ بہت سے روایات ہیں یہ دور تو کمپیوٹر کا دور ہے اور مآخذ کی اکثر کتب کمپیوٹرائز ہو چکی ہیں ایک ایک روایت و خطبہ کئی کتب میں دیکھا جا سکتا ہے

تو میں عرض کرر ہا تھا کہ سارے انبیا علیھم السلام نے آنا ہے مگر نبی کی حیثیت سے نہیں امتی کی طرح آئیں گے اور وہ شہشاہ معظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے امتی اور مدد گار بن کر آئیں گے ورنہ ان کے بعد کسی نبی کا نبی بن کر آنا ناممکن ہے کیونکہ یہ خاتم الانبیاؐ ہیں ان کی نبوت قیامت سے بھی بعد تک جاری و نافذ رہے گی کیونکہ جب انسان جنت میں جائے گا تو وہاں بھی کوئی غیر شرعی کام نہیں ہوگا

دوستو جنت کے معاملے میں ایسا نہیں ہے کہ جو کام یہاں حرام ہے وہاں حلال ہو جائے گا یعنی زنا شراب وغیرہ جو محرمات شرعی ہیں وہ جنت میں بھی حرام ہی رہیں گے کیونکہ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ جنت میں شراب ہوگا حوریں ہوں گی مگر یہ نہیں بتایا جاتا ہے کہ جنت کی جتنی چیزیں ہیں ان کے اس دنیا کی چیزوں سے صرف نام مشترک ہیں ورنہ باقی کوئی بھی چیز ان چیزوں جیسی نہیں ہے وہاں کوئی حیوانی زندگی نہیں ہوگی بلکہ وہاں بھی ایک شریعت ہی ہوگی جس پر عمل ہوگا اور وہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ہی شریعت ہوگی کیونکہ ان کی شریعت کبھی بھی منسوخ نہیں ہوسکتی یہ نا قابلِ منسوخ ہے

دوستو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اللہ جل جلالہ کے قربِ حقیقی کا جو پہلو ہے وہ خاتم الانبیائیت کا پہلو ہے اس سے زیادہ کوئی بھی قربِ واجب الوجود میں نہیں ہے کیونکہ یہ پہلو واجب الوجود کے اتنا قریب ہے کہ اسے اللہ جل جلالہ کی مخلوق کہنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اسے اللہ جل جلالہ نے خلق نہیں فرمایا بلکہ یہ تو اس کے افاضہٗ وجود کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کی تخلیق ہے ہم اس بات کو اپنی طرف سے نہیں کہنا چاہتے بلکہ اپنی اسی حیثیت کے بیان کرنے کیلئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ

یفصل نورنا من نور ربنا کشعاع الشمس من الشمس
ہمیں ذات واجب الوجود سے اس طرح فاصل کیا گیا جیسا کہ سورج سے سورج کی شعاع فاصل وجدا ہوتی ہے یعنی ہمارا ذات واجب الوجود سے ایسا تعلق ہے کہ جیسا شعاعِ شمس کا شمس سے ہوتا ہے اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ شعاع کا سورج سے تعلق خالق ومخلوق کا نہیں ہوتا بلکہ سورج کا افاضۂ وجود ہی ہے جو شعاع کی شکل میں موجود ہوجاتا ہے اور ان کے مابین تقدیم وتاخیر کا تصور بایں معنی درست نہیں ہے کہ اللہ جل جلالہ کو ان سے تقدمِ زمانی حاصل ہے بلکہ اللہ جل جلالہ ان سے بایں معنی قدیم ہے کہ وہ بالذات موجود ہے نہ اس معنی میں کہ وہ کچھ وقت پہلے تھا ایک وقت گزرنے کے بعد یہ انوار موجود ہوئے بلکہ ان کی زمانی حیثیت تو یہ ہے کہ جب سے اللہ جل جلالہ ہے یہ تب سے موجود ہیں کیونکہ سورج اور شعاع میں تقدمِ زمانی نہیں ہوتا اور کوئی بھی انسان کسی ایسے لمحے کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ جب سورج تو ہو اور اس میں شعاعیں نہ ہوں یعنی اصل منیر ہو اور اس میں نور نہ ہو بلکہ تقدم درجاتی ہوتا ہے

اس دور میں کہا جاسکتا کہ سورج ایک کرہ ہے اور یہ کبھی بجھ سکتا ہے اور جب یہ بجھ جائے گا تو اس میں شعاعیں نہیں ہوں گی

اس کا جواب یہ ہے کہ سورج کا کمال یہی ہے کہ وہ روشن اور درخشاں ہو اور جب یہ بے نور ہوجائے گا تو یہ اس کی فنا ہے شمس کی شمسیت اس کی درخشندگی کا نام ہے نہ اس کی کرائیت کا نام ہے کیونکہ کرّات (سیارے) تو بہت ہوتے ہیں مگر جو اپنے کوائف پورے کرتا ہے تو تب ستارہ کہلاتا ہے اور اس کا ستارہ ہونا اس کے کوائف کا

نام ہے اس لئے کوئی بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ سورج کو شعاعوں سے تقدمِ زمانی حاصل ہے ہاں یہ بات ہے کہ سورج ہی کے وجود سے کرنوں کا وجود ہوتا ہے اور شعاع سورج کے افاضۂ وجود ہی کا نام ہے اسی لئے میں عرض کرر ہا تھا کہ خاتم الانبیا ئیت سے زیادہ کوئی ذاتِ واجب الوجود کے قریب نہیں ہے اور یہی قربِ حق کا جو پہلو ہے وہ حق سے احکام لیتا ہے اور اپنے پہلوئے نبوت کو دیتا ہے یا یوں سمجھ لیں کہ وحی کا جو عمل تھا وہ اس طرح تھا کہ وحی جسے ایک فرشتہ سمجھا جاتا ہے اس کی حیثیت یہی ہے کہ وہ ان کے باطن سے احکام لیتا تھا اور انہی کے ظاہر کو پہنچاتا تھا

وحی یا روح القدس کوئی فرشتہ یا کوئی ان کا غیر نہ تھا کہ جو ان کیلئے وسیلۂ احکام الٰہی بنے اگر ہم کسی بھی فرشتے کو یا اس سے بھی کسی اعلیٰ مخلوق کو ان کے اور خالق کے مابین وسیلہ مانیں تو پھر وہ ان سے مقدم بھی ماننا پڑے گا اور ان سے نعوذ باللہ افضل بھی قرار پائے گا اور جو بھی یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نور سے کوئی دوسرا افضل ہے اسے جملہ علمائے اسلام مسلمان نہیں کہہ سکتے

اور ان کا جو اتباع کا سلسلہ ہے اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ جناب جو احکامِ الٰہی کی اتباع کرتے تھے تو اس کی حیثیت یہ تھی کہ ان کا ظاہر ان کے اپنے ہی باطن کی اطاعت و اتباع کرتا تھا نہ کہ کسی فرشتے کے لائے ہوئے احکامات کی اتباع کرتے تھے جناب جبریل علیہ السلام کو جو اعلیٰ مقام ملا ہے وہ ان کی خدمت کا ہے نہ کہ انہیں تعلیم دینے کا کیونکہ یہ تو تب سے تھے کہ جب جناب جبریل علیہ السلام کی تخلیق کا کوئی تصور بھی نہ تھا اور یہ انوار پاک صلوات اللہ علیہم اجمعین اس وقت بھی اللہ جل جلالہ سے متعارف تھے اور اس کی تسبیح و تہلیل بھی کرتے تھے اور پورے عالم ملکوت کیلئے وسیلۂ

تعارف وعبادات بھی یہی تھے تو یہاں اس دنیا میں آ کر اپنے ہی پڑھائے ہوئے نوری بچوں کے شاگرد کیسے بن گئے؟ کیا ان نوری بچوں نے ان کے دنیا میں آنے کے بعد کوئی نیا امتحان پاس کرلیا تھا یا کوئی سکالرشپ لے لی تھی یا انہیں ان کے بعد کوئی اور ٹیچر مل گیا تھا کہ جس نے انہیں ان پاک انوارِ الٰہی سے بھی اعلیٰ تعلیم دے دی تھی کیا یہ وہی فرشتے نہیں جو خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے منصب خلافت کے پہلی کے طالب علم سے علم میں مات کھا گئے تھے اور اللہ جل جلالہ نے ان کی انانیت کی بیماری کے خاتمے کیلئے اس پہلی جماعت کے سٹوڈنٹ کے سامنے سجدہ کروا دیا تھا تاکہ پھر نہ کہہ سکیں نحن نسبح بحمدك و نقدس لك یعنی اپنی عبادت کے گھمنڈ میں پھر کسی خلیفۃ اللہ کے مقابلے کا کبھی سوچ ہی نہ سکیں دوستو حقیقت یہ ہے کہ ان کے اور خالق کے مابین خود ان ہی کا ایک ملکہ نور تھا جو وسیلہ تھا نہ کہ کوئی دیگر فرشتہ ہاں فرشتے ان کے دراطہر پہ خدمت کیلئے آتے تھے نصرت کیلئے آتے تھے اور سید الملائکہ جناب جبریل علیہ السلام ان کے دراطہر کے خادم تھے وہ ان کیلئے وسیلہ شہود الٰہی یا وسیلہ معرفت الٰہی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا درجہ ان معاملات میں بہت بعد کا ہے کیونکہ شہود و معرفت کا القابلا واسطہ بالا صالتہ یا حقیقتاً یا بالذات صرف خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو ہو سکتا ہے یا پھر خاتم الاولیا عجل اللہ فرجہ الشریف کو ہوتا ہے اور دیگر انبیا اور رسل سب کچھ مشکوۃِ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے شہود و معرفت الٰہی کو حاصل کرتے ہیں اور انبیائے کل کے واحد وسیلۂ فیضانِ الٰہی خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی ہیں اور وہ ان ہی سے سب کچھ حاصل کرتے ہیں یا جو دیکھتے ہیں یا انوارِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان ہی کی ذات میں اللہ جل جلالہ کا دیدار و مشاہدہ

کرتے ہیں
اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کائنات و عالمِ امکان کیلئے اللہ جل جلالہ کی خلافت مطلقہ وکلیہ کے مالک اصالتاً وحقیقتاً خاتم الانبیاصلی الله علیه و آلہٖ وسلم ہی ہیں باقی انبیا ورسل علیھم السلام حقیقی خلیفۃ اللہ نہیں جناب آدم بھی دراصل خاتم الانبیاصلی الله علیه و آلہٖ وسلم کے خلیفہ تھے
دوستو جس طرح انبیاعلیھم السلام کیلئے وسیلہ ٔفیضانِ الٰہی خاتم الانبیا صلی الله علیه و آلہٖ وسلم ہیں اسی طرح دیگر اولیا واوصیائے اطہار کیلئے وسیلہ ٔفیضان الٰہی خاتم الاولیا وخاتم الاوصیا عجل الله فرجه الشریف ہی ہیں اور سارے اولیا واوصیا اطہار مشکواۃ ختم الاولیاعجل الله فرجه الشریف میں مشاہدہ حق وحقائق کرتے ہیں اور اس خاتم الاوصیا وخاتم الاولیا عجل الله فرجه الشریف کے آئینے میں انوارِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہی جناب ان کیلئے انوار الٰہی کی جلوہ گاہ کا مقام رکھتے ہیں یا یہ ان کیلئے آئینہ توحید نما کا درجہ رکھتے ہیں
اولیائے الٰہی کی دو قسمیں ہوتی ہیں ولیِ محبی ولیِ منصبی یعنی ایک تو وہ ہوتا ہے جو اللہ جل جلالہ سے محبت کرتا ہے اور اللہ جل جلالہ اسے اپنا دوست قرار دے دیتا ہے اور ایک ولی وہ ہوتا ہے کہ جو اس کے امور میں اللہ جل جلالہ کا معاون یا ولیِ کار ہوتا ہے اور جو ولیِ کار ہوتا ہے اسے ولیِ منصبی کہا جاتا ہے اور اولیائے منصبی کے تین درجے ہوتے ہیں
(1) ولی عام (2) ولی خاص (3) ولی اخص ومطلق
(1) ولیِ عام اس وقت ولی بنتے ہیں جب وہ ولایت کی شرائط مکمل کرلیں انہیں

ریاضات سے گزرنا پڑتا ہے کافی محنت کرنے کے ساتھ ساتھ کرمِ الہی بھی شامل ِ حال ہوتا ہے تب یہ مقام ملتا ہے اس کیلیئے مرشدِ کامل اور دیگر بہت سے عوامل کی ضرورت ہوتی ہے

(2) ولیِ خاص وہ ہوتے ہیں کہ جن کی ولایت اکتسابی نہیں ہوتی وہ ولی بنتے نہیں بلکہ ولی ہوتے ہیں اس دنیا میں آنے سے بھی قبل وہ ولی اللہ ہوتے ہیں جیسا کہ شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا تھا

کنت نبیا و آدم بین الماء والطین ()

یعنی جب جناب آدم آب وگل کے مراحل میں تھے تو ہم تب بھی نبی تھے اسی طرح امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تھا

کنت ولیا و آدم بین الماء والطین

یعنی ہم اس وقت سے ولی ہیں کہ جناب آدم مٹی اور پانی کے مابین مراحل تخلیق سے گزر رہے تھے اس فرمان کی وجہ یہی ہے کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بلافصل نائب ہیں اور انا و علیا من نور واحد کا مصداق ہیں اور اسی طرح سارے آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام بھی اس نور واحد ہی سے ہیں اس لئے یہ سارے ازل سے ولی اللہ ہیں اس پہ پھر کبھی بات ہوگی

(3) ولی اخص صرف خاتم الاولیا و خاتم الاوصیا عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ہیں ان کے علاوہ کوئی اس مقام پر فائز نہیں ہے

میں عرض کررہا تھا کہ منصباً ولی عام بھی ہر دور میں ہوتے ہیں اور ان کا مقام بھی بہت اونچا ہوتا ہے مگر انہیں ولایت محنت کرنے کے بعد ملتی ہے جیسا کہ جناب خضر

علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ وہ اس مقام پر پہنچے جہاں سورج ایک چشمے میں ڈوب رہا تھا اور اس کے آگے بحر ظلمات تھا وہاں تاریکی تھی اور ان کے پاس ایک رتن (لعل) تھا کہ جوان کو راستہ دکھاتا تھا اور وہ اس طرح آبِ حیات کے چشمے تک پہنچے اور اس میں سے کچھ پی لیا اور پھر انہیں حیاتِ جاوید مل گئی

دوستو یہ ساری باتیں علامتی طور پر بیان ہوئی ہیں کسے معلوم کہ وہ سورج کیا تھا جو چشمے میں ڈوب رہا تھا؟ وہ چشمہ کس چیز کا تھا؟ اور اس کا جو پانی تھا وہ کیسا تھا؟ اور اس پانی سے یہاں مراد کیا ہے؟ وہ بحر ظلمات کیا تھا؟ اور اُس ظلمت سے کیا مراد ہے؟ کسے معلوم ہے کہ وہ لعل کیا چیز تھی جو تاریکی میں راستہ دکھاتا تھا کہ جس نے آبِ حیات کے چشمے کی طرف رہنمائی کی؟ اور اس آب حیات سے کیا مراد ہے؟ وہ کس طرح پینا پڑتا ہے؟ اور وہ حیات کیا ہے جو ملتی ہے؟

دوستو اس دور میں ہم جانتے ہیں کہ سورج کبھی نہیں ڈوبتا وہ ہماری زمین کے گرد چکر لگاتا ہوا نظر آتا ہے ورنہ خود ہماری زمین اپنے چاند سمیت اس کا چکر لگاتی ہے اور اس دور میں بحر ظلمات کا کوئی تصور بھی موجود نہیں ہے اس دنیا کے ایک ایک انچ پر ریسرچ Research ہو چکی ہے قطبین یعنی قطب شمالی سے انٹارکٹیکا Antarctic تک ساری زمین چھانی جا چکی ہے تو ان باتوں کے اب اسرار کھل رہے ہیں کہ یہ ساری چیزیں علامتی طور پر بیان ہوئی ہیں اور ان کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مقام ولایت کے حصول میں کتنی کٹھنائیاں ہیں اور اگر کسی خوش نصیب کو یہ مقام مل جائے تو پھر اس میں حیاتِ جاوید ہے کہ انسان کو ایسی زندگی مل جاتی ہے کہ پھر وہ کبھی فنا نہیں ہوتا

اس کے بعد ہے منصبی ولایت کا دوسرا عہدہ یہ عہدہ آئمہ اطہار علیہم الصلوات و السلام کے علاوا کسی کو حاصل نہیں ہے اور ہر دور کے اولیائے کرام جو اکتسابی ولی ہوتے ہیں ان کیلئے انوار الٰہی کے مشاہدے کا یہی ذواتِ پاک علیہم الصلوات و السلام ہی وسیلہ ہوتے ہیں کیونکہ یہی ذواتِ پاک صلوات اللہ علیہم اجمعین ان کیلئے بہ منزلت اصل ہوتے ہیں اور وہ اولیائے اکتسابی ان کے سامنے بہ حیثیتِ فرع ہوتے ہیں اور یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ فرع کو جو کچھ ملتا ہے وہ اصل سے ملتا ہے یعنی شاخوں کو غذا بھی پانی بھی جڑ سے ملتا ہے اسی طرح دیگر اولیائے کرام کو انہی کے نور سے روحانیت کی غذا ملتی ہے انوار الٰہی کے آبِ نور سے یہ انہی ذوات پاک صلوات اللہ علیہم اجمعین کے ذریعے سیراب ہوتے ہیں اور جو ان سے منقطع ہو جاتا ہے وہ سوکھی شاخ کی طرح آگ کا ایندھن بنتا ہے اور جو ولیِ اکتسابی ان سے متمسک رہتا ہے وہی سرسبز رہتا ہے پھول پھل لاتا ہے

اور یہ بھی ہے کہ جس طرح ولیِ اکتسابی کیلئے ولیِ خاص بہ منزلتِ اصل ہوتا ہے اسی طرح اولیائے خاص کیلئے خاتم الاولیا و خاتم الآئمہ عجل اللہ فرجہ الشریف بھی بہ منزلت اصل ہیں اور وہ ان کے سامنے بہ حیثیتِ فرع کے ہیں

آپ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام کے بارے میں بہت سی روایات دیکھ سکتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اپنے لختِ جگر یعنی ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کا اسم مبارک آتا تھا تو تعظیماً سرو قد کھڑے ہو جاتے تھے صلوات پڑھتے اور سیدی کے لقب سے یاد فرماتے تھے جیسا کہ صاحبان کتب غیر نے لکھا ہے

اَذِفُ اِلٰی تَقدِیرِ الاَئِمۃُ علیہم الصلوات و السلام کُلُّھُم بِقَیَامِھِم عِندَ ذِکرِ اِسمَہٗ وَ

خَفضَ رَؤُسِهِم وَ وَضَعُوا اَيدِيهِم عليها اِعزَازاً وَ دُعَائُهُم بِتَعجِيلِ الفَرَجِ

یعنی یہ سارے آئمہ ہدیٰ علیھم الصلوات و السلام کے معمولات میں سے تھا کہ جب بھی ان کے سامنے ان کے لخت جگر عجل اللہ فرجہ الشریف کا اسم مبارک لیا جاتا تھا تو وہ فوراً کھڑے ہو جاتے تھے اور اپنے دست مبارک اپنے سر ہائے اطہر پر رکھ لیتے تھے اور انہیں دعائے تعجیل فرج دیا کرتے تھے

یہ ساری باتیں ان کی بناوٹی نہ تھیں بلکہ ان کے منصبِ اعلیٰ کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے کیا جاتا تھا اور یہ باتیں وہ اپنی طرف سے بھی نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کام وہ اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق کرتے تھے کیونکہ حجت کا کوئی فعل ذاتی نہیں ہوتا بلکہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے بس یوں سمجھیں کہ یہ اس مرتبے کی عظمت تھی کیونکہ خاتم الاولیا و اوصیا کا منصب وہ ہے کہ جن کے بعد نہ کوئی حجت ہوگا اور نہ کوئی ولی ہوگا اور ان کی ولایت قیامت تک باقی رہے گی اسی لئے ہم زیارت جمعہ میں پڑھتے ہیں

اللهم هذه بيعة له فی عنقی الیٰ يوم القيامة

یعنی اے اللہ جل جلالہ ہماری گردن میں ان کی بیعت یوم قیامت تک باقی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بیعت قیامت تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت کے بعد بھی باقی رہنا ہے کیونکہ جس طرح جنت اور آخرت کے سارے مقامات پر شریعت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے باقی رہنا ہے اسی طرح ان کے آخری وصی کی ولایت کا سلسلہ بھی قیامت سے ماوریٰ تک چلے گا جس طرح خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور اگر آئے گا تو ان کے ماتحت ہو کر آئے گا اسی طرح خاتم اولیا و

اوصیا عجل الله فرجه الشریف کے بعد کوئی بھی ولی ایسا نہیں آ سکتا جو ان کی ولایت کا ناسخ ہو یا مجدد ہو جو بھی آئیں گے وہ ان کے ماتحت ہو کر آئیں گے اس پہ جو روایات کا ایک سلسلہ ہے وہ بھی پھر کبھی عرض کروں گا

دوستو حقیقت یہ ہے کہ خاتم اولیائیت دراصل خاتم الانبیائیت کا ایک حوالے سے ظاہر بھی ہے اور اس کا باطن بھی ہے جیسا کہ اسمائے الہیہ میں ہے کیونکہ جب اللہ جل جلالہ کا اسم ظاہر ظاہر ہوتا ہے تو اسم باطن اس ظاہر کے باطن میں جلوہ گر ہوتا ہے اور اسم باطن جب نفاذ کرتا ہے تو اسم ظاہر اس کے باطن میں جلوہ گر ہوتا ہے اسم قہار جب نافذ ہوتا ہے تو اسم رحمٰن اس کا باطن ہوتا ہے اور جب اسم رحمٰن نافذ ہوتا ہے تو اسم قہار اس کا باطن ہو جاتا ہے اسی طرح جب خاتم الانبیائیت کا نفاذ ہوتا ہے تو خاتم الاولیائیت اس کا باطن ہوتی ہے اور جب خاتم اولائیت کا ظہور ہوتا ہے تو خاتم الانبیائیت اس کے باطن میں جلوہ گر ہوتی ہے اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے بچوں کے سامنے اپنی ماں کے دو روپ ہوتے ہیں ایک وہ ہوتا ہے کہ جو مامتا کہلاتا ہے اور دوسرا اس کا غصہ ہوتا ہے جب غصہ ظاہر ہوتا ہے تو ماں کی مامتا اس کے باطن میں جلوہ گر ہوتی ہے اور جب اس کی مامتا کا اظہار ہوتا ہے تو اس کا غصہ باطن کے کسی گوشے میں مخفی ہوتا ہے اسی طرح خاتم الاولیائیت اور خاتم الانبیائیت ایک دوسرے کے باطن میں ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے بلکہ یہ ایک ہی تصور کے دو رخ ہیں اسی لئے خاتم الاولیائی کی حیثیت خاتم الانبیائی کی حیثیت سے کم ہونا لازم نہیں ہے کیونکہ خاتم الاولیاؑ کی حیثیت اگر ایک لحاظ سے خاتم الانبیاؑ سے کم ہے تو ایک طرح سے زیادہ بھی ہے جیسا کہ جڑ کا درجہ ایک لحاظ سے باقی شجر سے زیادہ بھی

ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے یعنی بقا و وجود کیلئے جڑ کا درجہ زیادہ ہوتا ہے مگر پھول پھل لانے کے لحاظ سے اس کا درجہ باقی شجر سے کم ہوتا ہے

ایک اور طرح سے دیکھیں اگر چہ اصل (جڑ) درخت کی زندگی ہوتی ہے مگر اس کا تعلق صرف شجر تک ہوتا ہے اس کی افادیت شجر تک محدود ہوتی ہے اس کا دائرہ افادیت باہر کی دنیا تک نہیں پھیلا ہوا ہوتا کیونکہ شجر کی عمومی افادیت وہ ہے جس کا تعلق اس کے غیر سے ہوتا ہے یعنی پھول پھل سایہ وغیرہ اور انسان کیلئے جڑ مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ وہ شجر ہوتا ہے اور اس کے پھل پھول وغیرہ ہوتے ہیں اسی طرح یہ افادیت جس کا تعلق عوام یا کائنات سے ہے وہ خاتم الاولیائیت کے حصے میں آئی ہے کیونکہ انہوں نے اس پوری کائنات پر اللہ جل جلالہ کے دین کو ظاہر و غالب فرمانا ہے اور اس وقت بھی خاتم الانبیائی ان کے باطن میں ہوگی اور وہ ان سے جدا نہ ہوگی اسی لئے تو فرمایا گیا تھا کہ ہم میں تفریق نہ کرو کہ یہ باپ ہے یہ بیٹا ہے بلکہ ہمارے اول اوسط آخر کل سب ایک ہی ہیں اس لئے اپنے اپنے لحاظ سے ہر مرتبۂ ذات وظہور وشعوب اپنے اپنے مقام پر ایک دوسرے سے کم بھی ہیں اور زیادہ بھی ہیں اس لئے خاتم الاولیائیت خاتم الانبیائیت سے ایک لحاظ سے بلند بھی ہے کیونکہ یہ اس کا پھل ہے اس کا نتیجہ ہے

دیکھیں اسی حیثیت سے اللہ جل جلالہ نے خاتم الانبیائیت کو دنیا کا اختتام قرار نہیں دیا بلکہ وہ خاتم الاولیا عجل الله فرجه الشريف ہیں کہ جن کے بعد قیامت ہے اس دنیا نے باقی ہی نہیں رہنا لاکھوں نبی ولی آئے واصل الی اللہ ہو گئے قیامت نہیں آئی کیونکہ خاتم الاولیا ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہیں کہ جنھوں نے اختتام کا اعلان

فرماناہےانہی کے زمانے میں مخلوق کی فائل وائینڈاپ Wind Up ہوجائے گی یہاں ایک قلندرانہ بات کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خاتم اولیائیت کی جڑ اوراصل خاتم الانبیائیت ہے اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاتم الانبیائیت کی اصل و جڑ کون ہیں؟

دوستو خاتم الانبیائیت کی اصل و جڑ خاتم العصمت صلوات الله علیها ہیں

آپ دیکھیں یہ معظّمہ کونین صلوات الله علیها شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف کی تو ویسے بھی ام واصل ہیں کیونکہ ان کی والدہ ماجدہ ہیں اور شہنشاہ انبیا صلی الله علیه و آلہٖ وسلم نے بھی فرمادیا کہ یہ ام ابیھا ہیں یعنی یہ تو اپنے بابا پاکؐ کی ام واصل ہیں اس طرح خاتم الانبیا صلی الله علیه و آلہٖ وسلم کی اصل عصمت اللہ صلوات الله علیها ہیں

دعا کریں اب اس پاک گھر کے جاہ جلال کا اظہار ہو خلاقِ کائنات حکومتِ الٰہیہ کا جلدی قیام فرمائے اور اس کائنات پر محمدؐ و آلِ محمدؐ علیهم الصلوات و السلام کے فضائل و مراتب کا ایسا اظہار ہو کہ جس کی چکا چوند میں دشمن کا نام ونشان باقی نہ رہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاھرین المعصومین

جناب خاتم الائمہؑ

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اَلا اِنَّ خَاتِمَ الائمَّةِ مِنَّا المَهدِى صلوات الله عليه وعجل الله فرجه الشريف

اے مشتاقانِ طلعت رخ بیضا

آپ ایک سلسلے کے ساتھ مسلسل منسلک آ رہے ہیں اور وہ ہے میرے شہنشاہ معظم میرے مالک مطلق عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ پہ گفتگو کا سلسلہ اور میں نے کل یہ بیان کیا تھا کہ خاتم الاوصیا و خاتم الاولیا ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہیں اور ان اسمائے مبارکہ کے معنی کیا ہیں اس پہ کل اختصار کے ساتھ کچھ عرض کیا تھا مگر آج ہمارے سامنے ایک اور اسمِ مبارک ہے جو ہے

خاتم الآئمہ عجل الله فرجه الشريف

دوستو اس اسم مبارک پہ جب ہم نگاہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ دو لفظوں سے

مرکب ایک اسم مبارک ہے اس میں ایک لفظ ہے ُخاتم '' اور دوسرا لفظ ہے
'' آئمہ '' آئمہ امام کی جمع ہے سب سے پہلے میں لفظ آئمہ پہ روشنی ڈالوں گا تا کہ
آپ کو میری بات کے سمجھنے میں سہولت ہو
جب ہم کلام الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں تو اس میں ہمیں اماموں کی دو قسموں کا ذکر ملتا
ہے
(1) وہ امام جو آئمہ ُضلال ہیں یعنی گمراہ کرنے والے ہیں ان کے بارے میں
ارشاد ہے
وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ
یعنی ہم نے کچھ ایسے امام بنائے ہیں (یا قرار دئے ہیں) جو لوگوں کو جہنم کی طرف
دعوت دیتے ہیں
(2) وہ امام ہوتے ہیں کہ جو آئمہ ُہدیٰ ہوتے ہیں یعنی جو حق کی طرف دعوت دیتے
ہیں جیسا کہ ارشاد ہے
وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ ( )
ہم نے کچھ ایسے امام بنائے ہیں جو ہمارے امر کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں اور ہم
انہیں فعل الخیرات کی وحی بھی فرماتے ہیں
یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ جب میں نے ابتدائی دور میں کلام الٰہی کی
تلاوت کا شرف پایا تھا تو اس وقت مجھے کافی باتیں عجیب سی لگی تھیں ان میں سے ایک
یہی مسئلہ امامت تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے جب یہ دیکھا کہ امام حق تو اللہ جل جلالہ
کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں اور وہ منصوص من اللہ ہوتے ہیں لیکن جب یہ بات

دیکھی کہ گمراہ کرنے والے امام بھی اللہ جل جلالہ ہی کی طرف سے آتے ہیں تو مجھے عجیب سا لگا کیونکہ میں یہ سوچتا تھا کہ اللہ جل جلالہ تو صرف ہدایت کا کام کرتا ہے اور گمراہی کا کام کوئی اور کرتا ہے یعنی ابلیس یا کوئی حق مخالف طاقت ہی یہ کام کرتی ہے یہ بات میرے ذہن میں الجھن ہی رہی اور میں اسی کی تاویلیں سوچتا تھا مگر دل مطمئن نہ ہوتا تھا اس کے بعد جب مجھے اناجیل خمسہ یعنی [انجیل متی، انجیل لوقا، انجیل مرقس، انجیل یوحنا، انجیل برنا باس] کی تلاوت کا اعزاز حاصل ہوا تو وہاں جا کر میری یہ الجھن دور ہوئی اس میں یہ تھا کہ جب جناب عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے تشریف لے جانے کی خبر دے رہے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے بعد اللہ جل جلالہ کئی جھوٹے نبی مبعوث فرمائے گا تم لوگ ان سے غافل نہ رہنا اس پر کسی نے عرض کی ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ سچے نبی تو اللہ جل جلالہ مبعوث فرماتا ہے مگر کیا جھوٹے نبی بھی وہی مبعوث فرماتا ہے؟ یہ سن کر جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہاں جھوٹے نبی بھی اللہ جل جلالہ ہی بھیجتا ہے اور وہ اس لئے بھیجتا ہے کہ جن لوگوں نے سچے نبی کا کہنا نہیں مانا ہوتا انہیں سزا کے طور پر جھوٹے نبی کو منوایا جاتا ہے اور حق کے انکار کے جرم میں ان تکذیبِ حق کرنے والوں پر جھوٹے نبی مسلط فرما دیئے جاتے ہیں (خلاصہ عرض کیا ہے)

یعنی اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ ہم نے کئی ایسے امام بنائے ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور حق کا انکار کرنے والے انہیں امام بنا لیتے ہیں اور وہ انہیں آرام سے جہنم پہنچا دیتے ہیں

() آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام

آئمہ ہدیٰ کی دو قسمیں ہیں (i) امامت صغریٰ (ii) امامت کبریٰ

امامت کبریٰ کا مالک جو امام ہوتا ہے وہ تکوین وتشریع میں با اختیار ہوتا ہے کہ جس موقعہ پہ جو حکم نافذ فرما دے اور کسی بھی سابقہ حکم کو منسوخ فرما دے کیونکہ وہ ماتشاؤن کا مصداق ہوتا ہے اس لئے اسے ہر بار اللہ جل جلالہ کے حکم کا انتظار نہیں کرنا پڑتا بلکہ سب کچھ خود اس کی صوابدید پر ہی ہوتا ہے

دیکھئے امامت کبریٰ اور نبوت میں یہی فرق ہوتا ہے کہ نبی کسی معاملے میں اللہ جل جلالہ کے حکم کے انتظار کے بغیر فوراً جواب دے دے تو وہ نبی نہیں ہوتا اور امام اگر توقف فرمالے اور اللہ جل جلالہ کے حکم کا انتظار کرے تو وہ امام و حجت نہیں ہوتا

الحجة من لا یقول لا ادری

امامت صغریٰ وہ امامت ہوتی ہے جو کسی امام کے ماتحت ہوتی ہے اس امامت صغریٰ کے دو وجود ہوتے ہیں (ا) وجودِ صامت (ب) وجودِ ناطق

وجود صامت ہمیشہ کتب کو حاصل ہوتا ہے جیسا کہ آسمانی کتابوں میں سے بعض کتابوں کو امامِ صامت کا درجہ حاصل تھا جیسا کہ ارشاد ہے

و من قبله کتاب موسیٰ اماما رحمة

جناب موسیٰ علیہ السلام کی کتاب رحمت بھی تھی اور امام بھی تھی اسی طرح قرآن بھی امام ہے مگر یہ امامِ صامت ہے اس لئے یہ امام کے ماتحت ہی رہتا ہے کیونکہ اس کی امامت امامتِ صغریٰ ہوتی ہے

امامتِ صغریٰ کا مقام گویا نقابت کا ہوتا ہے اور اس کا مکمل انحصار امامت کبریٰ پر ہوتا ہے جس طرح کلامِ الٰہی کا مکمل انحصار وجود نبی پر ہوتا ہے کہ جو اس کی تاویل وتفسیر کو موقعہ ومحل کے مطابق بیان کرتا ہے

وجود ناطق

امام ناطق کی دو قسمیں ہوتی ہیں (۱) امامِ ناطق اصغر (۲) امامِ ناطق اکبر

ہر زمانے میں امام ناطقِ اکبر ایک ہوتا ہے اس کے زمانے میں جتنے امامِ ناطق ہوتے ہیں وہ ناطقِ اصغر ہوتے ہیں جیسا کہ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کے زمانے میں تین اور امام بھی تھے یعنی پاک حسنین اور امام زین العابدین علیھم الصلوات و السلام یہ سارے پاک امامِ اصغر تھے اور حکم صرف زمانے کے امام کا چلتا تھا اور باقی ان کے ماتحت تھے امامت صغریٰ جو ہے وہ ایک طرح سے قرآنِ ناطق کا درجہ بھی رکھتی ہے اور منصوص بھی ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی پاک اولاد علیھم الصلوات و السلام میں امامت کا ہونا ثابت ہے

اس کے بارے میں کئی روایات ہیں کئی ادعیہ وزیارات ہیں کہ جن میں ہمیں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے فرزندان گرامی کی امامت کا ثبوت ملتا ہے مثلاً

توقیع مبارک میں جو صلوات صادر ہوئی تھی اس کا ایک فقرہ ہے

وَ صَلِّ عَلٰی وَلِیِّکَ وَ وُلاۃِ عَھدِہٖ وَ الاَئِمَّۃِ مِن وُلدِہٖ وَ مُدَّ فِی اَعمَارِھِم وَ زِد فِی اَجَالِھِم وبَلِّغھُم اَقصیٰ اٰمَالِھِم دِیناً وَ دُنیاً وَ آخِرَۃً اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیر () (غیبت طوسی، بحار الانوار)

یعنی اللہ جل جلالہ تو اپنے ولی مطلق عجل اللہ فرجہ الشریف پر صلوات پڑھ اور ان کی اولاد طیب علیھم الصلوات و السلام میں سے جو مقام ولایت پر فائز ہیں اور جو مسند امامت کے حامل ہیں ان پر بھی صلوات پڑھ اور ان کی حیات طیبہ اور اجال میں زیادتی فرما اور ان کی دینی و دنیاوی اُخروی اعلیٰ ترین آرزوں کی تکمیل فرما یا بیشک تو ہر چیز پر

کلی قادر ہے

ایک اور زیارت جو ہم وداع سرداب مبارک کے وقت پڑھتے ہیں کہ جہاں ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف نے غیبت اختیار فرمائی تھی وہاں ہم عرض کرتے ہیں

وَ صَلِّ عَلیٰ وَلِیُکَ وَ وُلاۃِ عَھدکَ وَ الاَئِمَّۃِ مِن وُلدِہٖ () (بحار الانوار ج 102)

لاکھوں درود وسلام ہوں تیرے ولی امر پر اور تیرے اس زمانے کے ان اماموں اور ولیوں پر کہ جو ان کی اولاد طاہرین صلوات الله علیهم اجمعین میں سے ہیں

شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشریف کی وہ زیارت جو ہم روز جمعہ کو پڑھتے ہیں یعنی زیارت روز جمعہ میں بھی اسی طرح ہے کہ

اَلسَّلامُ عَلیٰ وُلاۃِ عَھدِہٖ وَ عَلَی الاَئِمَّۃِ مِن وُلدِہٖ () (بحار الانوار ج 102)

لاکھوں درود وسلام ہوں شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف عہد مبارک کے ان اولیا اور اماموں پر کہ جو ان کی اولاد طیبین صلوات الله علیهم اجمعین میں سے ہیں

وہ صلواتِ روز جمعہ جو امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کیلئے مرقوم ہے اور بڑی مفصل ہے اس میں ہے کہ

اَللّٰھُمَّ کُن لِوَلِیّکَ ...... وَ تَجعَلَہٗ وَ ذُرِیَّتَہٗ فِیھَا الاَئِمَّۃَ الوَارِثِینَ ()

(بحار الانوار ج 89نجم الثاقب)

کہ اے رب ذوالجلال والاکرام اپنے ولی امر عجل اللہ فرجہ الشریف پر دورد بھیج اور انہیں اور ان کی اولاد پاک کو امام قرار دے اور انہیں اس زمین کا وارث بھی بنا دے

اس میں اللہ جل جلالہ کے ایک وعدے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اس ذات لا یخلف المیعاد نے وعدہ فرمایا تھا

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ......(سورہ قصص5)

ہم ان لوگوں پر احسان کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ جنہیں اس زمین پر کمزور سمجھا گیا ہم چاہتے ہیں کہ انہیں امام بھی بنائیں اور زمین کے وارث بھی قرار دیں' اس بات پر غور کرنا ہے کہ پہلے وہ امام بنائے جائیں گے اس کے بعد انہیں زمین کا وارث قرار دیا جائے گا

اس آیت کے بارے میں جناب ابی جعفرؑ یعنی امام محمد باقر علیہ الصلوات و السلام اور ابو عبداللہ الجعفرؑ الصادق علیہ الصلوات و السلام ان دونوں ذوات نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے آخری لختِ جگر عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو تمام جباروں اور فرعونوں کو ہلاک کر ڈالیں گے اور خود زمین کے شرقاً اور غرباً مالک ہو جائیں گے

شبِ نیمہ شعبان 255 ہجری میں جب نزول نورِ الٰہی ہوا تو جناب ابو محمد حسنؑ العسکری علیہ الصلوات و السلام نے اپنے لختِ جگر عجل اللہ فرجہ الشریف کو ہاتھوں پہ اٹھا کر فرمایا کہ اے لختِ جگر آپ کچھ کلام فرمائیں' تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی

ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ آیت جس میں امامت کا وعدہ ہے وہ ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں ہے اور وارثین سے مراد ان کے وہ فرزندانِ گرامی ہیں کہ جو درجاتی لحاظ سے ان کے بعد کے امام ہیں اور اس آیت

کو ایک مرتبہ پھر دیکھیں کہ "ہم ان لوگوں پر احسان کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ جنہیں اس زمین پر کمزور سمجھا گیا ہم چاہتے ہیں کہ انہیں امام بھی بنائیں اور زمین کے وارث بھی قرار دیں"

اس بات پر غور کرنا ہے کہ انہیں پہلے زمین پر کمزور کر دیا گیا یہاں تک کہ اس انسان کی مسکونہ زمین پر انہیں رہنے کا حق تک نہ دیا گیا اس کے بعد وہ جزائرِ غیر معروفہ میں رہنے پر مجبور ہوئے اور اس آیت کے مطابق انہیں پہلے امام بنایا جائے گا اس کے بعد انہیں زمین کا وارث قرار دیا جائے گا

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی اولاد اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین کے مقام کو واضح کرنے کیلئے ہمیں اس دعا کی طرف رجوع کرنا ہوگا کہ جو امام رضا علیہ الصلوات و السلام نے تعلیم فرمائی تھی اور زمانہ غیبت میں اس کے پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اس میں ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی اولاد اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین موجود بھی ہے اور ان میں اولیا و امامت کا سلسلہ جاری ہے اور ساتھ ہی ان کی عظمت و فضائل پر بھی روشنی پڑتی ہے جیسا کہ فرمایا گیا تھا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ وُلاۃِ عَھدِہٖ وَ الاَئِمَّۃِ مِن بَعدِہٖ () فَاِنَّھُم مَعَادِنُ کَلِمَاتِکَ وَ خُزَّانُ عِلمِکَ وَ دَعَائِمُ دِینِکَ وَ وَ لاۃِ عَھدِکَ وَ خَالِصَتُکَ مِن عِبَادِکَ وَ صَفوَتُکَ مِن خَلقِکَ وَ اَولِیَائِکَ وَ سَلائِلُ اَولِیَائِکَ وَ صَفوَۃَ اَولادِ نَبِیِّکَ وَالسَّلامُ عَلَیھِم وَ رَحمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ () الاسبوع سید علی بن طاوس ؒ

اے پروردگار عالم تو اپنے ولی امر عجل اللہ فرجہ الشریف پر درود پڑھ اور ان کی اولاد طیب میں سے جوان کے عہد کے ولی ہیں اور درجاتی لحاظ سے ان کے بعد کے امام

ہیں ان پر بھی صلوات بھیج بیشک وہ تمہارے کلمات کی کانیں ہیں اور تمہارے علم کے خزانے ہیں اور تمہارے دین کے قیام کے ستون ہیں اور جو تمہارے عہد کے ولی الامور ہیں اور جو تیرے مخلص عباد ہیں اور جو تمہاری مخلوق میں سے اصفیا ہیں اور تمہارے اولیائے عظام صلوات اللہ علیہم اجمعین کے فرزندان ہیں اور تمہارے نبی کی اولاد میں سے منتخب شدہ افراد ہیں ان پر ہمارا سلام ہو اور اللہ جل جلالہ کی رحمۃ و برکات کا ان پر نزول ہو

دوستو ایک بات یہاں عرض کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم جزائر خضرا کی مصلحت کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ جزائر خضرا کی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ اس دنیا کے جس گوشے میں بھی رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں اور اللہ جل جلالہ کی طرح اس ظالم انسان کے دست برد سے ہمیشہ محفوظ ہیں کیونکہ ان کی حفاظت خود اللہ جل جلالہ فرما رہا ہے اور ان کی حفاظت ہی گویا اس پوری کائنات کی حفاظت ہے کیونکہ وجودِ حجت ہی کائنات کی بقا اور سلامتی کا ضامن ہے ورنہ یہ کائنات اور پورا عالم امکان ایک نانوسیکنڈ Nanosecond میں تباہ و فنا ہو جائے ہاں اگر جزائر خضرا کی ضرورت تھی تو ان کی پاک اولاد اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین کیلئے تھی کیونکہ انہیں ایک ایسی سرزمین کی ضرورت تھی کہ جہاں یہ پاک سلسلۂ اولاد بڑی آزادی اور شاہی طمطراق کے ساتھ جاری و ساری رہ سکے اور ان میں کوئی ایک فرد بھی کسی ایسے ملک میں نہ ہو کہ جہاں ان کے اپنے پاک خاندان کے علاوہ کسی اور کی حکومت ہو یا جہاں ان پر کسی قسم کی پابندی ہو یا جہاں انہیں ان کے شایانِ شان عزت اور مقام نہ مل سکے اور اس دنیا

میں تو ایسا مقام ملنا ناممکن تھا کیونکہ اس دنیا کے مسلمان ہی ان کی جان کے دشمن ہیں اور دیگر اقوام کا تو اس سے بھی مختلف رویہ ہوتا اور نام لینے والے اور ان کے اجداد طاہرین علیھم الصلوات و السلام کا کلمہ پڑھنے والے تو پھر وہی سلوک کرتے جو انہوں نے ان کے آبائے طاہرین صلوات اللہ علیھم اجمعین کے ساتھ کیا تھا اس لئے لازم تھا کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اپنی پاک اولاد کیلئے کوئی ایسا جزیرہ منتخب فرمائیں جہاں ان کی پاک اولاد کو مکمل آزادی ہو مکمل عزت و احترام میسر آئے اور وہ وہاں دنیا کی ساری پریشانیوں سے آزاد رہ کر اپنے بابا پاک عجل اللہ فرجہ الشریف کے مشن کی تکمیل کیلئے جدوجہد فرمائیں اور وہاں جو اولاد ہے اس کا جب ہم ایک اندازہ کرتے ہیں تو یہ بات کہنے میں کوئی تامل نہیں کرنا پڑتا کہ ان کی تعداد ہزاروں میں نہیں ہوگی بلکہ لاکھوں کروڑوں میں ہوگی کیونکہ اگر ہم پچیس پشتیں فرض کریں اور ان کی ہر پشت کو اول سے دہرا کرتے جائیں تو یہ سلسلہ کروڑوں تک چلا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر سادات کو یہاں بے دریغ شہید نہ کیا جاتا تو اس دنیا میں بھی سادات کی آبادی کا یہی عالم ہوتا مگر وہاں تو اللہ جل جلالہ کی مکمل حفاظت میں سب کچھ ہو رہا ہے اور وہاں ان کی اپنی اولاد کیلئے بھی اولیا و آئمہ معصومین کی ضرورت ہے اس لئے وہاں سلسلۂ امامت جاری ہے اب یہ تو ہم نہیں بتا سکتے کہ ان میں سے کتنے امام ہوں گے اور یہ بھی بتانا فی الحال مشکل ہے کہ کتنے دور غیبت میں جزائر خضرا میں امام ہوئے اور کتنے خروج کے بعد امام ہوں گے مگر ان کی امامت ثابت ہے کہ وہ ہوں گے ضرور اور ان میں سے کچھ امام ہوں گے اور کچھ ولی بھی ہوں گے یعنی ان کی امامت کے ساتھ ولایت بھی ثابت ہے یعنی کچھ امام ہوں گے اور کچھ ان

آ ئمہ ہدیٰ علیھم الصلوات و السلام کے ولی و وصی ہوں گے

اب جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کی اولاد میں سلسلۂ امامت جاری ہے تو یہاں یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کلی طور پر خاتم الآ ئمہ نہیں بلکہ وہ دو طرح سے خاتم الآ ئمہ ہیں

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ بہ ایں معنی خاتم الآ ئمہ ہیں کہ وہ خاتمِ امامت کبریٰ ہیں

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خاتم آ ئمہ ضلال ہیں کیونکہ وہ خَاتِم یعنی خاتمہ فرمانے والے ہیں تو وہ باطل کے اماموں کا خاتمہ فرمانے والے ہیں جیسا کہ کلام الہی میں کئی آیات ایسے ہیں کہ جن کی جزوی تاویل وتفسیر ماضی میں ہو چکی ہے مگر کلی تاویل وتفسیر ظاہر نہیں ہوئی ان میں سے ایک یہ آیت ہے کہ جس میں فرمایا گیا ہے

وَإِن نَّكَثُواْ أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُواْ فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُواْ أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لاَ أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ......(سورہ توبہ 12)

اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ چکے ہیں اور آپ کے دین کے بارے میں طعنہ زنی بھی کرتے ہیں تو پھر ان کفر کے اماموں کو فی النار کرو تا کہ یہ اپنی انتہا (انجام) کو پہنچ جائیں

یہ بات ماضی میں بھی ہوئی مگر ان قسموں کو توڑنے والے یعنی جو اللہ جل جلالہ کے میثاق کے عہد کو توڑنے والے ہیں اور پھر وہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کے دین کے بارے میں کئی کئی باتیں کرتے ہیں اور کئی بکواسات بکتے ہیں یہی تو آ ئمہ کفر ہیں اور ان کا مکمل خاتمہ جب تک نہ ہوگا اس وقت تک اس دنیا پہ اللہ جل جلالہ کے دین کو غلبہ و اظہار حاصل ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کام ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف

کے ہاتھوں مکمل ہونا ہے اوراس حوالے سے وہ خاتم آئمہ ہیں دوسری صورت یہ ہے
کہ وہ امامت کبریٰ کے خاتم یعنی اختتام فرمانے والے ہیں اوراظہاردین کیلئے بھی
آئمہ ضلال کا خاتمہ ضروری ہے جب تک ایک بھی گمراہ امام رہا دین حق کا نفاذ
ناقص ہوگا اس لئے ان کا خاتمہ کرنا لازم ہے

دوستو آپ کل والی گفتگو کو ایک بار پھر دیکھیں کیونکہ اس سے قبل میں عرض کر چکا ہوں
کہ اولیائے منصبی کہ جو اللہ جل جلالہ کے معاونِ کار اور ولی الامر ہوتے ہیں اور اس کی
نیابت میں امورِ دنیا کو انجام دیتے ہیں ان کے تین درجے ہوتے ہیں

(1) عمومی اولیا جیسا کہ جناب خضر علیہ السلام کی مثال دی تھی

اس کے بعد ہیں

(2) اولیائے خصوصی یعنی آئمہ ہدیٰ علیهم الصلوات و السلام

(3) تیسرا درجہ تھا ولی مطلق واخص کا

ولی اخص صرف خاتم الاولیا و خاتم الاوصیاء عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ہیں ان کے علاوہ
کوئی اس مقام پر فائز نہیں ہے اسی لئے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فخریہ
فرمایا تھا کہ اَلَا اِنَّ خَاتِمَ الائمَّةِ مِنَّا المَهدِی صلوات الله علیه وعجل الله فرجه الشریف
یاد رہے ”الا“ کا استعمال جن حیثیتوں سے ہوتا ہے اس میں ایک افتخار یہ بھی ہے یعنی
فخریہ فرمایا سنو خاتم الآئمہ عجل الله فرجه الشریف بھی ہم میں سے ہیں

یہاں یہ بات تو بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کبھی بھی کوئی باپ اپنے سے کم مرتبے
والے بیٹے پر فخر نہیں کرسکتا یعنی باپ ہائی کمشنر ہو اور اس کا بیٹا تحصیل دار ہو اور وہ یہ
بات فخریہ کہے کہ میں فلاں تحصیل دار کا باپ ہوں، اسی سے اپنے شہنشاہ معظم عجل اللہ

فرجه الشریف کا مرتبہ سمجھیں کہ ان پر خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فخر کر رہے ہیں تو آخر وہ کچھ تو ہیں ...... پھر اسی کے آخر میں فرمایا

اَلَا اِنَّہٗ بَاقِیُ حُجَّۃٍ وَلَا حُجَّۃَ بَعدَہٗ

فرمایا سنو وہ حجت کو باقی رکھنے والے بھی ہیں اور ان کے بعد کوئی حجت ہی نہیں ہے یعنی زمانی اعتبار سے ان کے بعد حجت کا کوئی تصور موجود ہی نہیں ہے ہاں درجاتی لحاظ سے انہی کے فرزندانِ اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین امام و اولیا ہوں گے مگر وہ ان کے ماتحت ہوں گے اور وہ ان کے آئینہ ختم اولیائیت میں مشاہدۂ انوارِ الٰہی فرمائیں گے

سچ تو یہ ہے کہ خاتم ہو بھی وہی سکتا ہے کہ جو سب سے اس منصب میں اشرف ہو یہاں کسی شخص کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف باقی اجداد طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین سے افضل ہیں، ایسا کچھ نہیں ہے کیونکہ من حیث الذات یہ ایک ہی ذات ہیں ایک مرتبہ و شان کے مالک ہیں مگر ان ذوات نے اپنا اظہار جزوی فرمایا ہے اور ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو اپنی ذات کے اظہار کا بھرپور موقعہ ملنا ہے اس لئے یہ سارے اجداد طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے جامع بن کر ظاہر ہوں گے

آپ جانتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام جب تشریف لائے تو وہ انسانی زندگی کے کسی نہ کسی شعبۂ حیات کیلئے ٹیچر Teacher بن کر آئے اور کسی ایک نبی میں پوری انسانیت کے جملہ شعبہ ہائے حیات کی جامعیت نہ تھی بلکہ خاتم انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی ایک جامع نمونہ حیات بن کر تشریف لائے کہ جن کی تبلیغ

میں انسانی زندگی کا کوئی شعبہ یا گوشہ فروگزاشت نہیں کیا اسی طرح باقی آئمہ ٔ ہدیٰ علیہم السلام بھی جزوی جزوی تعلیمات لے کرتشریف لائے مگر دین کو مکمل شکل میں پوری کائنات پر نافذ کرنا ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا کام ہے

آپ جانتے ہیں کہ تیئیس 23 سال میں قرآن کا نزول ہوتا رہا اور اس میں آیات منسوخ ہوتے رہے مگر شریعت باقی رہی اسی طرح 260 سال میں امامتیں منسوخ ہوتی رہیں مگر امامت باقی رہی وہ منسوخ نہیں ہوئی جیسے خوب سے خوب تر کا ایک عمل ہوتا ہے یا بہتر سے بہترین کا ایک عمل ہوتا ہے اسی طرح سے یہ عمل جاری رہا مگر اللہ جل جلالہ کا آخری فیصلہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ہیں کہ جو کبھی منسوخ نہیں ہونا

دیکھئے عہدہ ٔ امامت من اللہ ہوتا ہے مگر اس کا تعلق عوام کے ساتھ ہوتا ہے یا یوں سمجھیں کہ ان پاک ذوات کی ذات میں امامت کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ امامت ان کیلئے باعث فخر نہیں ہے بلکہ یہ ذاوت ہی منصب امامت کیلئے باعث فخر ہیں یہ امامت پر فخر نہیں کر سکتے بلکہ امامت ان پر فخر کرتی ہے کیونکہ عہدہ ٔ امامت ان کی ذات کا حصہ نہیں ہوتا بلکہ مخلوق کی ضرورتِ ہدایت کو دیکھتے ہوئے اللہ جل جلالہ انہیں امامت کو قبول کرنے کا حکم فرماتا ہے اور امامت کا ان کی حقیقتِ ذات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہاں جو ہم آئمہ کی درجہ بندی کرتے ہیں تو وہ ان کی ذات میں نہیں ہوتی کیونکہ یہ ذات میں تو ایک واحد الاصل حقیقت ہیں ان میں ذرا برابر فرق نہیں ہوتا یہ درجہ بندی ان کے اظہار کے لحاظ سے ہوتی ہے کہ کس ذات نے اپنی باطنی نورانیت کا کتنے فیصد اظہار فرمایا ہے

اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک بہت بڑے ملک کا ایک بادشاہ ہواور وہ اپنے ملک کا مالک ایک بیٹے کو کرے اور کہے کہ تم اس ملک کے عوام کو جتنا فائدہ پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ پھر وہ بیٹا اس ملک کے لوگوں میں ایک من فی کس کے حساب سے گندم بانٹ دے اورایک اشرفی فی کس کے حساب سے ماہانہ تقسیم کرتا رہے ایک سال کے بعد دوسرا بیٹا مالک بنایا جائے اور وہ دو من گندم فی کس دے اور دو اشرفی ماہانہ سب کو دے اسی طرح جب اس کا بارہواں بیٹا حاکم بنے تو وہ بارہ من گندم اور بارہ اشرفیاں فی کس تقسیم کرے

اب یہاں ان میں جو درجہ بندی ہوگی وہ ان کے اختیارات کے حوالے سے نہ ہوگی کیونکہ سارے ایک ملک کے مالک تھے مگر انہوں نے عوام کو فائدہ جو دیا ہے اس میں درجہ بندی ہوسکتی ہے کہ کس نے کتنے فی صد فائدہ پہنچایا ہے بلاتشبیہ آئمہ ہدیٰ علیهم السلام نے اپنے اپنے دور میں مخلوق کو فائدہ پہنچایا ہے اور تبلیغ دین کی ہے مگر انہیں جو حکم تھا وہ یہ تھا کہ لوگوں کے مزاج کو دیکھ کر تبلیغ فرمائیں کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم کہ لوگوں کے عقل کو دیکھ کر کلام فرمائیں مگر ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف مزاج خلق کو نہ دیکھیں گے بلکہ مزاج حق کو دیکھتے ہوئے نفاذ حق فرمائیں گے اور خلق کی پرواہ نہ فرمائیں گے اور مخلوق کے قوت برداشت کی آخری حد تک پہنچ کر کلام فرمائیں گے حتیٰ کہ ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ آپ ایک کلام فرمائیں گے کہ تین سو تیرہ اصحاب میں سے بھی صرف بارہ برداشت کرسکیں گے باقی اس بات کو برداشت نہ کرسکیں گے اور وہ بارہ سید ہوں گے

گویا شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشریف پر اظہار باطنیت کا خاتمہ ہے کہ یہ اظہار کی آخری

حدتک اظہار فرمائیں گے اور ان کے بعد جو امام ہوں گے وہ ان کی اولاد میں سے ہوں گے اور وہ ان کے ماتحت ہوں گے اور وہ ان کے آئینہ و مشکواۃ خاتم الائمیت میں انوار توحید کا مشاہدہ فرمائیں گے

اب ہم ایک منزل کی طرف بڑھتے ہیں دوستو شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کا یہ جو اسم مبارک ہے اس کی دو صورتیں ہیں

(1) خَاتِمُ الاَئِمَّہ عجل اللہ فرجہ الشریف

(2) خَاتَمُ الاَئِمَّہ عجل اللہ فرجہ الشریف

خاتِم اور خاتَم میں یہی فرق ہے کہ خَاتِم کیمعنی ہیں اختتام یا تکمیل فرمانے والا خَاتَم کہتے ہیں آخری مہر کو یعنی یہ کتابِ مراتب کی آخری مہر یا Sign ہیں کہ جس کے بعد کوئی عبارت نہ داخل کی جا سکتی ہے اور نہ خارج کی جا سکتی ہے اسی طرح شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم خاتم الانبیا قرار پائے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہ داخل ہوسکتا ہے اور نہ سابقہ میں سے کوئی خارج کیا جا سکتا ہے اسی طرح خاتم الاولیائی کا مرتبہ کائناتی ہے کہ ان کے بعد نہ کوئی پیدا ہوسکتا ہے اور نہ اس دنیا کا باقی رکھنا ممکن ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک طرح سے خاتَمُ الآئمہ بھی ہیں یعنی آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیھم اجمعین کی مہر والی انگوٹھی بھی ہیں

"خاتَم" جس کے معنی مہر شاہی کے ہیں کہ جس سے بادشاہانِ ماضی کسی چیز یا عبارت کو سیل کیا کرتے تھے تا کہ اس کے بعد نہ کوئی عبارت داخل کی جا سکے اور نہ ہی اس میں سے حذف ہو سکے اور وہ اپنے خزائن کو بھی اسی مہر سے سیل کرتے تھے تا کہ کوئی

چیز اس خزانے سے باہر نہ جاسکے اور اس خاتم سے خزانے کی حفاظت کی جاتی تھی اس انگوٹھی پر بادشاہ یا کسی صاحب اختیار کا نقش ہوتا تھا اور وہ بطور مہر کے استعمال کی جاتی تھی

بادشاہوں کی انگوٹھیاں ہی ان کی مہر کا کام کرتی تھیں کہ جس سے وہ خزانوں پر مہر لگاتے تھے یعنی خزانوں کو اس سے سیل کیا جاتا تھا یا فرمان شاہی کے آخر میں اپنی مہر لگاتے تھے

حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کا خزانہ انسانِ کلی ہے اور انسان اس کا خلیفہ بایں معنی بنا کہ یہ اس کا ایک خزانہ تھا اور یہ حقیقت ہے کہ انسان جو دنیا پہ آباد ہیں انہیں انسان ہائے جزئی کہا جاتا ہے اور عالم اکبر یا عالم امر ہی اس کا انسانِ کلی یا خزانۂ الٰہی ہے

اور اس آدم زادے یعنی انسانِ جزئی میں اسمائے الٰہیہ کا مظاہرہ ناقص حالت میں ہوتا ہے اس لئے انسان جزئی اللہ جل جلالہ کے ناقص مظاہر ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر دور و ہر زمانے میں لازم ہے کہ اللہ جل جلالہ کا ایک مظہر تام ہو جو اللہ جل جلالہ کا خلیفہ کلیہ ہو اور وہ اس کے خزانے پر مہر کی حیثیت سے حفاظت کرے

اللہ جل جلالہ کے خزائن کیا کیا ہیں؟

امامت و اسرار امامت بھی اللہ جل جلالہ کے خزائن ہیں اس لئے وہ ہمیشہ زمانے کے امام کے تصرف و حفاظت میں ہوتے ہیں

کنت کنزاً مخفیا کے تحت اللہ جل جلالہ خود بھی ایک خزانہ ہے کہ جس کی توحید کی امام و خاتم الآئمہ حفاظت کرتا ہے اسی طرح لفظ کن بھی اس کا خزانہ ہے کہ جس کے امین

خاتم الآ ئمہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ہیں اور جملہ آ ئمہ واولیا سے بھی اللہ جل جلالہ ان اسرار کی حفاظت کرواتا ہے اور وہ اولیاء آ ئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام ہیں اور وہ مہر وخاتم کی حیثیت رکھتے ہیں خالق کا ئنات انہی کے ذریعے کا ئنات اور اہلِ کا ئنات کی حفاظت کرواتا ہے اور اس زمانے میں خاتم الا ولیا عجل اللہ فرجہ الشریف ہی وہ خاتم (انگوٹھی یا مہر) ہیں جو خزانہ توحید کی حفاظت کرتی ہے جب تک یہ اس دنیائے مادی میں موجود ہے کسی کی جرأت نہیں ہوتی کہ اجازت کے بغیر کوئی اس خزانے کو کھول سکے جب تک اس دنیا میں موجود خزانہ توحید پر یہ مہر و خاتم لگی ہوئی ہے یہ دنیا محفوظ ہے

جب یہ مہر ٹوٹ گئی تو عالم کی تباہی ہے اور یہ خزانہ خالی ہو جائے گا کیونکہ جب مہر کھولی جاتی ہے تو خزانہ خرچ ہو جاتا ہے اسی طرح جب خالق اس دنیا کا اختتام فرمائے گا تو خاتم الا ولیا عجل اللہ فرجہ الشریف کو آخرت کی طرف بلا لے گا اور اس وقت یہ خزانۂ دنیا کی بجائے خزانۂ آخرت پر مہر و خاتم کی طرح ثبت ہو جائیں گے اور تجلیات الٰہی جو اس دنیا پر ہوتی تھیں وہ آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گی اور یہ خزانۂ آخرت پر مہر و خاتم ہو جائیں گے' دنیا کی بقا کا دار و مدار ان تجلیات الٰہیہ پہ ہے کہ جو خاتم الآ ئمہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی وجہ سے اس زمین تک منتقل ہوتے ہیں اس مہر سے وہ سلسلہ تجلیات منقطع ہو جائے گا کیونکہ یہ دنیا تجلیات الٰہی سے محروم ہو جائے گی اس لئے فنا ہو جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کا ئنات سے تجلیات الٰہی ایک لمحہ کیلئے بھی منقطع ہو جائیں تو یہ کا ئنات ہی فنا ہو جائے کیونکہ وجہِ بقائے تجلیات الٰہی کے بغیر تجلیات الٰہی بلا واسطہ اس دنیا پر پڑ نہیں سکتیں اور اگر پڑ بھی

جائیں تو اس دنیا کا انجام کوہ طور سے مختلف نہ ہو اور وہ تجلیات مشکواۃ خاتم الاولیا عجل اللہ فرجہ الشریف میں منعکس ہوتی تھی اور انہی سے بقدر ظرف برائے بقائے وجود ہر شے استفادہ کرتی تھی اب اگر انہیں آخرت پر مہر بنا دیا جائے تو یہ دنیا کیسے باقی رہ سکتی ہے

اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ خاکم بدہن انہیں شہید کر دیا جائے گا جیسا کہ بعض مخالفین کی کتب میں سے روایات ہمارے کتب میں بھی نقل ہوئی ہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا اگر ایسا مانا جائے تو پھر یہ دنیا ہی کیا جنت آخرت جہنم غرض جملہ عالم امر وخلق تباہ و برباد ہو جائے گا بلکہ یہ بات اسی طرح ناممکن ہے جس طرح کوئی کہے کہ نعوذ باللہ اللہ جل جلالہ کو شہید کر دیا جائے تو کیا ہوگا؟ یہ سوال جس طرح کرنا جہالت ہے اسی طرح خاتم الاولیا عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں ایسے سوالات سوچنا کفر ہے کیونکہ یہ روایات ان لوگوں کی ہیں کہ جو بنیادی طور پر مخالف تھے اور انہوں نے یہ کہا کہ آپ اس دنیا پر صرف تین سال یا سات سال یا دس سال یا اس سے کچھ کم و بیش حکومت فرمائیں گے اور پھر دنیا سے چلے جائیں گے

ایسی روایات سے ہمارے بعض علماء کو اشتباہ ہوا ہے کہ انہوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ الدنیا سجن المومن یعنی دنیا مومن کا قید خانہ ہے اس لئے ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف چند سال یہاں حکومت فرمائیں گے اور پھر اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے اور انہیں نعوذ باللہ کوفے کی ایک عورت شہید کرے گی

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس دنیا میں ابلیس کو وقت معلوم تک کی مہلت ہے اور جب شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی حکومت کا زمانہ ہوگا تو وہی وقت

معلوم ہے اور اسی زمانے میں تل افیق پر یا بیت المقدس میں یا دجلے کے کنارے ابلیس کو فی النار کر دیا جائے گا اور ابلیسیت کا اس دنیا سے مکمل خاتمہ ہو جائے گا تو کیا اس صفائی کے بعد وہ بوڑھی ملعونہ کیسے بچ جائے گی؟

یہ بات سارے لکھتے ہیں کہ آپ کے دور میں دینِ حق کے سوا کوئی دوسرا دین باقی نہ ہوگا اور سارے ظالم مع اپنے ظلم کے فی النار کر دئے جائیں گے اور کوئی بھی ایسا نہ بچے گا جو آپ کے دین پر کامل نہ ہوگا اور یظھر علی الدین کله کی یہی تفسیر کی جاتی ہے' اب یہاں خود سوچیں کہ جب کوئی بھی دشمنِ دین باقی نہ رہے گا اور نہ ہی ابلیس ہوگا نہ کوئی حق کی مخالف قوت باقی ہوگی تو اس وقت کوفے میں جو کہ اس وقت دارالسلطنت ہوگا اس میں وہ ملعونہ کیسے بچ جائے گی؟

ایک اور طرح سے اپنی بات کو پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کو پوری تسلی ہو جائے کہ یہ بات غلط ہے آپ نے لاتعداد احادیث میں دیکھا ہوگا کہ جن میں فرمایا گیا تھا کہ ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشریف کے دور میں سات یا نو انبیاعلیهم السلام کی سنن جاری ہوں گی ان میں سے ایک جناب نوح علیه السلام کی ایک سنت تھی میں اس پہ لمبی بات نہیں کرنا چاہتا صرف یہ بات عرض کروں گا کہ جب جناب نوح علیه السلام کی دعا ثمر لائی اور دشمنوں پر عذاب نازل ہونے کا وقت قریب آیا تو اللہ جل جلاله نے ایک سن رشد کے برابر کے عرصے کو عقیم بنا دیا یعنی تیرہ یا سولہ برس تک کسی عورت نے بچہ پیدا نہیں کیا اس کے بعد اس قوم پر عذاب آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ جل جلاله کسی بے گناہ بچے کو عذاب نہیں دینا چاہتا تھا

اس روایت میں جو بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ نہیں تھا کہ ساری

عورتیں بانجھ ہوگئی تھیں بلکہ ان کے بچے پیدا ہو رہے تھے مگر ان میں سے کسی مومن روح کو پیدا ہونے کا امر نہیں ملا تھا اور ایمانی نقطۂ نگاہ سے وہ عورتیں بانجھ ہوگئی تھی اور کسی مومن کو دنیا میں آنے کی اجازت نہیں ملی تھی اور سولہ سال تک کوئی مومن پیدا نہیں ہوا تھا اس دوران جو مومن پیدا ہو چکے تھے وہ سن رشد کو پہنچ گئے اور ہدایت پا گئے اور اسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے جناب نوح علیہ السلام نے عرض کی تھی

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّاراً () إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِراً كَفَّاراً...... (سورہ نوح 27)

کہ خالق اب اس دنیا پہ کسی ایک کو بھی نہ چھوڑ اور اب ان میں سے کوئی پیدا نہیں ہوگا مگر وہ کافر و ظالم ہی ہوگا

یہ نہیں ہے کہ جناب نوح کے زمانے میں عورتیں کلی طور پر عقیم ہوگئی تھیں بلکہ ہوا یہ تھا کہ اس دور میں صرف مومنین کی روحوں کو روک دیا گیا تھا

بعینہٖ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے خروج سے قبل عورتیں ایمانی نقطۂ نگاہ سے بانجھ ہو جائیں گی اور ان میں سے جو بچے پیدا ہوں گے وہ حیوانوں کی طرح ہوں گے جن کا سب کچھ یہی دنیا ہوگا اور وہ حیوانی طرز کی آزادی کی زندگی گزاریں گے اور اسی لئے آخری زمانے کے بارے میں شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا تھا

قال اذا آتی علی الامتی مأۃ و ثمانون سنۃ بعد الف فقد حلت العزوبۃ و العزلۃ والرھب علی رؤس الجبال و ذالك لان الخلق فی الماتین اھل الحرب و القتل و تربیتۃ کلب خیر من تربیبۃ الولد و ان تلد المرۃ حیۃ

خیر من ان تلد الولد ( ) بحواله تفسیر روح المعانی اور عدل گسترِ جهان

فرمایا جب ہماری امت پہ 1180 سال گزر جائیں تو ان پر عزوبت یعنی ترکِ نکاح حلال ہو جائے گا اور لوگوں سے گوشہ نشینی جائز ہو جائے گی اور پہاڑوں پر عزلت نشین ہونا حلال ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد کا زمانہ جنگ اور قتل و غارت کا ہوگا اس زمانے میں اولاد کے پالنے سے کسی کتے کو پالنا بہتر ہوگا عورت کیلئے بیٹا پیدا کرنے سے سانپ کو جنم دینا زیادہ بہتر ہوگا

یہ سن 9.6.1766 سے شروع ہوتا ہے اور اس میں دوسو سال احتیاط کے شامل کر لئے جائیں تو یہ سن 26.6.1960 کے قریب بنتا ہے اور اس سن میں اس سنت کے ترک کرنے کی اباحت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس دور میں کسی مومن کی روح پیدا نہیں ہوگی اور نکاح کی غرض تھی مومنین کی پیدائش سو وہ مفقود ہو جائے گی تو نکاح کا ترک کرنا مباح ہو جائے گا اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جب ایک سن رشد کا پیریئڈ Period دیا جائے گا کہ جس میں مومنین کی پیدائش روک دی جائے گی' اس بات کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خروج سے قبل عورتیں بانجھ ہو جائیں گی غیر مومن تو پیدا ہوتے رہیں گے مگر کسی مومن کی ولادت نہ ہوگی اور جو موجودگانِ ارض ہوں گے ان کا یہ انجام ہوگا کہ کوئی نوجوان بیس سال کا ہوگا اور معالم دین شرعیہ سے ناآشنا ہوگا تو فی النار کر دیا جائے گا اب ان حالات میں کسی غیر صالح کے اس دنیا میں باقی رہنے کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا تو اس کے بعد وہ ملعونہ عورت کیسے بچ جائے گی؟

حقیقت یہ ہے کہ ایسی روایات کہ جن میں شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف کے بارے یہ خرافات بکے گئے ہیں یہ صرف دشمن کی وضع کردہ ہیں اور انہی کے حوالے سے

ہمارے کتب میں داخل ہوئے ہیں اور ان میں کوئی حقیقت نہیں ہے اور ان پر عقیدہ رکھنا مسلکِ تشیع کے خلاف ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان رویات کو بیان کرنے کا مقصد کیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات کو بیان کرنے کا اُن کا مقصد یہ تھا کہ حکومتِ الٰہی صرف چند سال رہنا ہے اس کیلئے لمبی جدوجہد کرنے کی کیا ضرورت ہے جب اہل حق کو بتایا جائے گا کہ آپ کا دور حکومت تو صرف چند سال کیلئے آئے گا تو یہ اس سے مایوس ہوں گے اور اپنی جدوجہد سے غافل ہو جائیں گے ورنہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے بلکہ آپ کی ظاہری حکومت رہتی دنیا تک رہے گی اور اس کے بعد اخروی حکومت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور وہ لامتناہی ہے جس کی کوئی انتہا ہے ہی نہیں اور دونوں حکومتوں کے درمیان کوئی گیپ Gap نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہیں جیسے شعبان کے ساتھ رمضان متصل ہوتا ہے بس اسی طرح وہ حکومت الٰہیہ ایک دوسرے سے متصل آئے گی اس میں صرف اتنا ہوگا کہ اس انسان جزئی کے خزانے کی مہر کھول دی جائے گی اور یہ خزانہ خالی ہو جائے گا اور اس مہر کو آخرت کے خزانے پر لگا دیا جائے گا اور اس خزانے پر سے یہ مہر کبھی بھی نہ اٹھائی جائے گی کیونکہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ جہنم میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے وہ بھی اس میں فیھا خالدون کے مصداق بن کر رہیں گے

اس لئے ہمیں یہ دعا کرنا چاہیے کہ رب ذوالجلال والاکرام ہمیں وہ روز سعید جلدی دکھائے اور اس دنیا پر خاتم الآئمہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ابدی حکومت کا ظہور ہو اور

اس دنیا پر حق کا راج ظاہر ہو

﴿آمین یا رب العالمین﴾

ا؎ اناجیل میں سے انجیل برناباس اسلامی نظریات کے بہت زیادہ قریب ہے اور قدیم بھی ہے مگر اسے مسیحی برادری میں باقی انجیلوں کی برابری کا درجہ نہیں دیا جاتا

بسم الله الرحمن الرحیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے عاشقانِ لیلئی معرفت

حمد ہے اس منعم ازل کا جس کے کرم سے ہم نے یہ سلسلۂ عرفانیات جاری رکھا ہوا ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں گذشتہ کئی دنوں سے اپنے شہنشاہِ معظم عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ کے بارے اپنے مالک کے عطا کردہ شعور کے مطابق کچھ نہ کچھ عرض کر رہا ہوں اور میں اقرار کرتا ہوں کے ان کے فضائل اور معرفت سے میں عاجز محض ہوں آقائی و مرشدی و سیدی دام ظلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کو فرض سمجھتے ہوئے آپ لوگوں کے برداشتنی نکاتِ معارف پیش کر رہا ہوں اور آج کا جو اسم مبارک ہمارے سامنے ہے وہ مشہور عام نام پاک ہے کہ جو آپ کے بچوں تک کو یاد ہے یعنی "عصمۃ الامم" عجل الله فرجه الشريف

یہ نام پاک دو الفاظ سے مرکب ہے ایک لفظ ہے عصمت'' اور دوسرا ہے اُمم'' یعنی امتیں
سب سے پہلے مناسب لگتا ہے کہ ہم لفظ عصمت پہ غور کر لیں تا کہ کسی نتیجے تک پہنچ سکیں
دیکھئے عَصَمَ کا لفظ اگر رجل کے ساتھ ترکیب پاتا ہے تو اس کے معنی کمائی کرنے
کے ہوتے ہیں اور اگر عصم کا لفظ شے کے ساتھ ترکیب پاتا ہے تو اس کے معنی ہیں
اس شے کو روک لینا یا محفوظ رکھنا بچانا باندھنا اگر الیٰ فلان کے ساتھ آئے تو اس
کے معنی ہوتے ہیں کہ اس نے فلاں سے جا کر پناہ مانگی اور اَعصَمَ کے معنی ہیں پکڑنا
جیسا کہ قرآن پاک میں ہے و اعتصموا بحبل الله جميعا یعنی اللہ کی رسی کو
سارے مل کر کر پکڑ و اور'' عِصمَۃُ'' کے معنی ہیں گناہوں سے بچنے کا ملکہ جس کی جمع
ہے عِصَمٌ اَعصَمٌ عِصمَۃ اور اس کی جمع الجمع ہے اَعصَامٌ
دوستو انسان کے اندر خالق نے کئی ملکے یا ملکات رکھے ہیں جیسا کہ سخاوت ہے
شجاعت ہے یہ دراصل انسان کو عطا کردہ وہ صلاحیتیں ہوتی ہیں جو مقابل کی وجہ سے
ظاہر ہوتی ہیں جیسے کسی سائل نے سوال کیا تو'' ملکۂ سخاوت'' بیدار ہو گیا اور کچھ عطا کر
دیا اس ملکے کے نہ ہونے کا نام'' بخل'' ہے اسی طرح جب دشمن نے للکارا تو انسان
کے اندر مخفی'' ملکۂ شجاعت'' بیدار ہو گیا اور مظاہرۂ شجاعت ہوا یعنی ملکات وہ ہوتے
ہیں کہ جن کا مظاہرہ عام نہیں ہوتا بلکہ یہ موقعۂ اظہار کا محتاج ہوتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
ایک شخص انتہائی شجاع ہو مگر پوری زندگی اسے شجاعت کے مظاہرے کا موقعہ ہی نہ ملے
یہ بھی ہے کہ ہر ملکہ اپنے کئی درجات میں ہوتا ہے یعنی فقدان سے افراط تک کے
درجات ہوتے ہیں جیسے شجاعت ہے اس کا فقدان یعنی نہ ہونا جبن (بزدلی) ہے اور
اس کی افراط یا زیادتی تہور ہے یعنی عقل و حواس کھو کر خطرے میں کود جانا تہور ہوتا

ہے اور یہ دونوں مذموم ہیں یعنی برے صفات ہیں

علم الاخلاقیات کے ساتھ علم الفطرت Natureology جو آج سائنس کا درجہ رکھتی ہے اس کا کہنا ہے کہ ہر انسان کے اندر ایک حاسہ ٔ اخلاق ہوتا ہے کہ جو انسان کے اندر خیر وشر کو محسوس کرتا ہے وہ بھی ایک ملکہ ہے

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ملکات کی دو قسمیں ہوتی ہیں

(1) ملکہ ٔ اظہاری (2) ملکہ ٔ غیر اظہاری

ان میں فرق یہ ہے کہ ملکہ ٔ اظہاری وہ ہوتا ہے جس کا جب مظاہرہ ہوتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ سخاوت وشجاعت ہیں کہ جب ان کا مظاہرہ ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی اسے دیکھتا ہے یعنی اس کا مظاہرہ انسان کے باطن سے باہر ہوتا ہے چاہے انسان تنہائی میں ایک سانپ مارنے ہی میں شجاعت کا مظاہرہ کرے مگر ملکہ ٔ غیر اظہاری کا مظاہرہ ظاہر میں نہیں ہوتا انسان کے باطن میں ہوتا ہے ملکہ ٔ اخلاق یا حاسہ ٔ اخلاق بھی بنیادی طور پر غیر اظہاری ملکہ ہے اس کا اظہار خارج میں نہیں ہوتا یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی اسے محسوس کر لے یعنی اٹھنے بیٹھنے کے انداز سے جان لے کہ اس میں اخلاقی ملکہ ضرور موجود ہے ان دونوں میں جو فرق ہے اسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ 'اظہاری ملکہ' دیکھا جا سکتا ہے اور 'غیر اظہاری ملکہ' صرف محسوس کیا جا سکتا ہے

حاسہ ٔ اخلاق یا ملکہ ٔ اخلاق کے دو حصے ہوتے ہیں ایک حصے کا نام ضمیر ہوتا ہے اور دوسرے کا نام ہے عصمت

ضمیر کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کے اعمال وافعال میں برائیوں کی نشان دہی کرتا ہے انسان کو برائی کے وقت ٹوکتا ہے لیکن نیکی کے وقت دادِ تحسین نہیں دیتا کیونکہ اس کا

کام ایک جج کی طرح ہوتا ہے جو جرم ثابت ہونے کی صورت میں مجرم ہونے کا فیصلہ سنا دیتا ہے اور بے گناہی کی صورت میں بھی وہ فیصلہ ہی سناتا ہے داد یا شاباش نہیں دیتا صرف بری کرنے کا حکم دیتا ہے

ضمیر کا عمل ایک علیحدہ چیز ہے کہ وہ فیصلہ کس قانون کے ماتحت دیتا ہے کیونکہ حکومتیں قوانین بناتی ہیں پھر وہ قانون عدالتوں کو دیا جاتا ہے جس کی روشنی میں کوئی قاضی یا جج مجرم کو صفائی کا موقعہ دیتا ہے اور آخر میں حکم سنا دیتا ہے

دوستو ضمیر کے پاس دو قسم کے مسودۂ قوانین ہوتے ہیں

(1) عقلی و آفاقی

(2) مذہبی و غیر آفاقی

یعنی ایک قانون وہ ہے جو انسان عقل کے حوالے سے پیدائشی طور پر ساتھ لے کر آتا ہے اور ایک قانون اسے معاشرے اور مذہب سے ملتا ہے کہ جس مذہب میں پیدا ہوا یا بعد میں اختیار کیا وہ مذہب اسے مسودۂ قانون دیتا ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ آفاقی و عقلی قانون ہر مذہب و ملت کے ہر فرد کے اندر ایک طرح کا ہوتا ہے ہاں اس کی مقدار و کمیت میں تو تفاوت ہو سکتا ہے مگر اصولوں یعنی (Principles) میں فرق نہیں ہوتا

مذہبی قوانین وہ ہوتے ہیں جو انسان اپنے اپنے معاشرے سے حاصل کرتا ہے یہ قوانین بنیادی طور پر ضمیر کا حصہ نہیں ہوتے بلکہ ہم خود اسے دیتے ہیں اس لئے ان میں اختلاف ہوتا ہے مثلاً ہندو کو گائے کے گوشت کھانے پر ضمیر مجرم ٹھہرا دیتا ہے جبکہ مسلمان کا ضمیر گائے کا گوشت کھانے پر خاموش رہتا ہے اور مسلمان کا ضمیر سور کے

گوشت کھانے پر اسے مجرم ہونے کا حکم صادر کرتا ہے جبکہ عیسائی کو سور کے گوشت کھانے پر اس کا ضمیر کچھ نہیں کہتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا دوسرا مسودۂ قانون غیر آفاقی ہوتا ہے

ملکۂ اخلاق کا دوسرا حصہ جو ہے اسے عِصمَت کہتے ہیں اور یہی ہمارا موضوع ہے دیکھیئے عصمت کا کام جرم پر ٹوکنا نہیں ہوتا یہ جج کی طرح فیصلہ نہیں سناتی بلکہ ایک پولیس مین کی طرح جرم سے روکنا اس کا کام ہوتا ہے ہر برے کام سے انسان کو بچانا محفوظ رکھنا یا روک لینا عصمت کا کام ہوتا ہے یہ انسان اور گناہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے

احادیث وفرامین آئمۂ اطہار علیھم الصلوات و السلام میں ضمیر کو بھی نور کہا گیا ہے اور عصمت کو بھی نور کہا گیا ہے

لیکن جن لوگوں کے اندر نورِ ضمیر کا عمل قوی ہوتا ہے وہ ابرار کہلاتے ہیں اور جن لوگوں کے اندر نورِ عصمت جلوہ گر ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں

(1) محفوظ (2) معصوم

پھر ان دونوں کی دو دو حالتیں ہوتی ہیں یعنی حفاظت کی بھی دو حالتیں ہیں یعنی

(1) حفاظتِ جزئی (2) حفاظتِ کلی

اسی طرح عصمت کی بھی دو حالتیں ہیں

(1) عصمتِ جزئی (2) عصمتِ کلی

عصمت کلی کی پھر دو قسمیں ہوتی ہیں

(1) عصمت صغریٰ (2) عصمت کبریٰ

حفاظت وعصمت کا جو عمل ہے یا کام ہے وہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے

(1) اپنی صنف سے متعلق جملہ برائیوں سے جزوی طور پر یا کلی طور محفوظ رکھنا

(2) اپنی صنف کی اعلیٰ ترین قدروں کے مطابق ڈھالنا یعنی جملہ جسمانی ونفسانی و روحانی فضائل ومراتبِ عظمٰی پر قائم رکھنا

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محفوظ اور معصوم میں کیا فرق ہے؟

محفوظ اور معصوم میں فرق یہ ہوتا ہے کہ محفوظ ہمیشہ محفوظ عن العصیان کو کہا جاتا ہے

اور معصوم ہمیشہ معصوم عن الخطا کو کہا جاتا ہے

اب یہاں دو الفاظ آ گئے ہیں ان کے بارے میں بھی عرض کرنا ضروری ہے خطا و عصیان میں یہ فرق ہے کہ انسان جو غلطیاں کرتا ہے وہ دو قسم کی ہوتی ہیں ایک عمداً کرتا ہے (یعنی جان بوجھ کر کرتا ہے) دوسری جو سہواً (بھول چوک میں) ہو جاتی ہیں جیسے ایک آدمی کسی انسان کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اور ایک اور حالت یہ بھی ہوتی ہے کہ کوئی آدمی کسی جانور پہ گولی چلاتا ہے اور اچانک سامنے ایک آدمی آ جاتا ہے اور وہ قتل ہو جاتا ہے تو اس پہلے قتل کو قتلِ عمد کہتے ہیں اور دوسرے کو قتلِ خطا کہتے ہیں اسی لئے بے شعور بچوں کے ہاتھوں کوئی قتل ہو جاتا ہے تو اس کا قصاص نہیں ہوتا کیونکہ وہ قتلِ خطا شمار ہوتا ہے

اس لئے جو محفوظ ہوتا ہے وہ گناہ تو نہیں کرتا مگر اس سے خطا سرزد ہوتی رہتی ہے اس سے کبائر بھی سرزد ہو جاتے ہیں مگر وہ عمداً نہیں ہوتے سہواً ہوتے ہیں اور سہواً گناہ

ہو جائے تو وہ گناہ شمار نہیں ہوتا اس لئے اسے محفوظ کہا جاتا ہے اور اسی بات کو سامنے رکھ کر شیخ صدوق کو اشتباہ ہوا ہے اور انہوں نے لکھ دیا کہ نبی یا امام سے نعوذ باللہ سہو و نسیان سرزد ہو سکتا ہے

میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ محفوظ کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم جزئی ہے اور دوسری کلی ہے جزئی حفاظت کی دو حالتیں ہوتی ہیں پہلی حالت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی کے اولین حصے میں تو محفوظ رہا مگر پھر عصیان و معصیت میں مبتلا ہو گیا جیسا کہ دنیا کا ہر بچہ پیدائشی محفوظ ہوتا ہے پھر جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے وہ معصیت و عصیان سے آلودہ ہوتا جاتا ہے اسی لئے عام طور پر بچے کو معصوم کہا جاتا ہے کیونکہ وہ عصیان سے محفوظ ہوتا ہے اس کا گناہ گناہ شمار نہیں ہوتا اور وہ مرفوع القلم ہوتا ہے فرشتے بھی اس کا گناہ نہیں لکھتے

حفاظتِ جزئی کی دوسری حالت یہ ہے کہ انسان اولین عمر میں بچہ تھا محفوظ تھا پھر آلودۂ عصیان ہو گیا پھر اس نے تزکیات کئے اور توبہ کے بعد محفوظ عن العصیان ہو گیا اور تا عمر اسی حالت میں رہا یہی لوگ ابرار شمار ہوتے ہیں جیسا کہ کلام الٰہی میں ہے

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوراً ...... یا ...... إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ

محفوظ لوگ میں عمومی اولیا بھی آ جاتے ہیں کہ جو اولین عمر میں معصیت سے محفوظ نہ تھے پھر کسی مرشد کامل سے لو لگائی اور تزکیہ و توبہ کے بعد محفوظ ہو گئے ان میں ایک تدریج ہوتی ہے اور وہ بتدریج حفاظت میں آتے چلے جاتے ہیں

محفوظ عن العصیان کلی وہ ہوتے ہیں کہ جو پوری زندگی کیلئے محفوظ ہوتے ہیں جیسے

مجذوب لوگ ہیں یا دیوانے فاتر العقل لوگ ہیں یہ لوگ معصوم نہیں ہوتے ان سے گناہان صغیرہ وکبیرہ کا صدور بھی ہو جاتا ہے مگر نہ فرشتے وہ لکھتے ہیں نہ شریعت حدود نافذ کرتی ہے نہ قاضی و جج تعزیر لگاتا ہے کیونکہ ان کا ہر گناہ اور جرم سہواً ہوتا ہے اور ہر جرم ایک خطا ہوتی ہے ان کے معاملے میں نہ خالق کوئی بازپرس کرتا ہے نہ مخلوق

اسی طرح کچھ لوگ پیدائشی ولی اللہ ہوتے ہیں وہ بھی محفوظ کلی ہوتے ہیں ان سے جو بھی سرزد ہوتا ہے چاہے وہ شرعاً گناہ ہی کیوں نہ لگے وہ دائرۂ خطا میں آتا ہے اور وہ پاک رہتے ہیں اگر وہ کوئی ایسی چیز کھائیں جو شرعاً جائز نہ ہو تو اللہ جل جلالہ اس کا استحالہ فرما دیتا ہے جیسے شراب نجس و حرام ہے اور اگر وہ سرکہ بن جائے تو اس پر شراب کے احکام لاگو نہیں ہوتے بلکہ وہ حلال و طاہر و مباح ہو جاتی ہے کیونکہ وہ شراب رہی ہی نہیں تو اس پر شراب کے احکام کیسے؟ جیسا کہ فقہ کے کتب میں ہے کہ اگر نمک کی کان میں کوئی کتا گر جائے اور مر جائے اور اتنا عرصہ پڑا رہے کہ اس کے بال تک نمک میں بدل جائیں تو پھر اس پر کتے کے احکام اپلائی نہیں کریں گے بلکہ اس پر نمک کے احکام لاگو ہوں گے اور اس کا استعمال جائز ہے کیونکہ اس کا استحالہ ہو گیا ہے اسی طرح اولیائے اللہ جو پیدائشی ولی ہوں ان کی خوردنی اشیا کا استحالہ فرما دیا جاتا ہے چاہے وہ کفار کے ہاتھوں سے لے کر کوئی چیز ہی کیوں نہ کھالیں اسی لئے حفاظت کو بھی عصمت کا ادنیٰ درجہ مانا جاتا ہے اور محفوظ بھی ایک طرح سے معصوم ہی ہوتا ہے مگر ادنیٰ درجے کا معصوم شمار ہوتا ہے حفاظت و عصمت میں جو امتیازات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حفاظت توفیقِ الٰہی سے ہوتی ہے اور عصمت ودیعتِ الٰہی ہوتی ہے یعنی اللہ جل جلالہ کی عطا کردہ ہوتی ہے

عربی میں اکثر اوقات عصمت کا لفظ دشمن سے حفاظت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کلام پاک میں بھی ہے واللہ یعصمك من الناس اللہ جل جلالہ آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا اسی طرح حفاظت کے معنی میں یہ لفظ کئی مقامات پر لایا گیا ہے جیسا کہ

مَّا لَهُم مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِم ...... یا ...... لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ

معصوم

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ معصوم کیا ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معصوم وہ ہوتا ہے جو معصوم عن الخطا ہوتا ہے یعنی اس کے بارے میں عصیان و گناہ کا تو تصور بھی کرنا یا نسبت دینا بھی گناہ ہوتا ہے کیونکہ معصوم سے گناہ کا امکان ہی نہیں ہوتا ہے کیونکہ خطا کی بھی دو قسمیں ہیں خطائے کبیرہ خطائے صغیرہ یعنی خطا کبیرہ یہ ہے کہ کوئی گناہِ کبیرہ بھول کر کر لینا اور خطائے صغیرہ یہ ہے کہ کوئی گناہِ صغیرہ بھول کر کر لینا اور معصوم وہ ہوتا ہے جو معصوم عن الخطا ہو یعنی اس سے بھول کر بھی نہ کوئی گناہ صغیرہ سرزد ہو اور نہ کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو اور نہ ہی اس سے کوئی خطائے صغیرہ سرزد ہو اور نہ ہی خطائے کبیرہ تو اسے معصوم کہتے ہیں

اب آپ یہ تو سمجھ گئے کہ معصوم کیا ہوتا اب یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ عصمت کے دو درجے ہوتے ہیں یعنی معصوم دو طرح کے ہوتے ہیں

(1) عصمت صغریٰ ہوتی ہے

(2) عصمت کبریٰ ہوتی ہے

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عصمتِ صغریٰ میں ترک اَولیٰ کا امکان ہوتا ہے مگر

عصمت کبریٰ میں ترکِ اَولیٰ کا بھی کوئی مکان نہیں ہوتا ہے

اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ ترک اولیٰ کیا ہوتا ہے؟

اس کے بارے میں عرض ہے کہ ترک اولیٰ یہ ہوتا ہے کہ فرائض کیلئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے جیسا کہ نمازِ صبح کے بارے میں ہے کہ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک جب بھی پڑھ لو نماز ہو جائے گی مگر اس کا اول وقت اس کی ادائیگی کیلئے فضیلت رکھتا ہے اب اگر کوئی شخص اسے اول وقت میں ادا نہیں کرتا تو اس نے گناہ نہیں کیا مجرم نہیں ہوا مگر اس نے ترکِ اولیٰ کیا ہے یعنی اپنے فریضے کو اول وقت اور افضل وقت میں ادا نہیں کیا اسی لئے انبیا علیہم السلام سے کوئی گناہ کبھی بھی سرزد نہیں ہوا کیونکہ وہ معصوم تھے مگر ان سے ترک اولیٰ ہو جاتا ہے اس لئے انہیں عصمتِ صغریٰ کا حامل مانا جاتا ہے یعنی وہ دوسرے درجے کی عصمت کے حامل ہیں اور انبیا علیہم السلام اسی ترک اولیٰ کو اتنا بڑا گناہ سمجھتے ہیں کہ جیسے کسی زاہد و عابد سے قتل ناحق یا زنا کا ارتکاب ہو جائے اور اسے اپنے لئے ظلم و ضلالت کے برابر سمجھتے ہیں اسی لئے ہم دیکھتے ہیں جب بھی کسی نبی سے ترکِ اولیٰ ہوا ہے اس نے اس کا بہت زیادہ نوٹس لیا اور جناب یونس علیہ السلام نے کئی دن تک ورد کیا

لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِيْن

یقیناً میں ظالمین سے ہو گیا تھا جناب موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن میں نقل کیا گیا ہے

و ام کنت من لضالین کہ میں تو گمراہوں میں سے ہو گیا تھا

کیونکہ انبیائے ماسلف علیہم السلام عصمت صغریٰ کے مالک تھے اسی لئے ان سے ترک اولیٰ کا وقوع ہوا مگر پاک خاندان کے جملہ افراد صلوات اللہ علیہم اجمعین عصمت کبریٰ

کے مالک تھے ان سے کسی ترک اولیٰ کا بھی امکان نہیں ہے

ہاں ایک وقت ایسا آیا تھا کہ جب امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کے ایک عمل پر ترک اولیٰ کا الزام لگ سکتا تھا وہ کون سا وقت تھا؟

وہ وہی وقت تھا جب شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بعد از نماز ظہر آپ کی آغوش میں سر رکھ کے آرام فرما رہے تھے اور اس وقت تک آرام فرمایا کہ جب تک آدھا سورج نہ ڈوب گیا ایک طرح سے آپ سے نماز قضا ہوا چاہتی تھی اگرچہ ابھی سورج کا دسواں حصہ غروب نہیں ہوا تھا اب بھی نماز شروع کر دی جاتی تو وہ قضا شمار نہ ہوتی کیونکہ شرع شریف میں ہے کہ اگر تکبیرۃ الحرام کے وقت سورج نظر آ رہا ہو تو نماز میں قضا کی نیت نہ کرو بلکہ اللہ اکبر کہنے کے فوراً بعد ہی اگر سورج ڈوب جائے تو نماز اپنے وقت پر ادا سمجھی جائے اس حساب سے آپ کے پاس تکبیر کہنے کا وقت موجود تھا مگر اس پر کوئی مخالف ترک اولیٰ کا گمان ضرور کر سکتا تھا کیونکہ نماز اپنے اول وقت میں ادا نہیں ہو رہی تھی، نماز تو ادا ہو جاتی مگر عصمت کبریٰ کا عہدہ کسی غیر کے سامنے ثابت نہ ہو سکتا تھا اس لئے جب آپ نے جائے نماز پر کھڑے ہو کر ایک نظر سورج کی طرف دیکھا اور تکبیر کہنے کیلئے دستِ مبارک گوش ہائے اطہر کی طرف اٹھائے جتنی تیزی سے ہاتھ اوپر اٹھے اسی تیزی سے سورج واپس پلٹا اور جب ''اللہ اکبر'' فرمایا تو سورج عین اول وقتِ عصر پر کھڑا تھا

دوستو عوامی مزاج کے خلاف ایک بات کرنے لگا ہوں مگر ہے یہ حقیقت کہ یہ جو چہاردہ معصومین والا نظریہ ہے کہ معصومین صرف چودہ ہیں یہ نظریہ کسی امام کا وضع کردہ نہیں ہے بلکہ علمائے مابعد کا بنایا ہوا ہے ورنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ

وسلم نے فرمایا ہے وہ تو یہ ہے کہ

اولنا محمدؐ و اوسطنا محمدؐ وآخرنا محمدؐ و کلنا محمدؐ صلوات الله علیهم الجمعین

یعنی ہمارا اول بھی اوسط بھی آ خر بھی محمد صلی الله علیه و آلہٖ وسلم ہے اب اس پہ غور کریں کہ جب اول اوسط آ خر فرما دیا گیا تھا تو"کلنا" فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟

اول سے آ خر تک سارے ذوات اطہار صلوات الله علیهم اجمعین کا ذکر تو فرمایا جا چکا تھا اب وہ کون سے ذوات اطہار صلوات الله علیهم اجمعین تھے کہ جن کا اس فرمان سے خارج ہونے کا امکان تھا اور انہیں اس میں شامل فرمانے کیلئے کلنا محمد صلی الله علیه و آلہٖ وسلم فرمایا گیا؟

اسی نقطے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ایک دور میں شیعوں میں یہ بحث چل نکلی تھی کہ کردگار وفا جناب ابوالفضل العباسؑ علیه الصلوات و السلام افضل ہیں یا نعوذ باللہ جناب سلمان محمدی سلام الله علیه افضل ہیں اور ایک بڑی جماعت جناب سلمان پاک سلام الله علیه کے حق میں دلائل دے رہی تھی کہ نعوذ باللہ وہ افضل ہیں

وہ دلائل یہ تھے کہ جناب سلمان محمدی سلام الله علیه کو منیٰ اهل البیت کا خطاب ملا تھا اور معصوم کا جنازہ معصوم پڑھواتا ہے اسی لئے جناب امیرالمومنین علیه الصلوات و السلام نے ان کا جنازہ مدائن میں جا کر پڑھوایا اور وہ جناب عیسیٰ علیه السلام کے وصی بھی تھے اس لئے نعوذ باللہ وہی افضل تھے

حقیقت یہ ہے کہ جس نبی کا جناب سلمان پاک کو وصی قرار دیا جا رہا تھا وہ بھی تو شہنشاہ انبیا صلی الله علیه و آلہٖ وسلم کے امتی ہی ہیں اور وہ آل میں داخل تو نہیں ہیں پھر

ان کے وصی کا موازنہ آل پاک کے کسی فرد سے کیسے ہوسکتا ہے؟

یہ تو اس گھر کا کرم ہے کہ غیر کو اپنا کہہ دیا مگر کہنے سے وہ گھر والوں کے برابر تو نہیں ہو جاتا

بات صرف یہ تھی کہ انہوں نے کلنا محّمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا مفہوم نہیں سمجھا کیونکہ اس گھر کے سارے افراد عصمتِ کبریٰ کے مالک ہیں اس لئے ان سے تو کسی خطا تو کجا ترک اولیٰ کا بھی امکان نہیں ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ کے مرکزِ عصمت صلوات اللہ علیہا کے قرب کی وجہ سے سارے پاک ذوات صلوات اللہ علیہم اجمعین عصمت کبریٰ کے مالک ہیں اور جس کا جتنا جتنا ان سے دور کا تعلق بنتا جاتا ہے اتنا اتنا اس کے درجۂ عصمت میں کمی واقع ہوتی جاتی ہے جیسا کہ سورج سے جو سیارہ زیادہ قریب ہوتا ہے اس میں سورج کی حرارت زیادہ ہوتی ہے اور جو سیارہ جتنا زیادہ دور کا ہوگا اس میں سورج کی حرارت کم ہوتی جائے گی' اسی لئے جناب سلمان کی معراج یہ ہے کہ وہ اس در کے جاروب کش ہیں اور آل سے ان کا موازنہ کرنا ہی گناہ ہے

عصمت کے بارے میں ناگزیر حد تک انتہائی اجمالی صورت میں عرض کرنے کے بعد اب اگلے لفظ پر آتے ہیں

اب ہمارے سامنے لفظ ہے امم یعنی امتیں یہ امت کی جمع ہے

سب سے پہلے ہم امت کے لغوی معنی دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ امت ایک جماعت کو بھی کہتے ہیں ایک طریقے کو بھی کہتے ہیں اور ایک گروہ کو بھی کہتے ہیں اور قد و قامت کو بھی کہتے ہیں اور اصطلاحی طور پر ایک ایسی جماعت کو امت کہا جاتا ہے کہ جو

ایک مجمع میں جمع ہو چا ہے ایک وقت میں جمع ہو یا ایک مقام پر جمع ہو یا ایک دین پر جمع ہو اور یہ بھی ہے کہ ان کا جمع ہونا اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو اسے امت ہی کہا جاتا ہے اور شرعی اصطلاح میں امت ایک نبی کے دائرۂ تبلیغ کے اندر آنے والی اقوام کو کہا جاتا ہے کہ جن میں کوئی نبی برائے تبلیغ مبعوث فرمایا جائے

یہ تو ہیں وہ معنی جو عام طور پر رائج ہیں مگر جب ہم کلام الٰہی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ لفظ کئی معنی میں نظر آتا ہے اور ان لغوی واصطلاحی معانی سے بھی ہٹ کر ہمیں اس کے معنی نظر آتے ہیں کیونکہ ایک مقام پر پوری انسانیت کو ایک امت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّهُ النَّبِيِّيْن

ساری انسانیت ایک امت ہے جس میں انبیاعلیھم السلام کو مبعوث فرمایا گیا ہے

اسی طرح اللہ جل جلالہ نے جانورں اور پرندوں کو بھی ایک امت قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِیْ الأَرْضِ وَلاَ طَائِرٍ يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلاَّ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم

کہ اس زمین پر چلنے والے جانور ہیں یا فضا میں پرواز کرنے والے پرندے ہیں جو پروں سے پرواز کرتے ہیں یہ بھی تمہاری مثل امت ہیں

وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً() وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوف

اگر اللہ جل جلالہ چاہتا تو ساری انسانیت کو ایک امت قرار دیتا (یعنی ساری انسانیت ایک امت نہیں ہے) پھر فرمایا لیکن تمہارے اندر ایک امت ہے جو دعوت خیر دیتی

ہے اور معروف کا امر کرتی ہے

(معروف اس نیکی کو بھی کہتے ہیں جو رواج پذیر ہو یا مسلمہ ہو اور معروف سے مراد ولایت امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام بھی ہے)

یعنی ایک آیت میں فرمایا ساری انسانیت ایک امت ہے اور ایک آیت میں فرمایا کہ ساری انسانیت ایک امت نہیں ہے اس پہ آپ خود غور کر لیں میں نے آگے جانا ہے

دوستو یہاں تک تو بات کچھ نہ کچھ لغت اور دیگر اصطلاحات سے میل کھاتی تھی مگر کلام الہی میں ایک فرد واحد کو بھی امت کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلّهِ حَنِيْفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ()

یعنی جناب ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ جل جلالہ کی ایک فرمانبردار اور اس کی طرف دار سچی ُامت'' تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے

عربی کا ایک مقولہ ہے...... فعدل فی نفسہ قبیلۃ ...... وہ شخص اپنی ذات میں تنہا ایک قبیلے کے برابر ہے یعنی وہ اکیلے ہی ایک امت کے برابر تھے

حقیقت یہ ہے کہ اپنے اپنے زمانے کا ہر نبی اور ہر امام اپنے مقام پر ایک کامل امت کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ہر نبی اپنی امت کا نبی یا رسول ہوتا ہے مگر شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی امت ہی ہوتا ہے اس لئے اس فرد واحد کو اس لئے امت قرار دیا گیا کہ امت کیلئے ایک وقت میں یا اپنے نبی کے ساتھ جمع ہونا لازم نہیں ہے اگر ان دو چیزوں کو امت کیلئے شرط قرار دیا جائے تو آج کے مسلمان ان کی امت نہ بن سکیں گے کیونکہ نہ یہ ان کے وقت میں موجود تھے اور نہ ان کے ساتھ جمع تھے یعنی ان کے بعد پیدا ہوئے ہیں اس لئے امت کیلئے پہلے یا بعد میں ہونا شرط نہیں ہے دینی وحدت

ضروری ہے سو وہ جناب ابراہیم علیہ السلام میں پائی جاتی ہے تو وہ بھی امت قرار پائے جناب آدم سے جناب نوح علیہما السلام تک چالیس نبی گزرے ہیں مگر کوئی صاحب ِ شریعت نہ تھا یعنی رسول نہ تھا آخری آدم سے خاتم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک چھ ہزار چار سو چوالیس سال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گزرے ہیں جن میں سے صاحبِ شریعت صرف پانچ تھے

() جناب نوح علیہ السلام () جناب ابراہیم علیہ السلام () جناب موسیٰ علیہ السلام () جناب عیسیٰ علیہ السلام () جناب سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

جناب ابراہیم علیہ السلام کے بعد ملت ایک ہوگئی جناب اسحاق علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل ہوئی جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں رسول کوئی نہ آیا مگر ان میں انبیا موجود تھے کہ جو جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین کی تبلیغ فرماتے تھے اور وہی کعبہ محترم کی حفاظت و تولیت سنبھالے ہوئے تھے اسی لئے سارے معصوم تھے جن کی عصمت کی گواہی اللہ نے دی ہے

و تقلبك فى الساجدين

یعنی فرمایا ہم آپ کو ساجدین میں انتقال پذیر دیکھ رہے ہیں ان کے بارے ایک اور آیت میں فرمایا گیا

اذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاء وَجَعَلَكُم مُّلُوكاً وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَداً مِّن الْعَالَمِينَ ......(سورہ المائدہ 20)

فرمایا بظاہر اس میں جناب موسیٰ کی امت کو خطاب ہے مگر حقیقتاً آل محمدؐ علیہم الصلوات والسلام کو اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے آپ اللہ جل جلالہ کی اس نعمت کا ذکر کریں کہ اس

نے آپ میں انبیاعلیھم السلام مبعوث فرمائے اورتم میں سے بادشاہ قرار دئے اور تمہیں وہ کچھ عطا ہوا جوتمہارا حق بھی تھا اور آپ کے سوا عالمین میں کسی ایک کونہیں دیا گیا

جیسا کہ میں کسی سابقہ بیان میں عرض کر چکا ہوں کہ ''ایتا'' ہمیشہ حقدار کواس کا حق دینے کیلئے استعمال ہوتا ہے اس لئے میں نے یہاں کہا ہے کہ وہ کچھ دیا گیا جوآپ کا حق بھی بنتا تھا اوراس جیسا عالمین میں کسی کودیا بھی نہیں گیا

جب اس کی تفسیر سلمان دیلمی نے دریافت کی تو فرمایا یہ آیت ہم آل محمدعلیھم الصلوات و السلام کے بارے میں ہے اس میں انبیا سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور ہمارے اجداد طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں اور ملوک یعنی بادشاہوں سے مراد سارے آئمہ اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں اور ہماری جس شاہی کا یہاں ذکر ہے وہ ہماری شاہی دور آخر میں ہوگی یعنی رجعت کے بعد شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے دور میں ہوگی اوراس جیسی شاہی عالمین میں کسی کومل بھی نہیں سکتی

میں عرض کررہا تھا کہ اجداد سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بھی انبیاعلیھم الصلوات و السلام تھے ان کے بارے میں ارشاد ہوا

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً......()

اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسطیٰ قرار دیا ہے تا کہ تم لوگوں پر شہید بنو اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تم پر شہید ہیں امت وسطیٰ سے مراد شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ظاہراً آبا و اجدادِ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں اوران کے ساتھ آئمہؑ

ہدیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں نہ کہ پوری امت

فالشاھد لشیء من حضر عندہ صورۃ ذالك الشی و الشھید ھو القوۃ التی بھا یقع الشھود و الحضور () (جس سے شہود وحضور واقع ہوتا ہو)

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ شاہد وشہید میں بھی فرق ہوتا ہے شاہد وہ ہوتا ہے جو کسی شے کے وقوع کے وقت وہاں بجسمہ حاضر ہو یعنی اس کے دیکھنے کا عمل مشہود کے جسم و صورت تک محدود ہو اور شہید وہ قوت ہوتی ہے کہ جس سے مشاہدہ ومحاضرہ واقع ہوتا ہے اس لئے شاہد کیلئے موقعہ پہ جسم سمیت موجود ہونا لازم ہے مگر شہید کیلئے وہاں پر ظاہراً موجود ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس کیلئے اس کا وہاں ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے

اب یہاں یہ خلاصہ پیش کرتا ہوں کہ کن کن امتوں کا تصور ہمارے ہاں موجود ہے

() ایک تو ہر نبی کی امت کا تصور موجود ہے اس کے علاوہ یہ بھی آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے جتنے انصار ہیں انہیں بھی امت کہا گیا ہے چاہے وہ اولین میں سے ہیں یا آخرین میں سے ہیں ان سب کو ایک امت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَى أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ أَلاَ يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفاً عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُواْ بِهِ يَسْتَهْزِئُون (سورہ ہود 8)

یعنی فرمایا ہم اگر امت معدودہ تک عذاب کو ملتوی رکھیں تو یہ طنزاً ضرور کہیں گے کہ اب ہم سے کس نے عذاب کو روکا ہوا ہے بیشک جب وہ دن آئے گا تو وہ ان سے ٹلنے والا نہ ہوگا اور جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ان کو گھیر لے گا

قال ھم واللہ الامۃ المعدودۃ التی قال اللہ فی کتابہ () وَلَئِنْ أَخَّرْنَا

عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ إِلَى أُمَّةٍ مَّعۡدُودَة (8)هود

قال يجمعون فی ساعة واحدة فزعاً كفزع الخريف

اس آیت کی تفسیر میں فرمایا گیا ہے کہ واللہ وہ ہمارے آخری شہنشاہ لخت جگر عجل الله فرجه الشريف کے اصحاب کے بارے میں ہے اور امت معدودہ یعنی ایک گنی چنی امت وہ اصحاب ہیں اور اللہ جل جلالہ انہی کے ذریعے ظالمین کو معذب فرمائے گا اور عذاب کو انہی تک ملتوی کیا گیا ہے گویا ان کا ظالمین پر آنا اللہ جل جلالہ کے عذاب کے مترادف ہے پھر فرمایا کہ وہ آن واحد میں اس طرح جمع ہو جائیں گے جیسے ساون کے بادل جمع ہو جاتے ہیں

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس میں اولین یا امم سابقہ کے لوگوں کا ذکر کہاں ہے؟

ایک آیت ہے

وَمِن قَوۡمِ مُوسَى أُمَّةٌ يَهۡدُونَ بِالۡحَقِّ وَبِهِ يَعۡدِلُونَ......(سورہ اعراف 159)

یعنی جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک امت ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتی ہے اور قیام عدل بھی

مفضل بن عمر سے امام صادق آل محمّد علیہ الصلوات و السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا جب ہمارے شہنشاہ لختِ جگر عجل الله فرجه الشريف خروج فرمائیں تو ظہر کعبہ یا کوفہ سے 27 افراد کو باہر بلائیں گے جن میں سے 15 افراد جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تعلق رکھتے ہوں گے اور باقی سات افراد اصحابِ کہف ہوں گے جناب یوشع بن نون مومن آل فرعون جناب سلمان فارسی اور جناب ابودجانہ بن خراش تمیمی انصاری اور جناب مالک اشتر علیهم السلام ہوں گے روایت دیگر میں جناب مقداد بن

اسود سلام اللہ علیہ کو شامل کیا ہے اور 14 افراد بنی اسرائیل سے لکھے ہیں
فرمایا کہ یہ ہمارے شہنشاہ فرزند عجل اللہ فرجہ الشریف کے انصار و حکام ہوں گے
اسی طرح ایک اور امت کا بھی ذکر موجود ہے فرمایا ایک امت وہ ہے کہ جس کے بارے میں فرمان ہے کہ وہ چین کے دوسری طرف ہے جن کے مابین ریت کا سمندر ہے جن میں کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا ہے نہ ہوگا وہ ہم تک آئے ہیں اور نہ ہمارا کوئی آدمی ان تک گیا ہے مگر وہ حق پر ہیں یہ لوگ کون ہیں؟
جب بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بارہ نواسے شہید کیئے تو اس وقت ان میں سے کچھ اسباط نے اللہ جل جلالہ سے دعا کی خالق ان کے اور ہمارے مابین جدائی ڈال دے دعا مقبول ہوئی وہ وہاں سے روانہ ہوئے ڈیڑھ سال کا سفر کر کے چین سے دوسری طرف چلے گئے ان کا رزق زمین سے نکلتا تھا وہ امت بھی انصار میں شامل ہوگی، اب یہ تو پتہ چل گیا ہے کہ امت سے مراد کیا کیا ہوسکتا ہے
اب ہم دیکھتے ہیں نام اطہر کو کہ وہ کیا ہے
عصمۃ الامام عجل اللہ فرجہ الشریف یعنی امتوں میں پاکیزگی اور معصومیت کی جاری و ساری قوت
اب دیکھئے ہر نبی ایک معصوم امت ہے، ہر رسول ایک معصوم امت ہے، اجداد پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بھی ایک معصوم امت ہیں، اب یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ جب تک کسی میں ملکہ وقوتِ عصمت نہ ہو کوئی کسی چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بھی نہیں بچ سکتا اور امتوں کی عصمت ہیں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی نبی معصوم نہیں ہوسکتا جب تک ہمارے آقا ان کو عصمت کی بھیک عطا نہ

فرمائیں

یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ انبیا سے لے کر آئمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین تک سارے فرد اپنے اپنے مقام پر ایک امت کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ آئمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین کو اللہ جل جلالہ نے امت وسطیٰ فرمایا اسی لئے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ معدن و مرکزِ عصمت ملکہ عالمین صلوات اللہ علیہا ہیں وہ معصوم گر ذات ہیں ان کے نظامِ عصمت کا اجرا بھی ایک وسیلے سے ہوتا ہے اور وہ وسیلہ ہمارے شہنشاہ عصمت الامام عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ہیں

انبیاء ما سلف سے لے کر معصومین تک سب اگر معصوم ہیں تو انہوں نے ہی عصمت عطا فرمائی ہے مگر جو نورِ انبیاء کے انوار میں ملکہ وقوتِ عصمت بن کر گناہ کی آلودگیوں سے بالا جبار بچاتی رہی تھی وہ نور عصمت الامام تھا کیونکہ ہر نبی بیک وقت نبی و رسول بھی تھا مگر ایک امت کہا گیا ہے کیونکہ وہ اپنی امت کے نبی و رسول تھے مگر سرورکونین کی امت بھی تھے اس لئے انہیں اگر مواقع معصیت پہ بچایا ہے تو عصمت الامام عجل اللہ فرجہ الشریف نے بچایا ہے ایک موقع یاد دلاتا ہوں

جناب یوسف و زلیخا کا واقعہ پیش ہے وہاں الفاظ ہیں

همت به و هم بها انہوں (جناب یوسف علیہ السلام) نے جناب زلیخا خاتون سلام اللہ علیہا کا ارادہ کر لیا تھا اور زلیخا خاتون نے جناب یوسف علیہ السلام کا ارادہ کر لیا تھا یعنی دونوں طرف سے ارادہ مکمل ہو گیا اور معصیت میں کوئی حائل نہ رہا تو خالق فرماتا ہے لو لا اره برهان من ربه یعنی اگر وہ اللہ جل جلالہ کے برہان کا مشاہدہ نہ کرتے تو معصیت کر گزرتے

اب خود سوچئے جو معصیت سے عین اول وقت میں بچا رہا ہے وہ اللہ جل جلالہ کے کس برہان کا مشاہدہ تھا؟ سچ تو یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ یہ فرمانا چاہتا ہے کہ اگر جناب یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں سرکار عصمت الامام عجل اللہ فرجہ الشریف مداخلت نہ کرتے تو ایک نبی معصیت کی گھاٹیوں میں تو گر ہی جاتا لیکن ساتھ ہی اپنی نبوت وعظمت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا

اس سے قبل میں نے ایک نشست میں آپ کے سامنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اصحاب اقدس کے معیار کے بارے میں عرض کیا تھا یہ آٹھ دس برس پرانی بات ہے اس لئے شاید یاد نہ ہو اس میں میں نے عرض کیا تھا کہ ان کا معیار ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننا وے انبیا ورسل سے بھی بلند ہوگا ان کے بارے میں عرض کیا تھا کہ آپ جزائر خضرا کے بارے میں دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ وہاں شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف ہی کے پانچ فرزندان اطہار علیہم الصلوات و السلام کی اولاد طاہرہ صلوات اللہ علیہم اجمعین ہی آباد ہے اور ان کی اس وقت تعداد ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ہے اور واقعۂ جناب علی بن فاضل مازندرانی میں ہے کہ جب جمعہ کا روز آیا تو اس دن وہاں دعائے تعجیل فرج کا اہتمام تھا اور نماز جمعہ کے بعد مسجد کے باہر کئی گھوڑا سوار جوان کھڑے تھے میں نے گنے تو ان کی تعداد تین سو کے قریب تھی اور جب میں نے جناب شمس الدین محمد علیہ السلام سے آکر وجہ دریافت کی تو فرمایا ہمارے جد اطہر عجل اللہ فرجہ الشریف کو آپ کی دنیا سے بھی تین سو تیرہ افراد کی ضرورت ہے اور اپنی اولاد میں سے بھی تین سو تیرہ کی ضرورت ہے اور وہ تعداد ابھی یہاں بھی میسر نہیں ہے اور تیرہ افراد ابھی یہاں بھی کم ہیں

تو اس بات سے اندازہ لگائیں کہ آپ نے اپنے اصحاب کا میرٹ Merit کتنا اونچا رکھا ہے کہ خود ان کی اولاد جو لاکھوں کی تعداد میں ہے ان میں سے بھی اس معیار پر وہاں بھی ابھی کئی جوان پورے نہیں اتر رہے کیونکہ ان کا مقامِ عصمت انبیا علیھم السلام سے بھی بدرجہا بلند ہے

اب یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ عصمت اکتسابی نہیں ہوتی عطائی ہوتی ہے چاہے وہ جزوی ہو یا کلی کسی کے کمانے کی چیز نہیں ہے انسان تزکیات وعبادات کرتا ہے مگر عصمت نہیں مل جاتی کیونکہ اگر اس طرح عصمت مل سکتی تو سب سے بڑا معصوم شیطان ہوتا کیونکہ اس نے عبادات میں فرشتوں کو بھی مات کر دیا تھا عبادات استحقاق تو پیدا کر دیتے ہیں عطا فرمانا مالک کی مرضی پر منحصر ہے اور جب عصمت عطا فرمائی جاتی ہے تو نورِ عصمت الامام عجل اللہ فرجہ الشریف اس شخص کے قلب میں جاری ہو جاتا ہے اور اس نور کا جاری ہونا ہی معصوم بنا دیتا ہے

آپ احادیث میں دیکھیں کہ فرمایا گیا ہے جس وقت ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی حکومت ہوگی تو اس وقت انسانیت بشری تقاضوں سے ارفع ہو جائے گی یہاں تک فرمایا گیا کہ یستغنی عن حمامٍ و حجامٍ و طبیبٍ ان کے زمانے میں ساری رعیت حمام یعنی غسل سے اور حجام سے اور طبیب سے مستغنی ہو جائے گی

آپ دیکھیں کہ شریعت تو یہی باقی رہنا ہے اور اس شریعت کی رو سے چھ غسل واجب ہیں جن میں سے غسل جنابت، غسل ولادت، غسل نفاس، ایسے غسل ہیں کہ جن کا تعلق انسانی پیدائش سے ہے اب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ روایات کثیرہ میں ہے کہ زمانۂ رجعت میں کوئی مومن اس وقت تک دنیا سے نہ جائے گا جب تک کہ وہ اپنے

ایک ہزار بیٹے پیدا نہ کرلے گا عبارت یہ ہے

یولد لکل مومن الف ذکر

امام صادق علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا کہ ایک ایک مومن ایک ایک ہزار بیٹا پیدا کرے گا یعنی رسول اکرم صلی الله علیه و آلہٖ وسلم نے فرمایا تھا

انی اباھی بکم الامم

جس طرح وہ جناب کثرتِ امت پہ فخر کریں گے اسی طرح ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف بھی اپنی رعیت کی کثرت پہ فخر کریں گے

اور صورت حال یہ ہوگی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اسے غسل ولادت کی ضرورت نہ ہوگی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی بچہ ان کے دور میں بشریت لے کر پیدا نہ ہوگا ورنہ غسل واجب ضرور ہوتا بلکہ جہاں پیدا ہوتا اس جگہ کو بھی نجس کر دیتا یعنی ہر بچہ نزھون عن حظوظ البشریه کا مصداق بن کر پیدا ہوگا تو پھر غسل کیسا؟

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں پر غسل واجب ہوتا ہے مگر وہاں اسے بھی غسل کی حاجت نہیں رہے گی تو کیا پیدا ہونے والا بچہ عام بشر کی طرح پیدا ہوگا؟

دوسری طرف یہ صورت حال ہے کہ اولاد پیدا ہوتی ہے تو میاں بیوی کے ملاپ سے ہوتی ہے اور جب یہ ملاپ ہوتا ہے تو غسل واجب ہوتا ہے

جب ہزار بیٹا ہونے کے باوجود مومن غسل سے بے نیاز ہوگا تو کیا خیال ہے کہ وہ بیٹے تمہاری طرح پیدا ہوں گے پھر ایسی امت کے امام کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ایک زمانہ تو گزرنے دو امام اپنی رعیت کی نوع بدل دے گا حجام وطبیب سے بھی مستغنی ہو جائیں گے جہاں مناسب بال ہوں گے وہیں رہیں گے بیمار بھی کوئی نہیں ہوگا

اب یہاں کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ کیسے ہوگا؟

میں عرض کروں گا کہ آپ نے جنت کے بارے میں تو سنا ہوگا کہ وہاں بھی اولاد ہوگی مگر کیا وہاں بھی مومنین کو غسل جنابت اور غسلِ ولادت کرنا پڑے گا؟ کیا وہاں بھی بچے اس بشریت کے ساتھ پیدا ہوں گے؟

دوستو اعتراض کی تو گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اس دنیا کو جنت بنا دینا ہے تو نظام بھی وہی لاگو فرمایا جائے گا

پہلی حجتیں رعیت پر حکومت کرتی تھیں یہ فطرت پر حکومت کریں گے

و ما کان الناس ملجیء فی الاض و لا فی السماء

اس کے دور میں کوئی مومن بھی ایسا نہ ہوگا جو معصوم نہ ہوگا کیونکہ اس وقت آپ مقام الوہیت پر جلوہ کشا ہوں گے اور آپ کی پوری رعیت مقام انبیا پر جلوہ سامان ہوگی اور جو پوری دنیا کے انسانوں کو مقام نبوت و عصمت عطا فرما دے اسی کو عصمت الامم عجل اللہ فرجہ الشریف کہا جاتا ہے دعا کریں وہ نور ساری دنیا پر جلدی جلوہ کشا ہو جائے تاکہ ساری دنیا اللہ جل جلالہ کے نور سے جگمگا اٹھے یہ دنیا بہشت بریں بن جائے کہ جس کے بارے میں ہے کہ وہاں ساری خلقت اپنے رب کی زیارت سے مشرف ہوگی

ہماری تو یہی دعا ہے کہ عالمین میں جاری و ساری اللہ جل جلالہ کی حکومت الھیہ کا جلدی ظہور رہو اور اس دنیا کو خدا بینی کا موقعہ میسر آئے

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

ان كل من فى السموات و الارض الا آتى الرحمن عبداً ()

اے طالبانِ رحمتِ عرفان

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے ایک سلسلہ گفتگو شروع کیا ہوا جس میں ہم اپنے وارث شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ کے اسرار و غوامض پر روشنی ڈال رہے مگر یہ بھی ہمارے ظرف و شعور کے مطابق ہے نہ کہ شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کی شان کے مطابق ہے

آج ہم جس اسم مبارک پہ گفتگو کر رہے ہیں وہ نام پاک ہے

الرحمٰنؐ عجل الله فرجه الشريف

سب سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ میں ایک بہت بڑی الجھن کو دور کرتا چلوں وہ یہ

ہے کہ سبھی علماء کرام نے تو نہیں البتہ اکثر علماء ضرور لکھتے ہیں کہ ''رحمٰن'' اللہ جل جلالہ کا وہ اسم ہے جو غیر کیلیئے بولنا منع ہے علمائے اعلام نے لکھا ہے کہ اللہ جل جلالہ کے اسمائے حسنٰی توقیفی ہیں (وقف ہیں) جو اس نے فرمائے ہیں وہی پکارو اپنی طرف سے کوئی نام پکارنا سخت گناہ ہے مثلاً کوئی اللہ جل جلالہ کو رام کہہ دے تو یہ گناہ ہے

اور کچھ نااہل لوگ اللہ جل جلالہ کو خدا کہہ دیتے ہیں کتنی بڑی حماقت ہے کہ اللہ جل جلالہ کو خدا کہہ دیا میں نے پورے قرآن میں تلاش کیا مگر مجھے اس کا اسم خدا کہیں نظر نہیں آیا اس کے ننانوے اسمائے حسنٰی میں بھی کہیں لفظ خدا نظر نہیں آیا ہے اور ماضی میں جو چارسو اسمائے حسنٰی رائج تھے ان میں بھی یہ اسم کہیں نہیں تھا اب خود سوچیئے کہ اللہ جل جلالہ کے اسمائے حسنٰی تو ہیں توقیفی کہ جو قرآن میں آئے ہیں وہی نام اللہ جل جلالہ کے ہیں کوئی شخص اللہ جل جلالہ کو عزیٰ یا بھگوان یا رام کہہ کر نہیں پکار سکتا تو اللہ جل جلالہ کو خدا کہنے والا کتنا بڑا احمق ہے اور اس سے بھی بڑا ایک اور احمق ہے جو کسی دوسری شخصیت کو جب خدا کہہ دیا جائے تو کان پکڑنا شروع کر دیتا ہے یعنی کسی دیوانے ملنگ نے کہہ دیا کہ امیر المومنین شہنشاہِ نجف علیہ الصلوات و السلام میرے خدا ہیں تو فوراً نعوذ باللہ نعوذ باللہ پڑھ کر کان پکڑ لیتے ہیں ہو سکا تو ایک آدھ فتوے کی سلپ بھی اس پر چسپاں کر دی۔ بھئی جب خدا اللہ جل جلالہ کا نام ہی نہیں ہے تو شرک کیسا؟ یہ تو ہمارا وضع کردہ نام ہے خداوند تعالیٰ حالانکہ یہ مصری فراعنہ کا لقب تھا تو موحدین سے اکثر ایسی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں کہ اللہ جل جلالہ کی محبت میں اندھے ہو کر خود اللہ جل جلالہ کو بھول جاتے ہیں جیسے ایک موحد نے مٹی کے پتلے کو سجدہ کرنے سے صرف اس لئے انکار کیا کہ سجدہ اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کا ہو نہیں سکتا وہ پکا موحد تھا مگر اللہ جل جلالہ نے

کہہ دیا کہ و کان من الکافرین

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ جل جلالہ ایک مسمیٰ ہے اسم اس پر دلالت کرتا ہے تعارف کا ذریعہ بنتا ہے ذاتی تشخص بخشتا ہے ورنہ اللہ جل جلالہ تو کیا کسی عام آدمی کو بھی نام کی ضرورت نہ ہوتی اگر کسی انسان کا نام نہ بھی ہو تو وہ ادھورا انسان نہیں ہوتا اس کے جسم و پیکر و ذات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی صرف دوسرے لوگوں کیلئے الجھن ہے تو بس نام صرف وہ الجھن دور کرتا ہے دوسروں کی ذات کی نہیں اب اللہ جل جلالہ نے جو نام پسند کیئے ہیں یہ اس کا جز و ذات نہیں بلکہ مخلوق کی سہولت کو سامنے رکھا ہے کہ میری عاجز و ناقص مخلوق مجھے کیسے پکارے گی تو مخلوق پر رحم کرتے ہوئے فرمایا

قُلِ ادْعُواْ اللّهَ أَوِ ادْعُواْ الرَّحْمَـنَ أَيّاً مَّا تَدْعُواْ فَلَهُ الأَسْمَاء الْحُسْنَى

اے رسول انہیں فرما دیں چاہے اللہ کہہ کر پکاریں یا رحمٰن تو یہ اس کے حسین نام ہیں (اس کی ذات نہیں ہیں)

اب مناسب ہوگا کہ میں لفظ رحمٰن پر کچھ عرض کرتا چلوں تو پہلے اس کے معنی واضح کر دوں تاکہ الجھن نہ رہے تفسیر البیان جو دورِ حاضر کے عظیم مرجع جناب آغا خوئی نے لکھی ہے تو سورہ فاتحہ میں الرحمن الرحیم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رحمٰن مشتق ہے رحمت سے کیونکہ کلیہ ہے کل شی یعرف بضدھا ہر چیز اضداد سے پہچانی جاتی ہے اس لئے یہ بھی لکھا ہے کہ رحمت کی ضد قساوت قلبی ہے بے مہری یعنی دل کی سختی ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ رحمت اللہ کی قوتِ خصلیہ میں سے ہے پھر فرماتے ہیں کہ رقتِ قلبی یعنی نرم خوئی لوازماتِ رحمت ہی سے ہے مگر یہ ہے کیفیات قلبی میں سے اور اللہ جل جلالہ کیفیات سے منزہ ہے لہذہ یہاں مجبوراً رحمت کے جو حقیقی معنی ہیں وہ بدلنا

پڑیں گے اور مجازی معنی ہی لینا پڑیں گے

اس سے ثابت ہوا اگر انسان تنزیہ کی منزل میں اتر کر دیکھے تو اللہ جل جلالہ کی ذات رحمت سے بھی منزہ و پاک و مجرد نظر آتی ہے کیونکہ جملہ جذبات و کیفیات و احساسات سے وہ ماوریٰ و منزہ ہے

پھر لکھتے ہیں لفظ رحمٰن پورے قرآن میں مطلق آیا ہے مشروط نہیں یعنی رحمٰن صرف مومنین یا لوگوں کیلئے ہی رحمٰن ہو ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی رحمت محیط بالموجودات ہے اس لئے شرط الناس یا المومنین نہیں ہے یعنی کہیں بھی ان اللہ بالناس یا بالمومنین الرحمن نہیں آیا ہے

گو رحیم اور رحمٰن کا مادۂ اشتقاق ایک ہی ہے مگر رحیم مشروط وارد ہوا ہے اور لفظ رحمٰن کبھی مشروط وارد نہیں ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی رحمانیت پورے عالمین کیلئے ہے اس میں مذہب ہو یا نوع ہو یا قسم غرض وہ ہر چیز کیلئے رحمٰن ہے مگر رحیم صرف اور صرف مومنین پر ہے یہ بھی یاد رہے کہ یہ دونوں اس کے صفات ہیں

یہ بھی ہے کہ مقام تنزیہ پر وہ ذات جملہ صفات سے مجرد ہو جاتی ہے اور ان اسما و صفات کو خالق نے اپنے لئے وضع و ایجاد نہیں فرمایا بلکہ اپنی مخلوق کے حصولِ فیض کیلئے ایجاد فرمایا ہے یا بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

قُلِ ادْعُواْ اللّهَ أَوِ ادْعُواْ الرَّحْمَـنَ أَيّاً مَّا تَدْعُواْ فَلَهُ الأَسْمَاء الْحُسْنَى

اے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انہیں فرما دیں چاہے اللہ کہہ کر پکاریں یا رحمٰن تو یہ اس کے حسین نام ہیں (ذات نہیں)

حقیقت میں دیکھا جائے تو وہ خلاقِ قوائے متضادہ و مطابئہ ہے وہ رحمٰن نہیں بلکہ

رحمت کا خالق ہے وہ علیم نہیں بلکہ علم کا خالق ہے وہ قہار نہیں بلکہ قہر کا خالق ہے وہ قادر نہیں بلکہ قدرت کا خالق ہے اور یہ مختلف قوتیں ہیں کہ جن کا وہ خالق ہے

ایک طرف یہ حقیقت ہے کہ اس کا کوئی نام ہے ہی نہیں اور دوسری طرف مخلوق کو اس کی ضرورت ہے اور مخلوق اسے پکارنا چاہتی ہے اسی مخلوق کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اس نے نام فراہم فرمائے ہیں

صورت حال یہ ہے کہ اگر وہ صرف ایک ہی نام فراہم کر دیتا تو فطرت انسانی کبھی کبھی اجنبیت محسوس کرتی کیونکہ مخلوق کچھ عجیب سی الجھن میں پھنس جاتی اگر اللہ جل جلالہ کا نام صرف قہار ہوتا تو انسان اکثر دعاؤں میں ناامید ہو جاتا کہ جو ہے ہی قہار ہم اس سے رحم و کرم کی بھیک کیا مانگیں وہ تو صرف قہر کرنا ہی جانتا ہے اب اگر وہ صرف رحمٰن نام دیتا تو انسان ظالم کو بد دعا نہ دیتا اللہ جل جلالہ سے انتقام کی دعا نہ کرتا کہ وہ تو صرف رحم کرنا ہی جانتا ہے وہ میرے یا اپنے دشمن کو کیا عذاب دے گا

بس یوں سمجھ لیں کہ یہ نام درحقیقت ان قوتوں کے نام ہیں کہ جن کا وہ خالق ہے

میں عرض کر رہا تھا کہ اسم رحمٰن غیر مشروط مطلق ہی آیا ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس کی رحمت کسی نوع کیلئے مخصوص نہیں ہے مگر پھر بھی یہ اسم ہی ہے ذات نہیں ہے اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ذات سے اسم جدا ہوتا ہے اور اگر چاہیں تو اسم بدل سکتے ہیں مگر ذات کبھی بھی نہیں بدلی جا سکتی اگر اس حقیقت کو حسی طور پر سمجھنا ہے تو پھر تبدیلیِ نام کے جو اشتہارات اخبار میں آتے ہیں انہیں دیکھ لیں

اقسام دلالت

دوستو دیکھئے اللہ جل جلالہ نے کیا فرمایا ہے

أَيّاً مَّا تَدْعُواْ فَلَهُ الأَسْمَاء الْحُسْنَى

کہ یہ میرے خوبصورت نام ہیں ذات نہیں اسم صرف ذات پر دلالت کرتا ہے ذات کی نشاندہی اور تشخص کرواتا ہے

دلالت دو طرح کی ہوتی ہے (1) دلالت لفظی (2) دلالت وجودی

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے دونوں کو یکجا کر دیا ہے اور اپنی قوتوں کو جو نام دئے ہیں تو وہ صرف نام نہیں ہیں بلکہ قوت کی صفات کو بیان فرمایا ہے اور وہ قوت قوتِ وجودی ہے جو دلالتِ وجودی کی حامل ہوتی ہے یعنی اس کی قوت کا ایک ذخیرہ ہے جس میں اس کی کئی قوتیں موجود ہیں اور ان قوتوں کے مظاہرے کو مختلف اسما سے موسوم کر دیا ہے مثلاً ایک کمرے میں دس بلب لگے ہوئے ہیں جو باری باری جلتے ہیں اور سبھی مختلف رنگوں کے ہیں اب باہر بیٹھا ہوا آدمی دیکھے گا کہ کمرے سے سبز روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی ہے تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ اندر سبز بلب جل رہا ہے پھر سرخ روشنی نظر آئی تو فوراً سرخ بلب کا خیال آیا اسی طرح خیالات بدلتے رہے مگر یہ خیال نہ آیا کہ ان کے پیچھے جو قوت کارفرما ہے اس کا تو ایک ہی رنگ ہے مگر جسے رنگ نہیں کہا جا سکتا تو یہ ظاہری نمود و اظہار تو ان شیشے کے کوروں کا ہے جو صرف دکھانے کے کام آتے ہیں تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نظام بھی ایسا ہی تصور کر لیں (صرف سمجھنے کیلئے) یعنی اللہ جل جلالہ کا خزانہِ قویٰ وہ واحد نور ہے جو کُلّنا واحِد کا مصداق ہے اور یہ چہاردہ معصومین علیہم الصلوات و السلام ہی ہیں اور ان کے چودہ وجود ہائے اطہر اظہاری و اعتباری ہیں اور یہ صرف اظہاریت کی حد تک ہی ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ان کا یہ اختلاف رنگ و وجود ان کی وحدت کے منافی نہیں ہے اور اس کے

خزانہ میں قوائے فعالیہ کا عظیم ذخیرہ موجود ہے تو اس کی رحمت بھی اس کی قوائے فعالیہ میں سے ہے اس لئے اس جلّ جلالہ نے اپنی رحمت کل کے پیکرِ ازلی کو اسم رحمٰن عطا فرمایا کہ اس پیکر ازلی نے رحمت کے اظہار کیلئے تخلیقِ کائنات فرمائی

خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى ()الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى

کہ اس نے زمین اور اونچے آسمان کو خلق فرمایا اور پھر رحمٰن عرش پر جلوہ افروز ہوا (عرش کے معنی تخت کے ہیں) تو تخت پر رحمٰن کا بیٹھنا بتا رہا ہے کہ اس سے مراد اللہ جل جلالہ نہیں بلکہ وہ رحمٰن ہے کہ جو رحمت کل کا ازلی پیکر ہے کیونکہ ہر چیز کو خلق کرنے کی اصلی وجہ رحمت ورحم ہے تو اس لئے سورہ مریم میں فرمایا

اِنّ کُلُّ مَن فی السّمٰواتِ وَالارضِ اِلّا آتی الرَّحمن عَبداً

زمین وآسمان میں جو بھی ہے وہ رحمٰن علیہ السلام کے حضور عبد و غلام بن کر آئے گی کیونکہ یہاں مادی اور غیر مادی چیزوں کا ذکر ہے تو لازماً رحمٰن کے حضور وہ آئیں گی وہ مقامِ واحد پر موجود ہوگا کہ جہاں یہ اشیاء آئیں گی تو مقامِ واحد پر موجود رحمٰن اس ذات واجب الوجود کا کوئی نمائندہ تو ہوسکتا ہے مگر اللہ جل جلالہ نہیں ہوسکتا

یہ بھی آپ نے دیکھا ہے کہ یہاں اظہار ذات کا ذکر ہے یعنی اللہ جل جلالہ کا اظہار ہوگا یعنی جہاں جہاں بھی اللہ جل جلالہ ہوگا اس کے نمائندے کا نور موجود ہوگا اور جب بھی ذات اپنی رحمت کا اظہار فرمانا چاہے گی اسے اپنے نمائندے کو بلانا نہیں پڑے گا بلکہ وہ وہیں ظاہر ہو جائے گا اور اللہ جل جلالہ کے صفات کا مظاہرہ فرمادے گا میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جہاں جہاں اللہ جل جلالہ کی رحمت ہے وہاں یہ پیکرِ رحمتِ کلی کیسے موجود نہیں ہوگا ہاں اللہ جل جلالہ اور ان میں یہی فرق ہے کہ اللہ جل جلالہ اپنا کہیں

بھی اظہار نہیں کر سکتا مگر یہ جہاں چاہیں ظاہر ہو جاتے ہیں تو جہاں یہ ظاہر ہو جائیں وہاں گویا اللہ کا اظہار ہے کیونکہ یہ مظہر ہیں مظہر کے معنی ہی یہی ہیں (جائے اظہار) عربی قاعدے کے مطابق مظہر اسمِ ظرف ہے یعنی برتن جس میں کوئی چیز موجود ہو اب یہ اللہ جل جلالہ کے مظہر ہیں تو گویا اللہ جل جلالہ ان کے اندر ہے اور یہ ظرف الٰہی ہیں اللہ جل جلالہ مظر وف ہے کہ اللہ جل جلالہ چاہے تو اس کا احاطہ علمی ہو سکتا ہے اور ان کے لئے اس نے چاہا ہے تبھی تو مظہر اسمِ ظرف قرار دیا ہے

ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے لے کر شہنشاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک سبھی ذوات اسم رحمٰن کے حامل ہیں ان ذوات کا وجود ہی اللہ جل جلالہ کی ذات پر دلالت کرتا ہے یہ اس کے اسماء وجودی ہیں تبھی تو فرمایا تھا نَحنُ اَسماء اَلحُسنیٰ کہ اللہ جل جلالہ کے حسین نام ہم ہیں شہنشاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم رحمت العالمین ہیں تو اسم رحمٰن کی تفسیر یہی ہیں ایک آیت میں تو شہنشاہِ نجف علیہ الصلوات و السلام کو بھی اللہ نے اسم رحمٰن سے موسوم فرمایا ہے کہ جب بھی آدم سے عیسیٰ تک کسی نبی نے دورانِ جہاد یا دیگر مشکلات میں پکارا تو اللہ جل جلالہ کی رحمت کے پیکرِ ازلی کو رحم آیا اور انہوں نے اولین و آخرین کی امداد فرمائی اور اللہ جل جلالہ نے اس کے بعد اعلان فرمایا

اَمَن ھٰذَا الّذِی ھُوَ جُند لَّکُم یَنصُرَکُم مِنَ الرَّحمن اِنَ الکٰفِرُونَ الاَ فِی غَرُراََ ۰

بھلا رحمٰن علیہ السلام کے علاوہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر نصرت فرماتا ہے کافر تو ویسے بھی دھوکے میں ہیں

اب ایک تو نصرت و مدد کرنا ثابت ہے پھر لفظ جُندُ لَّکم سے امیرِ کائنات علیہ الصلوات و السلام کا یعنی ایک فردِ واحد کا مکمل لشکر ہونا بھی ثابت ہے اور پھر نصرت کے منکرین کا بقولِ قرآن کافر ہونا بھی ثابت ہے کہ سرکار امیرِ نجف علیہ الصلوات و السلام کی مدد کے منکر کو اللہ جل جلالہ نے دھوکے میں پڑا ہوا کافر کہا ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے کہ اللہ جل جلالہ کے قادر ہونے کے منکر کو کافر ہی کہنا چاہیئے تھا

جب ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ذکر آیا تو اللہ جل جلالہ نے اپنی رحمت کے اس پیکرِ جاوید کا ذکر یوں فرمایا

يَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِيۡنَ إِلَى الرَّحۡمَنِ وَفۡدا

اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ ہم متقین کے گروہ کو رحمٰن کے حضور میں پیش کریں گے اللہ جل جلالہ پیش کرے گا متقین کو رحمٰن کے حضور ''نحشر'' جمع کا صیغہ ہے یعنی ہم پیش کریں گے اب یہ ماننا پڑے گا کہ متکلم اور ہے اور رحمٰن اور ہے جیسے میں کہتا ہوں کہ میں لوگوں کو سٹیج کے سامنے بٹھاؤں گا - تو میں اور ہوں سٹیج اور ہے

تو اللہ جل جلالہ متقین کو رحمٰن کے سامنے پیش کرے گا

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں صرف متقین کی تخصیص کیوں ہے صرف متقین ہی کو کیوں؟

یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے وہ متقین ہیں کون؟

ان سوالات کے جواب کیلئے ہم اللہ جل جلالہ کی اس کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ جس کے بارے میں ارشاد ہے تفصیل لکل شی اس میں ارشاد ہوتا ہے

المتقین الذین یومنون بالغیب (سورہ فاتحہ)

کہ متقین وہ ہیں جو غیب پر ایمان لائے ہیں

امام صادق علیہ الصلوات و السلام کی بارگاہ میں جب اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو فرمایا متقین شیعانِ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام ہیں اور غیب سے مراد شہنشاہِ غائب امامِ زمانہ صلوات اللہ علیہ و عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں کہ جو شیعہ دورِ غیبت میں ان پر ایمانِ کامل رکھتے ہیں وہ متقین ہیں

حق بھی یہی بنتا ہے کہ جو شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف پر ایمان رکھتے ہیں تو انہیں پیش بھی انہی کے حضور ہونا چاہیئے کہ جس پر غیبت میں ایمان تھا انہی کو دیکھ بھی لیں یعنی زیارت سے مشرف بھی ہولیں آگے فرمایا

وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وِرْداً

اور ہم مجرمین کو پیاسے جانوروں کی طرح جہنم کی طرف ہانکیں گے

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَنِ عَهْداً

کہ کسی کو اختیارِ شفاعت ہی نہ ہوگا مگر جس نے رحمٰن سے عہد لے رکھا ہے وعدہ لے رکھا ہے

امام صادق علیہ الصلوات و السلام سے تفسیرِ صافی کے صفحہ 317 پر روایت ہے کہ جس نے اقرارِ ولایت کرلیا اور حقوقِ مؤدت ادا کردئے گویا اس نے رحمٰن سے عہد لے لیا ہے یعنی دورِ غیبت اور دورِ شہود میں کسی لمحہ فراموش نہیں کیا ذکر سے غافل نہیں ہوا فرائض ادا کرتا رہا حقوقِ آئمہ اطہار علیہم الصلوات و السلام ادا کرتا رہا اسی لئے تو ارشادِ قدرت ہے کہ

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ

یعنی جو ذکر رحمٰن سے اندھا ہوا اس پر ایک شیطان کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو اس کے ساتھ رہتا ہے یعنی ہر وقت اس پر سوار رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ

قُلْ مَن كَانَ فِيْ الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدّاً حَتَّى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُون

یعنی جو شخص گمراہی میں رہا تو رحمٰن بوجہ رحم اسے مہلت دیتا ہے ایک مدت تک تا اینکہ وہ اسے دیکھ لیتا ہے جس کا اس سے وعدہ ہوا تھا

إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ

کہ اسے عذاب سمجھو یا خروج یعنی جس کا وعدہ ہوا ہے وہ خروج سمجھو یا عذاب بہر حال وہ موعود ہے یعنی (وعدہ شدہ ہے) جس دن یہ یومِ موعود آئے گا تو پھر یتبعون الداعی لاعوج له تو سبھی لوگ ایک ندا کرنے والے کے پیچھے ہو جائیں گے جو درست ہوگا اس میں کجی نہ ہوگی اور وہ رحمٰن کے حضور سبھی کو پیش کرے گا

وَخَشَعَت الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْساً

اس دن رحمٰن کے حضور آوازیں پست ہو جائیں گی اور سوائے سرگوشیوں کے کوئی بات نہ سنی جائے گی

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ رحمٰنؑ ہے کون ؟ کلام مقدس میں اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ

رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرحْمَنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَاباً

وہ زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا رب ہے اور اس کے سامنے بولنے کی جرأت کسی کو نہ ہوگی

يَوۡمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالۡمَلَائِكَةُ صَفّاً

اس دن روح اور ملکوت کی صفیں سر جھکائے ہوئے کھڑی ہوں گی

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنۡ أَذِنَ لَهُ الرحۡمَنُ وَقَالَ صَوَاباً......(سورہ مرسلات 38)

اس دن ملکوت و روح کسی کو بھی کلام کرنے کی جرأت نہ ہوگی لیکن جسے رحمٰن کی پاک ذات اذن کلام مرحمت فرمائے گی وہ ٹھیک بولے گا

يَوۡمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنۡ أَذِنَ لَهُ الرَّحۡمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوۡلًا

اس دن کسی کو شفاعت کرنا نفع نہ دے گا مگر جسے ذاتِ رحمٰن اذن بخشے گی اور جس کی بات سے اس کی ذات راضی ہوگی

الۡيَوۡمُ الۡحَقُّ فَمَن شَاء اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ مَآباً

ہاں یہی دن ہے کہ جو عین حق ہے اور جو اپنے رب کے پاس جگہ بنانا چاہتا ہے ابھی سے بنالے جو چاہتا ہے کہ بارگاہ میں اچھا مقام ملے کرسی ملے اذن شفاعت ملے تو اب وقت ہے مقام بنالو

﴿ کیفیتِ اذنِ شفاعت ﴾

دوستو آپ جانتے ہیں کہ جب بھی کوئی کسی کو کسی چیز کا اذن یا اجازت دیتا ہے یا کسی چیز سے روکتا ہے تو اس امر و نہی کی بات کو اس تک پہنچانے کیلئے اس کے پاس چار ذرائع ہوتے ہیں

(1) ذریعہ کلامی () ذریعہ اشاراتی () ذریعہ مکتوبی () ذریعہ نیابتی

(1) ذریعہ کلامی وہ ہے کہ جس سے آدمی کسی سے اپنی زبان سے بات کرتا ہے اور اسے حکم یا اجازت دیتا ہے یا منع کرتا ہے یعنی اپنی آواز و الفاظ وصوت سے کسی کو

روکنا یا اجازت دینا ذریعہ کلامی ہے چاہے وہ روبرو ہو یا نہ، یا کسی آلے کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو

(2) ذریعہ اشاراتی وہ ہے کہ آدمی کسی کو کسی اشارے سے ہاں یا نہ کہتا ہے چاہے وہ اشارہ ہاتھ کا ہو یا آنکھ کا ہو یا وہ ریڈ Red یا گرین Green سگنل کی شکل میں ہو وہ اشارہ ہی ہوتا ہے

(3) اگر کوئی کسی کو لکھ بھیجتا ہے کہ تم نے یہ کام کرنا ہے یا نہیں کرنا تو اس تحریری امر و نہی کو ذریعہ مکتوبی کہتے ہیں

(4) اگر کوئی شخص کسی دوسرے فرد کے ذریعے کوئی حکم دیتا ہے یا منع کرواتا ہے تو یہ بھی ایک ذریعہ ہوتا ہے اور اس طریقے کو ذریعہ نیابتی کہا جاتا ہے

اس مقام پہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ جل جلالہ اگر کسی کو اذنِ شفاعت عطا فرمائے گا تو وہ کونسا ذریعہ اختیار فرمائے گا؟ یعنی وہ اذن اشاراتی ہوگا کلامی ہوگا یا مکتوبی ہوگا؟ مکتوبی یا اشاراتی اذن پر یہاں بحث کرنا ہی بات کو بڑھانے کے مترادف ہے اب دو ہی ذریعے رہ جاتے ہیں کہ جن سے اذن ملنے کا امکان ہے ذریعہ کلامی اور ذریعہ نیابتی

اب اگر محولہ بالا آیت میں جو لفظ رحمٰن ہے اس کے بارے میں اگر فرض کر لیں کہ رحمٰن سے مراد اللہ جل جلالہ ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ جل جلالہ بول نہیں سکتا اگر بولنا شروع فرمادے تو وہ وہ نہ رہے گا اس لئے وہ بول نہیں سکتا اگر وہ بول نہیں سکتا تو وہ اذن کیسے دے گا؟ کلام کیسے فرمائے گا؟ حالانکہ قرآن مقدس میں اللہ جل جلالہ کا ایک نام "متکلم" بھی ہے یعنی کلام فرمانے والا ہے مگر سبھی علماء یہاں آکر کہتے ہیں کہ

اللہ جل جلالہ حقیقی معنوں میں متکلم نہیں ہے صرف مجازی طور پر متکلم ہے یعنی وہ خود کلام نہیں فرماتا بلکہ کسی چیز میں کلام کو پیدا کرتا ہے جیسے طور کے درخت میں آواز پیدا کر دی اب یہ مسئلہ بھی باقی رہتا ہے کہ طور پر کوئی درخت تو تھا لیکن جب کچھ نہ تھا شئے ہی نہ تھی تو اس نے کلامِ اول کیسے فرمایا؟

یہاں آ کر سبھی مولوی چپ سادھ لیتے ہیں کیونکہ ان کے بقول وہ متکلم ہے ان معنی میں کہ وہ کسی شئے میں کلام کو پیدا کرتا ہے تو جب شئے ہی نہ تھی تو کلام کو کیسے پیدا کیا؟
دوستو اس سوال کے حل کرنے کیلیئے اس بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ مخلوق کی دو اقسام ہیں

(1) خلقی (2) امری

خلقی مخلوق کے پیدا کرنے میں وقت لگتا ہے امری مخلوق 'کن' سے پیدا ہوتی ہے مگر لفظ کن ہی کو پیدا کرنا بھی تو ایک مسئلہ ہے پھر باقی کلام تو بعد کی بات ہے اس پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاء حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ......(سورہ شوریٰ 51)

اللہ جل جلالہ کسی بشر سے کلام نہیں فرماتا سوائے تین طریقوں کے یا تو وہ وحی کے ذریعے کلام فرماتا ہے یا پسِ حجاب کلام فرماتا ہے یا کسی رسول (فرشتے یا انسان) کو بھیجتا ہے جو اس کے اذن سے جو چاہے وحی فرماتا ہے کیونکہ اللہ علی بھی ہے اور حکیم بھی ہے

دیکھیئے اس آیت میں جو تین ذرائع بیان ہوئے ہیں یہ سب اس کے مختلف ذرائع

نہیں ہیں بلکہ اس کے ذریعۂ نیابت کی تین حالتوں کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ وحی بھی نیابت ہے پس حجاب بھی اگر بولتا ہے تو نائب ہی بولتا ہے اور رسول انسانی یا ملکی یہ بھی ایک نائب ہی ہوتا ہے بلکہ نائب کا نائب ہوتا ہے اسی نظامِ کلام میں اللہ جل جلالہ کی حکمت بھی ہے اور اسی سے اس کی شان وعظمت بھی باقی رہتی ہے اس لئے اس سسٹم System کو بیان فرمانے کے بعد اس نے خود کو علی بھی کہا ہے اور حکیم بھی کہا ہے

اس مقام پہ عرض کروں گا کہ اللہ جل جلالہ کے کیلئے حقیقتاً کلام فرمانے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے اس کا نائب جو اس کی نیابت میں کلام فرمائے اور اس کا کلام اللہ جل جلالہ کا کلام شمار ہو اور اس نائب کا دل اللہ جل جلالہ کی مشیت کا آشیانہ بھی ہو اور وہ ماتشاؤ ن الا ان یشاء الله کا مصداق بھی ہو اور اللہ جل جلالہ بھی اس کے کلام کو اپنا کلام شمار فرمائے اور لوگوں کو آگاہ فرمادے کہ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کہ یہ اپنی خواہشِ نفس سے کلام نہیں فرماتے بلکہ یہ وہ کلام فرماتے ہیں جو اللہ جل جلالہ چاہتا ہے اور وہ اللہ جل جلالہ کا نائب مطلق ،نورِ ازلی حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہے جو ایک مطلق وحدت ہے جس میں چہاردہ معصومین صلوات الله علیهم اجمعین شامل ہیں اور یہ کلنا واحد کے مصداق ہیں بنیادی طور پر یہ ایک ہی نور ہیں مگر ان کا جدا جدا ظہور ایسے ہے جیسے سمندر میں موجوں کا ظہور ہوتا ہے اور یہ کلام میں کبھی کبھی کسی کو اپنا مظہر قرار دیتے ہیں جیسا کہ طور پہ درخت کہہ رہا تھا یا موسیٰ انی انا ربك اس راز کو جناب موسیٰ علیه السلام سمجھ رہے تھے تبھی تو چپ ہیں کہ درخت کی کیا جرأت کہ خود کو اللہ جل جلالہ کہہ دے اس میں کوئی

اور بول رہا ہے یہ تو ٹرانسسٹر Transistor ہے یہاں تو صرف سوئچ Switch آن ہوا ہے آواز تو کسی اور طرف سے آ رہی ہے یہ تو جیسے لاؤڈ سپیکر کا ہارن ہے ہارن خود نہیں بولتا بلکہ صرف انتقالِ حرارت کا عمل کرتا ہے اور وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ درخت اللہ جل جلالہ کا نہیں اللہ جل جلالہ کے کسی نائب کا مظہر بنا ہوا ہے اور اس کا اظہار اس درخت سے ہو رہا ہے اور بول نائب رہا ہے اور وہ خود نہیں بول رہا بلکہ اس کی زبان پر اللہ جل جلالہ کا کلام جاری ہے

ایک شخص ہے ابن الکوا، اس نے امیرِ کائنات علیہ الصلوات و السلام سے عرض کی آقا کیا جناب موسیٰ علیہ السلام سے پہلے بھی اللہ جل جلالہ نے کسی نبی یا کسی شخص سے کلام فرمایا ہے؟

آپ نے فرمایا ہاں اس نے تو ہر شخص سے کلام فرمایا ہے حتیٰ کہ ہر اچھے برے سے کلام فرمایا ہے ابن الکوا بہت حیران ہوا متحیر ہوا عرض کی آقا میں سمجھا نہیں فرمایا تو نے قرآن میں نہیں دیکھا ارشادِ قدرت ہے کہ

و اذ اخذ ا ربك من بنی آدم من ظهورهم ( )

یعنی جب تمہارے رب نے آدم کی پشت سے اس کی اولاد کو نکالا اور اعلان فرمایا کہ الست بربکم ؟ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو ہر اچھے برے نے وہ آواز سنی تھی اور سب نے عرض کی قالو بلیٰ عرض کی واقعی تو ہمارا رب ہے یہ واقعہ عالمِ ذر کا ہے کہ جب جناب آدم علیہ السلام کی پشت سے اولادِ آدم کو ظاہر کیا گیا تو وہ بالکل باریک جراثیموں کی طرح تھی (عربی میں ذر کہتے ہیں باریک ذرے کو چیونٹی یا کیڑے کو تو ترجمہ جراثیم یا سیل درست ہے)

دوستو اس مقام پر بھی متکلم ہے اور وہ ہر اچھے برے تک اپنی آواز پہنچا رہا ہے یہ جو بھی ہے وہ اللہ نہیں ہے جو عالمین کا اللہ جل جلالہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہاں بھی اس کا کوئی نائب گفتگو کر رہا ہے کیونکہ لفظ رب کا اللہ اور مظہر دونوں پر برابر کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ الست بربکم ؟ بحیثیت مظہر کیا میں تمہارا رب الارض نہیں ہوں ؟ اور بحیثیت ذات واجب الوجود کے فرما رہا تھا کیا میں تمہارا رب محمد و آل محمد علیھم الصلوات و السلام نہیں ہوں ؟

امیرِ کائنات علیہ الصلوات و السلام نے اس آیت کی تفسیر و تفصیل میں فرمایا کہ جب یہ واقعہ ہوا تو الست بربکم کی آواز کے بعد اعلان ہوا

انی انا اللہ لا الہ الا انا و انا الرحمن ( )

یعنی یقیناً میں اللہ جل جلالہ ہوں اور کوئی اللہ نہیں میرے سوا، اور میں رحمٰن ہوں اس میں غور کریں تو ایک حصہ غیب ذات کا ہے اور ایک نائب کا ہے یعنی کوئی اللہ نہیں میں اللہ کے سوا یہ فقرہ تو غیب کی طرف سے فرمایا جا رہا ہے اور انا الرحمن کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ نائب جو بھی ہے وہ اپنا تعارف کرا رہا ہے ورنہ اگر الرحمٰن سے مراد اللہ جل جلالہ ہوتا تو عبارت یوں ہوتی کہ

انی انا اللہ لا الہ الا انا الرحمن

یعنی یوں ہوتا کہ کوئی معبود نہیں سوائے میں رحمٰن کے 'میں رحمٰن ہوں' نہ ہوتا ایک مثال عرض کر دوں تا کہ میرا مافی الضمیر آپ کے ذہن میں اچھی طرح سما جائے ملکِ چین کا ایک وزیر پاکستان میں آیا اس نے اپنی تقریر جو ریڈیو پر کرنا تھی وہ پہلے لکھ کر دے دی تا کہ اس کا اردو میں ترجمہ ہو سکے اور تقریر کے فوراً بعد اس کا ترجمہ

نشر ہو سکے اب لئیق احمد نامی ایک شخص نے وزیر کی تقریر کے اختتام کے قریب ایک فقرہ کہا کہ میں پاکستانی بھائیوں کیلئے چینی بھائیوں کی طرف سے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں (لئیق احمد) یعنی اس نے لئیق احمد تقریر سے متصل کہا اور سمجھنے والے سمجھ گئے کہ پہلی تقریر وہ چینی وزیر کی نیابت میں کر رہا تھا مگر آخری نام جو اس نے لیا ہے یہ اس نے اپنا تعارف کروایا ہے بلا تشبیہ جب نائب الٰہی نے یہ فرمایا کہ میرے سوا کوئی اللہ نہیں اور میں رحمٰن ہوں تو یہ "میں رحمٰن" ہوں اس نائب نے اپنے تعارف کیلئے فرمایا ہے

بس دوستو میں اسی بات کو واضح کرنا چاہتا تھا کہ ازل میں منبر الست پر کلام فرمانے والا رحمٰن رحمت کا وہ ازلی پیکر تھا جو من حیث الکل محمدؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہے اور اظہار و نمود میں چودہ ہیں اور اس نور کے جزوِ آخر نے آخر میں الرحمٰن کا وہ عکس دکھانا ہے اور رحمٰن کی وہ تفسیر پیش کرنا ہے جو ابھی تک پردۂ غیب میں ہے اور ان کے حضور اولین و آخرین نے پیش ہونا ہے اس لئے فرمایا گیا تھا جب وہ تشریف لائیں گے تو یتبعون الداعی لا عوج له تو سبھی لوگ ایک ندا کرنے والے کے پیچھے ہو جائیں گے جو درست ہو گا اس میں کجی نہ ہو گی اور وہ رحمٰن کے حضور سبھی کو پیش کرے گا

وَخَشَعَت الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْساً

اس دن رحمٰن کے حضور آوازیں پست ہو جائیں گی اور سوائے سرگوشیوں کے کوئی بات نہ سنی جائے گی اور وہ

رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرحْمَنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَاباً

وہ زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا رب ہے اور اس کے

سامنے کسی کو بولنے کی جرأت نہ ہو گی

یَوۡمَ یَقُومُ الرُّوحُ وَالۡمَلَائِکَۃُ صَفّاً

اس دن روح اور ملکوت کی صفیں سر جھکائے ہوئے کھڑی ہوں گی

لَا یَتَکَلَّمُونَ إِلَّا مَنۡ أَذِنَ لَهُ الرحۡمَنُ وَقَالَ صَوَاباً......(سورہ مرسلات 38)

اس دن ملکوت و روح کسی کو بھی کلام کرنے کی جرأت نہ ہو گی لیکن جسے رحمٰن کی پاک ذات اذن کلام مرحمت فرائے گی وہ ٹھیک بولے گا

یَوۡمَئِذٍ لَّا تنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنۡ أَذِنَ لَهُ الرَّحۡمَنُ وَرَضِیَ لَهُ قَوۡلًا

اس دن کسی کو شفاعت کرنا نفع نہ دے گا مگر جسے ذاتِ رحمٰن اذن بخشے گی اور جس کی بات سے اس کی ذات راضی ہو گی

اب یہاں دعا کرنا لازم ہے کہ رب ذوالجلال والاکرام ہمیں اپنے آخری نائب ولی کلی مظہر اتم و کامل عجل اللہ فرجہ الشریف کا زمانۂ اظہار جلدی دکھائے اور اس دنیا پر حکومت الٰہیہ کا ظاہری قیام ہو اور باطل نابود ہو

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

فان كذبوك فقل ربكم ذو الرحمة واسعه

اے بیماران محبوبِ عرفان

ارشاد قدرت ہے اے میرے محبوب صلی اللہ علیك و علیٰ آلك اگر یہ دنیا والے آپ کی تصدیق نہ کریں تو ان سے فرما دیں تمہارا رب تو وسیع رحمت کا مالک ہے اس طرح کئی مقامات پر فرمایا گیا ہے

كَتَبَ عَلَى نَفسِهِ الرَّحمَةَ......یا ......كَتَبَ رَبُّكُمُ عَلَى نَفسِهِ الرَّحمَة

فرمایا اللہ جل جلالہ نے اپنے نفس کیلئے رحمت کو واجب قرار دیا ہے اسی طرح فرمایا کہ تمہارے رب نے اپنے نفس پر رحمت کو واجب قرار دیا ہے

ایک طرف ایسے لاتعداد فرامین ہیں کہ اللہ جل جلالہ اپنی مخلوق پر بہت رحمت فرمانے

والا ہے اور وہ بہت رحیم ورحمٰن ہے دوسری طرف مشاہدہ ہے تو وہ اس کے خلاف نظر آتا ہے کیونکہ جب کوئی انسان سطحی نظر سے اس دنیا پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے کائنات میں رحمت الٰہی کا مظاہرہ کم نظر آتا ہے جس کی وجہ سے ایک سطحی اور ظاہر بین انسان کے ذہن میں کئی شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان اس دنیا کا پورا نظام خلافِ رحمت دیکھتا ہے اور اس طرح وہ رحمت الٰہی کے بارے میں شکوک وشبہات میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ان شکوک وشبہات میں گرفتار لوگوں لوگوں کی دو قسمیں ہیں

(1) غیر مسلم (2) مسلمان

(1) غیر مسلم

جو غیر مسلم اس کائنات کو سطحی نظر سے دیکھتے ہیں وہ اس کائنات کے نظام کو کسی حکیم مطلق کے بجائے فطرت Nature کے ماتحت سمجھنا شروع کر دیتا ہے (کیونکہ ماضی میں نیچر Nature کو دہر کہتے تھے اس لئے جو Naturalist لوگ تھے انہیں دہریہ کہا جاتا تھا) جو لوگ دہر یعنی نیچر ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے جب ان سے اس کائنات کے حوالے سے حکیم مطلق جل جلالہ کے وجود کے بارے میں کوئی بات کی جاتی تھی تو وہ اس پر سب سے پہلے یہی سوال کرتے تھے کہ تم کہتے ہو اللہ جل جلالہ بڑا رحمان اور رحیم ہے مگر اس کائنات پر غور کرو اور پھر بتاؤ یہ کائنات کیا کسی ایسے خالق کی تخلیق لگتی ہے کہ جو صاحب حکمت و دانش بھی ہو اور رحیم بھی اور رحمٰن بھی ہو

ماضی قدیم میں ان کے اس معاملے میں جو اعتراضات وارد ہوئے تھے وہ آج بھی ہمارے کتب کلامیہ میں موجود ہیں مثلاً وہ کہتے تھے کہ اس کائنات کا مشاہدہ کریں جنگلوں سے لے کر مہذب دنیا تک ایک ظلم کا سلسلہ جاری وساری نظر آتا ہے تو ان

مظالم کو دیکھ کر ہم کیسے سمجھ لیں کہ اس دنیا کا خالق رحیم اور مہربان ہے کہ جس نے ایسی دنیا بنائی ہے کہ جو ظلم سے بھری ہوئی ہے اور مزید بھرتی جا رہی ہے اگر غور کریں تو ہر منہ ایک مذبح (ذبح خانہ) ہے اور ہر پیٹ ایک قبرستان ہے ماضی میں عورتوں کے ساتھ زہریلے جانوروں جیسا سلوک ہوتا رہا' غیرت کے نام پہ معصوم لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا رہا بچوں کو بتوں پر قربان گاہوں پہ دیوی دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھایا جاتا رہا کمزور اور نیک لوگوں کو جو ظالم اور جابر لوگوں سے خوفناک ظلم سہنے پڑے ہیں وہ بیان سے باہر ہیں انسان انسان کا صدیوں تک غلام رہا تو کیا اس دنیا کو بنانے والا اب بھی خود کو رحیم اور مہربان کہلوانے کا حق رکھتا ہے؟

ان کا کہنا تھا کہ اگر کوئی کہے کہ قیامت کے بعد ان سارے مظالم کا بدلہ انسانوں کو اور مظلوموں کو مل جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس بات کی امید کرنے کا کیا حق حاصل ہے کہ جو کامل اور نیک عاقل اور با قتدار حکیم ہمارے ساتھ حال میں حسن سلوک نہیں کر رہا تو مستقبل میں حال سے کوئی بہتر صورت پیدا ہو گی؟

کیا مستقبل میں خدا میں زیادہ طاقت آ جائے گی؟ یا وہ پہلے سے زیادہ مہربان و رحیم ہو جائے گا؟

یہ سوال پھر بھی ادھار ہی رہتا ہے کہ کیا خالق میں رحمت و کرم کے بارے ارتقا کا تصور جائز ہے یا نا جائز ہے یعنی اس میں بھی رحمت آہستہ آہستہ مکمل ہو رہی ہے یا بڑھ رہی ہے

اور یہ بات ظاہر ہے کہ تناسب کے لحاظ سے زیادہ لوگ بدکار اور بے رحم اور ظالم ہیں اور مائل بہ شہوت ہیں اس صورتِ حال کو دیکھ کر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ایک

حکیم و دانا ایسے انسانوں کو پیدا کرنا جائز سمجھتا ہے اور قیامت کی جزاوسزا کا تصور اس عقدے کو حل نہیں کرسکتا کیونکہ وہ جیسا حال میں رحمٰن ہے قیامت کے دن بھی ویسا ہی رہے گا اور اس میں تغیر ممکن نہیں اور جتنے فی صد وہ آج جبار و قہار و عادل ہے کل بھی اتنا ہی رہنا ہے تو پھر کل کے بارے میں ہم کسی خوش فہمی میں کیسے مبتلا رہ سکتے ہیں؟

ان اعتراضات کے جوابات متکلمین نے اپنے اپنے کتب کلامیہ میں دیئے ہیں ان میں سے ایک آدھ پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ میری منزل آپ کے سامنے آسکے

متکلمین نے کہا ہے کہ دنیا کی تین حالتیں فرض کی جاسکتی ہیں

(1)اس دنیا میں خیرِ محض ہوتی

(2)اس دنیا میں شر محض ہوتا

(3)اس دنیا میں کچھ شر کچھ خیر کا عنصر ہوتا

پہلی دو صورتوں میں تو کسی کو شک نہیں کیونکہ خیرِ محض قابل اختیار تھی اور شر محض قابل ترک تھا اب قابل بحث تیسری صورت ہے کہ جس میں بھلائیاں زیادہ اور برائیاں کم ہوں اگر ایسا پیدا نہ کیا جاتا تو یقیناً چند برائیاں وجود میں نہ آتیں لیکن اس کے ساتھ کافی اچھائیاں بھی ناپید ہوجاتیں نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیا چند برائیوں کی وجہ سے ہزاروں اچھائیوں سے محروم ہوجاتی کیونکہ ہر برائی کسی نہ کسی اچھائی کے تابع ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی چیزیں خلق نہیں کی جاسکتی تھیں کہ جن میں اچھائیاں ہی اچھائیاں ہوتیں اس کا جواب ابن رشد نے یہ دیا ہے کہ یہ ناممکن صورت ہے کیونکہ کوئی ایسی آگ نہیں بنائی جاسکتی کہ جو کھانا تو پکادے اور جب مسجد

کو لگائیں تو نہ جلائے

اس کا ایک جواب ہم بھی دیتے ہیں کہ انسان کی زندگی اس حیاتِ فانی تک ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک عالم کا جنم ہے جیسے شکمِ مادر میں جنم ہوا وہ زندگی پہلی زندگی سے مختلف تھی اس کے بعد شکم مادر سے انسان نکلا اور اس کا اس دنیا میں جنم ہوا انسان کا اس دنیا میں جنم لینا پہلی زندگی کا خاتمہ نہ تھا بلکہ ایک ہی حیات کے مختلف جنم تھے اور وہ سلسلۂ حیات اس دنیا تک ختم نہیں ہوتا بلکہ انسان ایک اور عالم میں جنم لیتا ہے اور اس دنیا سے انتقال کے بعد انسان ایک اور دنیا میں پیدا ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا اس لئے کسی ایک جنم کے نتائج کو سارے جنموں پر اپلائی Apply نہیں کیا جا سکتا اس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی آدمی جون جولائی کے مہینے میں پاکستان کے کسی گرم علاقے میں ہو اور کہے کہ ساری دنیا اس وقت دھوپ سے جھلس رہی ہے پوری دنیا پر سورج آگ برسا رہا ہے حالانکہ اس وقت آسٹریلیا میں برف باری کا موسم ہوتا ہے اور خود پاکستان کے بلند مقامات پر بھی موسم سرد ہوتا ہے مگر وہ ایک استقرا بنا لے کہ جون جولائی میں کہیں سردی ہو ہی نہیں سکتی تو یہ جاہلانہ استقرا یا کلیہ ہے اسی طرح جو لوگ ظلم وستم کو دیکھ کر استقرا وضع کرتے ہیں وہ استقرا بھی ناقص ہوتا ہے کیونکہ سارے عالم کا کلیہ متعین کرنا کسی کے بس کا روگ ہے ہی نہیں جب تک کسی چیز کا مشاہدۂ کلی نہ ہو استقرا قائم نہیں ہوسکتا اور سارے عالم کا مشاہدہ ایک فرد کیلئے محال ہے بلکہ پوری نوع انسان کیلئے بھی محال ہے جیسا کہ حال ہی میں کئی کہکشائیں دریافت ہوئی ہیں تو سائنس دانوں نے کہا کہ ہمیں ان کہکشاؤں کے درست معلومات کے حصول کیلئے نو لاکھ سال کا عرصہ درکا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ ہم ایک لمحہ بھی اپنا

وقت ضائع نہ کریں اوراس پر تحقیق کا عمل جاری رہے
اب اسی سے اندازہ لگائیں کہ ہمیں چند کہکشاؤں کیلئے بھی نو لاکھ برس کی انتھک محنت درکار ہے تو پوری کائنات کیلئے کتنا عرصہ درکار ہوگا؟ اس سے ثابت ہوا کہ ہم جو استقرا بنا رہے ہیں یہ ناقص ہے کیونکہ ہمارا مشاہدہ ناقص ہے اور استقرا کیسے کامل ہو سکتا ہے؟ یہ تو تھی غیر مسلم لوگوں کی بات ہاں متکلمین نے اس کے لاتعداد جوابات دیئے ہیں اس لئے ہمیں اس پہ زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے اب دوسرا گروہ ہے وہ ہیں مسلمان

(2) مسلمان

مسلمانوں میں سے بلا امتیازِ مسالک کافی لوگوں میں ایسی بحثیں ہوتی رہتی ہیں اور کئی سوالات کئے جاتے ہیں اور ان سوالات کے خود ساختہ جوابوں پر عقائد کی عمارت بھی کھڑی کر لی جاتی ہے مثلاً

کچھ لوگ یہ بات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اس دنیا میں ویسے بھی نیک اور کار آمد لوگوں کی شرح پیدائش کم ہوتی ہے اور جو بھی نیک لوگ اس دنیا میں پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کا فائدہ مکمل انسانیت کو ہو سکتا ہے تو ان لوگوں کو یہاں طرح طرح کے مظالم اور صعوبات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اسی طرح دنیا سے چلے جاتے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی سارے انبیا علیہم السلام اس دنیا سے خود نہیں گئے بلکہ انہیں ان دنیا کے اشرار اور کمینے لوگوں نے شہید کیا ہے اور وہ بھی بہت اذیت ناک طریقے سے' اب ان مشاہدات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اس دنیا کا خالق کوئی رحم دل اور صاحب دانش وحکمت ہو سکتا ہے

صرف انبیاعلیهم السلام ہی نہیں بلکہ جملہ اوصیا جملہ نیک اور انسانیت کے دوست اور ان کے خیر خواہ اور پوری دنیا اور مخلوق کے بھلے کی بات کرنے والوں کا کیا انجام ہوا ہے ؟ کیا کوئی دانا اور حکیم اور مہربان اپنے ایسے دوستوں کے ساتھ ایسا رویہ رکھ سکتا ہے؟

کچھ لوگ ان باتوں سے اپنے مخصوص عقائد کی تائید بھی لیتے ہیں مثلا کوئی کہتا ہے کہ یہ جو بھی اللہ جل جلالہ کے نمائندے آتے ہیں اگر انہیں کسی چیز کا اختیار رہوتا تو کیا وہ اس طرح سے عالم بے بسی میں دنیا سے اٹھائے جاتے ؟ کیا وہ اس طرح ہر ظلم سہہ جاتے ؟ لہذہ ان کے بس میں کچھ نہ تھا ورنہ وہ بھی ہاتھ پاؤں چلاتے اور نہیں تو اپنا دفاع تو کرتے

ان معترضین کو معلوم نہیں کیونکہ وہ اگر اپنی بات پر غور کرتے تو انہیں پتہ چلتا کہ وہ لوگ تو بلا واسطہ اللہ جل جلالہ پر اعتراض کررہے ہیں کیونکہ یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ اپنا کوئی نمائندہ بھیجے اور اسے کچھ بھی اختیار نہ دے اور خود بھی اس کی حفاظت نہ کرے جیسے کسی حکومت کا سربراہ سپاہی تو متعین کردے اور انہیں کوئی بھی اختیار نہ دے تو یہ اس سربراہ کے عقل کا نقص ہے

نظریہ امتحان

کئی لوگ ان مظالم کے سہنے کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ یہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ان کا امتحان ہوتا ہے مگر وہ امتحان کا فلسفہ نہیں سمجھتے کیونکہ امتحان تو طلبا کے استعدادات اور صلاحیتوں کو پرکھنے کیلئے ہوتا ہے اور وہ لوگ امتحان لیتے ہیں جو ان کی صلاحیتوں کو کسی اور طریقے سے نہیں پرکھ سکتے اور خالق کائنات تو علی کل شیءٍ علیم ہے اسے امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو امتحان سے قبل سب کچھ جانتا ہے

کئی لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ جل جلالہ کے دوستو کی آزمائش تھی جیسا کہ کربلا میں ابلیس نے کہا خالق انہیں مزید آزما گرمی بڑھا دے فلاں ظلم یہ برداشت کرلیں تو میں مانوں یہ بات بھی خلاف عقل ہے کہ کوئی دوست کسی دوست کو دشمن کے کہنے پر نہیں آزماتا جبکہ اسے یہ اچھی طرح معلوم ہو کہ یہ مجھے کسی بھی حال میں چھوڑنے والا نہیں ہے آج مجھے کوئی دشمن کہے کہ تم فلاں دوست کا ہاتھ کاٹ کر آزماؤ اگر وہ تمہارا سچا دوست ہے تو تمہیں پھر بھی نہیں چھوڑے گا اور میں دوست کا ہاتھ کاٹ دوں جبکہ مجھے معلوم بھی ہو کہ یہ مجھے کبھی بھی نہیں چھوڑے گا تو کیا میرا یہ کام درست مانا جائے گا؟

اس خاموشی اور صبر سے اخذ ہونے والے نظریات کے حامل کئی طبقے ہوتے ہیں مثلاً

ایک طبقہ انبیا و اوصیا و آئمہ علیھم السلام کو بے بس سمجھتا ہے

دوسرا طبقہ اللہ جل جلالہ کو نعوذ باللہ بے بس سمجھتا ہے

تیسرا طبقہ اللہ جل جلالہ کو قادر تو سمجھتا ہے مگر مہربان رحیم اور رحمٰن نہیں مانتا

چوتھا طبقہ انبیا و اوصیا و آئمہ ہدیٰ علیھم السلام کو بے بس نہیں سمجھتا اور ان کی خاموشیوں سے اہل باطل کے حق ہونے پر استدلال کرتا ہے کہ جب وہ قادر تھے تو پھر انہوں نے خاموشی کیوں اختیار فرمائی ہے اس خاموشی کو نیم رضا ماننا چاہیے اور جن کے حق میں انہوں نے خاموشی اختیار فرمائی ہے انہیں درست اور حق پر ماننا چاہیے کیونکہ انہوں نے با اختیار ہوتے ہوئے اہل باطل کو قتل کیوں نہیں کیا اور ان کے خلاف جہاد کیوں نہیں کیا؟ اور ان کا جہاد نہ کرنا ان لوگوں کی سچائی کی واضح دلیل ہے

دوستو اس قسم کے سارے سوالات کے جوابات کو حاصل کرنے کیلئے ہمیں اللہ جل جلالہ کے اس نظام کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جو اس دنیا میں جاری و ساری ہے اور اس

نظام کی کیفیت کو سمجھنا ضروری ہے

اللہ جل جلالہ نے اپنے کلامِ مقدس کا جس آیت سے آغاز فرمایا ہے وہ اسی نظام کو سمجھانے کیلئے کافی ہے یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم اس آیت میں یہ نہیں ہے کہ قل بسم اللہ جل جلالہ یعنی اے قاری اے پڑھنے والا اللہ جل جلالہ کے نام سے شروع کر یا آغاز کر بلکہ یہ ازلی حقیقت کے آغاز کی طرف اشارہ ہے کہ جو شروع ہوا تو اس کا پہلا حصہ رحمانیت کے ماتحت قرار دیا گیا اور دوسرا حصہ رحیمیت کے ماتحت قرار دیا گیا

اس کے یہ معنی درست نہیں کہ "شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن ہے اور جو رحیم ہے" بلکہ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ

"رحمٰن ورحیم اللہ کے نام کے ساتھ"

اس آیت میں یہ بھی عجیب بات ہے کہ اس میں جو اسما بیان ہوئے ہیں ان دونوں میں رحمت ہی کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق کی تخلیق کا عمل درحقیقت رحمت ہی کی وجہ سے ہوا تھا کیونکہ جب رحمت ہوگی تو اس میں افاضہ ضروری ہے اور اسی رحمت ہی کا افاضۂ وجود ہی تخلیق قرار پایا ہے اور اسی بینا د پر مخلوق پیدا ہوئی مگر اس کا نظامِ دنیا رحمانیت ہی کے ماتحت قرار دیا گیا یعنی مخلوق میں سے جو بھی پیدا ہوا اسے ضروریاتِ حیات و بقا دینا رحمت کا ایک تقاضہ تھا چاہے کوئی اچھا ہے یا برا ہے اسی کا پیدا کردہ ہے تو اس نے انہیں رزق بھی دینا ہے پالنا بھی ہے پروان بھی چڑھانا ہے نعمات دنیا اسے دینا ہیں اس کی ضروریات پورا کرنا ہیں پھر اس کی ہدایت کرنا بھی رحمت ہی کا تقاضہ تھا تا کہ وہ انسان جسے اس نے پیدا کیا ہے اسے پیدا کرنے والے

کا کوئی تعارف کروانے والا بھی ہو اور جو اس کا شکرگزار ہو تو اس پر مزید نعمات کی بارش کی جائے یہ بھی رحمت کا تقاضہ ہے

آپ نے دیکھا ہے اس کی مخلوق کے دو طبقے بنے ہیں ایک وہ جو کافر ہیں اور دوسرے وہ جو شاکر ہیں

جو کافرین ہیں جنھیں اس نے پیدا کیا انہیں اسباب حیات عطا فرمائے انہیں پالا پوسا پروان چڑھایا انہیں دنیا کے سارے نعمات دئے اور ان کے پاس اپنا تعارف کروانے والے بھی بھیجے مگر انہوں نے اس منعم حقیقی کا کوئی احسان نہ سمجھا اور نہ ہی اسے Thank You کہا اور نہ ہی اسے محسن و منعم مانا بلکہ انہوں نے اس کی ہر قسمی مخالفت کی اور اس کے مخالفین کو اپنا سب کچھ بنا ڈالا اور اس کا شریک بنا ڈالا تو اللہ جل جلالہ نے ان پر بھی اپنی رحمت کے دروازے بند نہ کئے بلکہ انہیں اسی طرح نعماتِ دنیا سے سیراب فرماتا رہا یہ سب کچھ بھی اس کی رحمت ہی کی وجہ سے تھا اس کے بعد دوسرا طبقہ ہے جو شاکرین کا ہے تو ان پر بھی ابرِ نعمات برستا رہا تو یہ بھی رحمت کی وجہ ہی سے تھا

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس محسن و منعم حقیقی کی نظر میں شاکر و کافر میں کوئی فرق نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی رحمت کے دو حصے ہیں ایک رحمانیت ہے اور دوسری رحیمیت ہے جہاں تک رحمانیت کا تعلق ہے تو وہ خالق حقیقی کافر و شاکر دونوں کیلئے یکساں رحمٰن ہے دونوں پر اس کا فیض برابر جاری ہے اور ایک جیسا برستا ہے مگر جہاں تک اس کی رحیمیت کا تعلق ہے تو وہ رحیم صرف شاکرین کیلئے ہے کیونکہ انہوں

نے اس کی اس دنیا میں عطا ہونے والی نعمات کو دیکھا ان نعمات عطا فرمانے والے کا شکر کیا، اس کی معرفت حاصل کی، اس کی عبادت کی اور تہہ دل سے اس کے شاکر ہوئے تو ان پر مزید نعمات عطا فرمانا بھی رحمت کا پرزور تقاضہ ہے اس لئے ان کے لئے مزید نعمات کو آخرت میں مخصوص فرما دیا اور اس میں سے کسی غیر کو کوئی حصہ نہ دیا اس لئے وہ رحمٰن ہے تو ساری دنیا اور اہل دنیا کیلئے ہے مگر رحیم صرف شاکرین و مومنین کیلئے ہے اس لئے بسم اللہ میں اللہ جل جلالہ نے اپنے دورویوں کو بیان فرمایا ہے پہلا رویہ ماتحتِ رحمانیت قرار دیا اور اس کے بعد دوسرا رویہ رحیمیت کے ماتحت قرار دیا بالفاظِ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ جل جلالہ اور اس کے جملہ نمائندوں کا اور خصوصاً پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام کا ظاہر رحمانیت پر مبنی ہے اور ان کا باطن رحیمیت کا مظہر ہے یعنی یہ رحمٰن ہیں عموم کیلئے اور رحیم ہیں خصوص کیلئے، اب اسی بات کو ایک اور طرح سے واضح کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ میرا مافی الضمیر اچھی طرح جان سکیں

جمال وجلال

جب ہم اسمائے الٰہی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں اسمائے الٰہی دو قسم کے نظر آتے ہیں نمبر ایک اسمائے جمالی ہیں اور نمبر دو اسمائے جلالی ہیں ان کی ایک طویل فہرست ہے جس میں جانے کی ہمیں یہاں ضرورت نہیں ہے ہاں ان اسمائے جمالی میں جو اسمائے الٰہی آتے ہیں ان میں اسم رحمٰن بھی ہے اور رحمانیت کو ماتحت جمال مانا جاتا ہے اور اسم رحیم کے بارے میں دو آراء ہیں کئی لوگ کہتے ہیں یہ بھی اسم جمالی ہے اور کئی لوگ کہتے ہیں کہ رحیم اسم جلالی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسم جامعِ جلال و

جمال ہے

کئی لوگ اس پہ بحث کرتے ہیں کہ اسمائے جلالی اسمائے جمالی سے افضل ہیں اور سب کا تقریباً اس پہ اتفاق ہے کہ اسمائے جلالی اسمائے جمالی سے افضل ہیں مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر انتفاعِ خلق (مخلوق کے عمومی فائدے) کے لحاظ سے دیکھا جائے تو جمال جلال سے افضل ہے اور عواقب و آخرت کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو پھر جلال جمال سے افضل ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ جل جلالہ نے جمال و رحمانیت کے مظاہرے کو غالب و افضل قرار دیا ہے اور ہر نیک و بد ادنیٰ و اعلیٰ کو بلا امتیازِ مذہب و ملت و کردار و خیر و شر اپنے مظاہرۂ جمال کے تحت اپنے نعمات سے برابر نوازا ہے اور سب پہ نعمات کا نزول ماتحتِ جمال ہے یعنی اسم رحمٰن کے ماتحت ہے اس لئے رحمانیت رحیمیت سے افضل ہے کیونکہ اس کا فائدہ عمومی ہے کسی کیلئے مخصوص نہیں بلکہ پوری مخلوق اس مظاہرۂ جمال کی وجہ سے باقی ہے

لیکن یہاں چند مخصوص مواقع اور محل پہ مظاہرۂ جلال بھی ہوجاتا ہے تاکہ انسان اس جمالِ مسلسل سے انکارِ اختیارات نہ کردیں اس طرح انتہائی حالات میں دشمنوں پر جلال کا مظاہرہ ہوجاتا ہے یہ استثنائی حالت ہے ورنہ یہاں جمال ہی کی حکومت ہے اور اس دنیا میں اللہ جل جلالہ کی رحمت اس کے غضب سے وسیع ہے و محیط ہے

ہاں آخرت میں اور حکومت الہیہ کے قیام کے وقت جلال کو جمال پر غالب کردیا جائے گا اور وہاں غضب رحمت سے وسیع ہوگا لیکن وجود جمالیت کے اثبات کیلئے مومنین کے گناہوں سے درگزر کیا جائے گا جیسے بعض اوقات ظالم پر جمال سے در

گزر کیا گیا اور اس پر جلال کا مظاہرہ کیا گیا اور اسے فوراً ظلم کی سزا مل گئی اسی طرح جب زمانۂ جلال ہوگا اور اس وقت جلالیت حاکم ہوگی تو اس وقت بعض گنہگاروں اور عاصیوں سے جلال سے درگزر کیا جائے گا اور انہیں جرائم اور گناہوں کی سزا نہیں ملے گی یعنی جمال کا مظاہرہ فرماتے ہوئے انہیں معاف فرمادیا جائے گا

جو لوگ شفاعت کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ جل جلالہ نے ہر جرم کی ایک سزا مقرر فرمائی ہے اور اس کی وعید ہو چکی ہے اور اگر کوئی ان جرائم کا مجرم ثابت ہو جاتا ہے تو کیا اللہ جل جلالہ اپنے وعدے کے خلاف کرے گا اور کیا وہ وعدہ خلافی کرتے ہوئے انہیں سزا سے بچالے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ وعدے اور وعید میں جو فرق ہے اسے نہیں سمجھے کیونکہ وعدہ خلافی کرنا بری بات ہے اور قابل مذمت ہے مگر وعید کے خلاف کرنا قابلِ تحسین ہوتا ہے جو آدمی ایک وعید پاتا ہے یعنی اگر تم یہ کرو گے تو یہ سزا ہوگی اور وہ آدمی ممنوعہ کام کرتا ہے تو سزا کا مستحق تو ہو جاتا ہے مگر اسے سزا دینا لازم نہیں ہے ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ ایک آدمی کا باغ ہے اور وہ اپنے ملازمین سے کہتا ہے جو بھی میرے باغ سے آم توڑے اس کی سزا یہ ہے کہ اسے جوتے مارے جائیں گے یہ بات پورے علاقے میں مشہور کی جاتی ہے اور اس کی وعید کا ہر آدمی کو علم ہو جاتا ہے اور ایک دن ایک غریب وہاں سے آم توڑتا ہوا پکڑا جاتا ہے اب اس غریب کیلئے استحقاقِ سزا ثابت ہو جاتا ہے مگر وہ امیر آدمی اسے معاف کر دیتا ہے تو یہ فعل وعدہ خلافی شمار نہیں ہوتا اور اس کی کوئی بھی مذمت نہیں کرتا بلکہ اس کے اس کام کو تحسین کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اسی طرح اللہ جل جلالہ نے جو جرائم کی سزا

کی وعید فرمائی ہے اس میں معافی قابل تحسین ہے نہ کہ قابل مذمت ہے اسی طرح جب زمانۂ جلال ہوگا اور جلالیت کی حکومت ہوگی تو کچھ لوگوں سے جلال سے درگزر کیا جائے گا اور وہ وعدہ خلافی کے دائرے میں نہ آئے گا اور اس طرح جمالیت کا مظاہرہ بھی ہو جائے گا

﴿قوس نزولی وقوس صعودی﴾

دوستو جمال وجلال کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے ہمیں ایک ایسے دائرے کا تصور کرنا ہوگا جس کے درمیان میں ایک خط لگا کر اسے دو قوسوں میں تقسیم کر دیا جائے اس کی ایک قوس اوپر سے شرع ہوتی ہے اور نیچے تک آتی ہے اس کا آغاز اوپر سے ہے اور اس کا کمال اور انتہا نیچے ہے یہ قوس نزولی ہے اور قوس نزولی وجمالی ہے

دوسری قوس کا آغاز نیچے سے ہوتا ہے اور اس کا کمال اور انتہا اوپر والے اس نقطے پر ہوتی ہے جہاں سے قوسِ نزولی کا آغاز ہوا تھا یہ قوسِ صعودی وجلالی ہے جب انسان کی تخلیق کا آغاز ہوا تو جمالیت نے اپنے کمال کی طرف سفر شروع کیا اور اس کا یہ سفر نیچے کی طرف تھا اور اس کا کمال انتہائی پستی میں تھا

کیونکہ جمال اپنے کمال اور انتہا کی طرف بڑھ رہا تھا اس لئے اس میں عفو ودرگزر کا رجحان بڑھتا گیا اور جب جمالیت الہیہ نے ہبوطی سفر شروع کیا تو اس میں چھوٹے چھوٹے جرائم ومظالم اور معصیتوں پر فوراً گرفت ہو جاتی تھی اور فوراً سزا مل جاتی تھی جیسے جیسے جمالیت اپنی تکمیل کی طرف بڑھتی گئی درگزر وعفو بڑھتا گیا صبر کا مظاہرہ قوی صورت میں ہوتا گیا اس سفر ہبوطی میں آگے بڑھتا ہوا جمال اپنے کمال کی طرف بڑھتا گیا اور ظلم ومعصیت کا طوفان بڑھتا گیا اور جمال اپنے کمال کو پہنچتا گیا

ہم جناب آدم علیہ السلام کے زمانے کے بعد دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں چھوٹی چھوٹی غلطیوں اور گناہوں پہ سزائیں ملتی تھیں لیکن آہستہ آہستہ ان سزاؤں میں کمی ہوتی گئی یعنی جمال بڑھتا گیا کیونکہ وہ جلال کے نقطہ کمال سے دور ہو رہا تھا اور جہاں سے جمال کا آغاز ہوا تھا وہیں تو جلال کی انتہا ہے اسی لئے اس دور میں کسی نے داڑھی تراشی مسخ ہو گیا راستہ غلط بتایا مسخ ہو گیا سود کھایا مسخ ہو گیا کوئی بندر بنا کوئی سوسمار کوئی سیہہ کوئی چھپکلی کوئی ریچھ کوئی سور بنا اور ہم جو جانور آج دیکھ رہے ہیں ان میں سے چھ ہزار سے زیادہ انواع ان جانوروں کی ہیں کہ جو مسوخات میں سے ہیں یعنی ماضی کے انسان مسخ ہوئے اور ان کی شکلوں پہ عبرت کیلئے ایک جانور پیدا ہوا اور اسی طرح ہوتا رہا کسی پر طوفان آیا کسی پر آندھی کسی پہ پتھر برسے کسی پر بادِ سموم چلی اسی طرح عذاب آتے رہے اور جب آخری نبی یعنی شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمانہ آیا تو عذاب ہائے الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور وہ رحمۃ اللعالمین بن کر آئے اس لئے عذابِ الٰہی کا سلسلہ ختم ہوتا گیا اور زمانے کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ ختم ہی ہو کر رہ گیا کیونکہ جمال اپنی جمالیت کے اعلیٰ درجات پہ پہنچ گیا اور پھر چودہ صدیوں میں لاتعداد مظالم ہوئے اور معصیت کے ہزاروں لاکھوں اقسام ایجاد ہوئے سائنس کی ترقی نے میدان معصیت اور گناہ میں وسعت پیدا کر دی جمال کے کمال کی وجہ سے کسی کو سزا نہ دی گئی اور نہ کوئی مسخ ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جو کہ صاحبانِ مزار جلالی تھے انہیں بھی خاموش کر دیا گیا اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ولی یا صاحب جلال کی مزار کا کوئی چاہے غلاف ہی اتار لے وہ سزا نہیں دیتے کیونکہ یہ جمال کی جمالیت کی انتہا و کمال کا زمانہ ہے

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ جل جلالہ کے جلال کے سب سے بڑے مظہر شہنشاہ وفا علیہ الصلوات و السلام ہیں اور ان کے روضہ اطہر پر کسی کو غلط کام کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ انہی کے روضہ مبارک پر ظلم ہوئے وہ خاموش رہے اور کوئی مقدس مقام ایسا نہ رہا کہ جس کی حرمت پامال نہ ہوئی ہو مگر اللہ کی طرف سے کوئی ایکشن نہیں ہے آئمہ ہدیٰ علیھم السلام شہید ہوئے کوئی عذاب نہیں آیا بنی امیہ ملعونین نے زبانیں کھولیں بنی عباس ملعونین نے ظلم ڈھائے اور اس دور میں عزاداری نجس ہوئی کوئی عذاب نہیں آیا اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ اللہ جل جلالہ کی جمالیت کے کمال کا مظاہرہ ہو رہا ہے اس دور میں سادات کے ناموس کو پامال کیا گیا خود سادات کو نہتا کر دیا گیا یہ اور خالق کائنات کی طرف سے مکمل خاموشی ہے تو یہ سب جمال کی وجہ سے ہے

آج کچھ مومنین یہ سوچتے ہیں کہ فدک غصب ہوا امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام خاموش رہے تو کیوں؟ ان کا منبر و حقِ خلافت غصب ہوا وہ خاموش رہے تو کیوں؟ امام حسن علیہ الصلوات و السلام کو اپنے حق سے دست بردار ہونا پڑا تو کیوں اور انہی باتوں سے یہ سوچا گیا کہ یا تو ان میں نعوذ باللہ یہ قدرت نہ تھی کہ کچھ کرسکیں یا پھر وہ ظالمین نعوذ باللہ حق پر تھے اس کے بعد کربلا کے واقعات ہوئے پھر بھی خالق کی طرف سے اٹوٹ خاموشی ہے کوئی ایکشن نہیں ہے تو کیوں؟

دوستو ایسا نہیں تھا کہ یہ صاحب قدرت ذوات صلوات اللہ علیھم اجمعین با اختیار نہ تھے بلکہ وہ صاحب قدرت و اختیار تھے کیونکہ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جب ساباطِ مدائن سے واپسی پر امام حسن علیہ الصلوات و السلام نے ایک مقام پہ

اپنا خیمہ نصب فرمایا تو لوگوں نے آپ پہ کئی طرح کی باتیں کیں تو آپ نے اپنا خیمہ پھاڑ کر فرعون شام کو شام میں اور عمرا بن عاص ملعون کو مصر میں بیٹھا ہوا دکھایا اور فرمایا یہ مجھ سے دور نہیں ہیں جب چاہوں ان کا خاتمہ کرسکتا ہوں مگر اپنی جد اطہر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا فرمان میرے لئے واجب العمل ہے (یعنی حکم یہی تھا کہ جمال الٰہی کو تکمیل سے نہیں روکنا)

میں عرض کر رہا تھا کہ یہ سب کچھ رحمانیت کی وجہ سے ہے اور رحمت کو اس زمانے میں غضب پر سبقت حاصل ہے

ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اللہ کی رحمۃ واسعہ ہیں اسی لئے آج بھی وہ اللہ جل جلالہ کے جمالیت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں اور وہ جمال الٰہی کو کامل فرمانے میں مصروف ہیں اس لئے خاموش ہیں اس خاموشی سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ با اختیار نہیں ہیں مگر اللہ جل جلالہ کی رحمانیت اور رحیمیت کے مظہر جامع ہیں اسی لئے انہوں اپنے دشمنوں کو بھی رزق سے محروم نہیں فرمایا اور ظالمین پر عرصۂ حیات تنگ نہیں کیا یہ ان کی رحمانیت اور جمال کا مظاہرہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مومنین کی آنے والی نسلوں کی حفاظت فرما کر اللہ جل جلالہ کی رحمانیت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں جیسا کہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی خاموشی کے بارے میں جب جناب ابی عبداللہ علیہ الصلوات و السلام سے سوال ہوا تھا تو فرمایا تھا کہ یہی سوال جب ان سے ہوا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ہمارے تلوار اٹھانے میں ایک آیت مانع ہے' سوال کرنے والے نے دریافت کیا تو فرمایا اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے

لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَاباً أَلِيماً

یعنی اگر کفار سے مومنین جدا ہو جاتے تو ہم ان کفر کرنے والوں کو ضرور عذاب الیم میں مبتلا فرماتے اس پر سائل نے دریافت کیا وہ کس طرح؟ تو فرمایا

لو اخرج الله عزوجل ما فی اصلاب المومنین من الکافرین و ما فی اصلاب الکافرین من المومنین لعذب الذین کفروا

فرمایا اگر کافروں کی پشتوں سے مومن باہر آ جائیں اور مومنین کی پشتوں سے کافرین کو اللہ جل جلالہ ظاہر و جدا فرما دے تو ہم لازماً کفار کو معذب فرمائیں گے پھر اس کے بعد فرمایا

کذلك قائمنا اهل البيت عجل الله فرجه الشريف لن يظهر ابدا حتیٰ تظهر ودائع الله عزوجل فاذا ظهرت علی من يظهر فقتله

یعنی یہ سنت ہمارے آخری لخت جگر تک جاری ہے کہ وہ بھی اس وقت تک خروج نہیں فرمائیں گے جب تک کفار کی پشتوں میں سے مومنین جدا نہ ہو جائیں اور مومنین کی پشتوں میں سے کفار باہر نہ آ جائیں یعنی وہ جناب اس وقت تک انتظار کریں گے جب تک کفار و منافقین کے اسلاب میں ایک بھی مومن باقی ہے ہاں جب آخری مولائی بھی پشت سے باہر آئے گا تو فوراً خروج کا اعلان ہو جائے گا

یہاں ایک بات کروں گا وہ یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے رحمۃ اللہ الواسعہ ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ جو ذات پاک صرف ایک مومن کی حفاظت کیلئے پورے گھر میں صف ماتم بچھا کے بیٹھے ہیں وہ اللہ جل جلالہ کی رحمۃ واسعہ نہیں تو کیا ہیں اپنے سارے گھر کو ماتم کدہ بنایا ہوا ہے آج بھی ان کے سامنے اپنے اجداد کی بے گور و کفن لاشیں رکھی ہوئی ہیں آج بھی شام کے بازار

ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں کیونکہ امام اور حجت کے سامنے ماضی حال اور مستقبل حال جاری کی طرح ہوتا ہے اور وہ سارے مناظر دیکھ رہے ہیں سارے مظالم کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اس کے باجود ایک ایک مومن کو بچانے میں مصروف ہیں تو اس سے بڑھ ان کے رحمۃ واسعہ ہونے کیلئے کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟

ہاں ہمیں بھی یہ دیکھنا چاہیے کہ ایسے کریمؑ کے ساتھ کیا رویہ رکھنا چاہیئے کیسا ہونا چاہیے جو ذات ہمارے لئے اتنے دکھ ظلم وستم برداشت فرما رہے ہیں کیا ہم ان کے کیلئے کچھ بھی نہیں کرسکتے؟

دوستو یہ سارا پاک گھر اللہ جل جلالہ کی رحمت واسعہ ہے اور اسی طرح کرتے رہے ہیں ایک ایک مومن کی حفاظت فرماتے رہے ہیں جیسا کہ امام زین العابدین علیہ الصلوات و السلام سے روایت ہے کہ روز عاشور ہم نے دیکھا کہ ایک شخص نے ہمارے بابائے مظلوم علیہ الصلوات و السلام کو تیر مارا جبکہ اس وقت آپ کا مرتجز اس ملعون کے بہت قریب تھا آپ نے مرتجز کو اس کے اور زیادہ قریب کیا اور جب اس کے قریب گئے تو اس پر تلوار سے وار نہیں کیا بلکہ اس ملعون کو ایک تھپڑ مارا اور مرتجز کو آگے بڑھا لیا یہ دیکھ کر ہم نہ سمجھ سکے کہ اس کی کیا وجہ ہے اس ملعون کو فی النار نہیں کیا گیا جب کہ وہ تلوار کی زد میں تھا پھر جب ہم نے اس ملعون کو علم امامت سے دیکھا تو اس کی نسل سے ایک مومن پیدا ہونا تھا

کہنے والے کہتے ہیں کہ لا یعلم ما فی الارحام یعنی شکم مادر میں بچی ہے یا بچہ کوئی نہیں جانتا حقیقت یہ ہے کہ جب تک علم الاصلاب وارحام نہ ہو کوئی حجت ہو ہی نہیں سکتا

کتب فقہ میں قیام حدود کیلئے حجت اللہ ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہی

لکھی ہے کہ کہیں کوئی شخص کسی آنے والے مومن کے قتل کا ارتکاب نہ کر بیٹھے اس لئے کہا گیا ہے

لهذا لایقیم الحدود الا هو یعنی الحجة

کہ کوئی حدود قائم نہیں کر سکتا کسی کو سزائے قتل یا رجم نہیں دے سکتا مگر وہ یعنی حجت اللہ فی الارض اور پاک خاندان صلوات الله علیهم اجمعین تو اصلاب وارحام کے اس قدر عالم ہوتے ہیں کہ سینکڑوں پشتوں میں دیکھ لیتے ہیں کہ کون مومن ہے کون کافر ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ دور اللہ جل جلالہ کے جمال کا ہے اور رحمانیت کے ماتحت چل رہا ہے اسی لئے سب کو رزق دیا جا رہا ہے جیسے سورج کی روشنی اچھے برے ہر انسان و مقام پر یکساں پڑتی ہے اسی طرح دوست دشمن سب کو رزق ملتا ہے اس کی وجہ جمالیت و رحمانیت ہے ساری دشمن نوازیاں دشمن پالیاں بہ تقاضۂ رحمانیت جاری ہیں ہاں جب جمالیت اپنے کمال کو پہنچے گی تو پھر قوس جلالی کا آغاز ہوگا زمانہ خروج کی ابتدا جلال کا آغاز ہے پانچ ادوارِ خروج گویا پانچ درجات جلال ہوں گے پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ دشمن بھیک مانگتا نظر آئے گا پھر بھیک بند کر دی جائے گی لیٹرین کی گندگی کھا کر زندگی گزارے گا پھر صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف آج اسم رحمٰن کے ماتحت چل رہے ہیں اسی لئے سب کو رزق مل رہا ہے اور معصیت کے وسائل میں بھی رکاوٹ نہیں ڈالی جا رہی یہ مہلت مظاہرہ رحمانیت و جمالیت ہے

ایک صاحب نے یہ سوال کیا کہ اگر مان لیں کہ رزق ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشریف عطا فرما رہے ہیں تو جو لوگ سور اور کتے کھا رہے ہیں کیا یہ بھی امام علیه

الصلوات و السلام تقسیم کر کے ان کا رزق قرار دیتے ہیں ؟

اس کا اولین الزامی جواب تو یہ ہے کہ فرض کریں رزاق امام علیہ الصلوات و السلام نہیں بلکہ اللہ جل جلالہ ہو تو یہ اعتراض تو رازق مطلق پر بھی عائد ہوتا ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ جس چیز کی سرشت جیسی ہوتی ہے ویسا رزق ملتا ہے بعض جانور Vejitarian ہوتے ہیں بعض جانور سانپ کھاتے ہیں بچھو کھاتے ہیں بعض کی اولین ترجیح غلاظت اور فضلہ ہوتا ہے انہیں وہی کچھ فراہم کرنا ہی رزاقیت ہے حدیث پاک ہے کہ حرامزادے کو حرام خوری سے پہچانو یعنی اگر وہ حرام کھا رہا ہے اور اسے ہضم بھی ہو رہا ہو تو سمجھو کہ حرام زادہ ہے

جناب عیسیٰ نے فرمایا تھا ہمارے بعد اللہ جل جلالہ جھوٹے نبی مبعوث فرمائے گا اس وقت ایک حواری نے سوال کیا کہ ہم نے تو یہ سنا ہے کہ اللہ جل جلالہ صرف سچے نبی بھیجتا ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ اللہ جل جلالہ جھوٹے نبی مبعوث فرمائے گا کیا اللہ جل جلالہ جھوٹے نبی بھی ارسال کرتا ہے؟ اس وقت انہوں نے فرمایا ہاں کیونکہ وہ انہیں اس لئے بھیجتا ہے کہ جنہوں نے سچے کو نہیں مانا انہیں جھوٹے کا کلمہ پڑھنا پڑے گا یہ سچے کو نہ ماننے کی سزا ہو گی یعنی انہیں ان کی سرشت اور فطرت کے مطابق ہادی و امام دیا جائے گا

قرآن کریم میں ہے کہ امام دو طرح کے ہوتے ہیں ان میں سے ایک گمراہ کرنے والے ہوتے ہیں اور حرام زادوں کو گمراہ امام دینا یہ بھی تقاضۂ جمالیت و رحمانیت ہے یہ نظام اسی طرح چلتا آ رہا ہے اور اپنے نقطۂ کمال تک پہنچ چکا ہے ابھی شاید چند معمولی درجات باقی ہوں مگر باقی اہم درجات عبور ہو کر جلالیت کا حصہ بن چکے ہیں

جیسے تسبیح کے دانے جب ایک طرف سے انتشار کا شکار ہوتے ہیں تو دوسری طرف ان میں ایک جدید اتحاد پیدا ہوتا ہے اسی طرح جو دانہ یا درجہ جمال سے گزرتا ہے وہ جلال میں جمع ہوتا ہے گویا ہر دانۂ جمال جب جمالیت کا مظاہرہ ہو چکتا ہے تو جلال میں بدل جاتا ہے اور جب جمالیت کا آخری دانہ بھی جلال میں بدل جائے گا تو پھر پورا ذخیرہ جلال کا ہوگا اور جمال اس کے باطن میں ہوگا

یہ اسماء وصفات الٰہیہ اس دنیا میں رحمان و رحمانیت کا مظاہرہ فرمانے آئے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسمائے الٰہی وصفات الٰہی ایک دوسرے کے متبائن و متناقض ہیں مگر وہ تناقض ظاہری واعتباری ہے حقیقی نہیں کیونکہ جب کوئی اسمِ ظاہر اَنَا کہتا ہوا ظاہر ہوتا ہے تو اسم باطن اس کے بطن میں مخفی ہوتا ہے اور جب اسم باطن اَنَا کہتا ہے تو اس کے بطن میں اسم ظاہر جلوہ افروز ہوتا ہے اگرچہ اس کی اولیت آخریت کے منافی ہے جلال جمال کے منافی ہے مگر یہ ایک دوسرے کا باطن ہیں جب اسم رحمان کا مظہر مظاہرہ رحمانیت میں مصروف ہوتا ہے تو اس کے باطن میں اسمائے جلال کروٹیں لیتے ہیں

اللہ جل جلالہ کے جملہ عہدہ داروں کا ظاہر رحمانیت پر مبنی ہوتا ہے اور ان کا باطن رحیمیت پر مبنی ہوتا ہے اور ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اس دور میں اللہ جل جلالہ کی رحمت واسعہ ہیں جن سے اجرا و نفاذ رحمانیت ہوتا ہے اور ہو رہا ہے یہاں تک کہ ظلم و جبر خون رلا رہا ہے مگر رحمانیت کا تقاضہ ہے کہ سارے گھر کو عزا خانہ بنا کر سارے گھر میں صف ماتم بچھا کر سارے خاندان پاک علیہم السلام کو مبتلائے مصائب دیکھ کر ایک ایک مومن پہ رحمانیت کی بارش فرما رہے ہیں اپنے پرائے سب پر نعمات لٹا رہے ہیں مگر یہ اس وقت تک ہے جب تک یہ نظام عالم رحمانیت اور

جمالیت کے ماتحت ہے ہاں جب یہ نظام عالم جلالیت کے ماتحت ہو جائے گا تو پھر ہر فیصلہ جلالیت کے نقطۂ نگاہ سے ہوگا

اب ایک اہم بات عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ اس دور میں کئی فاسد عقائد جنم لے رہے ہیں اس لئے یہ بات کرنا لازم سمجھتا ہوں اگرچہ کسی کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے وہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے جلال کامل کے مظہر حقیقی شہنشاہ وفا ابوالفضل العباس علیہ الصلوات و السلام ہیں جو اسم رحمٰن کا باطن ہیں اسی لئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا باطن یہ جناب ہیں کیونکہ جب زمانۂ جمالیت اختتام کو پہنچے گا تو ظالمین پر جن لوگوں کو مسلط کیا جائے گا ان کے معنوی سرپرست اور ان پر متصرف یہی جناب ہوں گے کربلا میں جو ان پر پابندی تھی اس کا مفہوم یہ تھا کہ زمانۂ خروج تک جمال جلال پر حاکم تھا اور رحمت غضب سے وسیع تھی یوں سمجھیں کہ اللہ جل جلالہ کی جمالیت جلالیت پر حاکم تھی جلال محکومِ جمال تھا یعنی جمال و رحمانیت کی حکومت تھی اسی لئے جلال اپنا اظہار کرنا بھی چاہتا تو ناممکن تھا غضبِ جبار سے رحمت غالب تھی رحمانیت کا تقاضہ تھا کہ سب کچھ برداشت کیا جائے وہاں صاحبِ جلال کے رگ و پے میں جلال کروٹیں لیتا رہا مگر شہنشاہِ جلال شہنشاہِ جمال یعنی امام مظلوم علیہ الصلوات و السلام کے محکوم تھے اس لئے وہاں ان کی نافرمانی نہیں کر سکتے تھے جو حکم ان کا تھا اسی پر عمل ہوا مگر جب اللہ جل جلالہ کا دور جلال ہوگا تو نفاذِ احکام میں کوئی ان کے حکم اور فیصلے میں مداخلت نہیں کر سکے گا اس وقت شہنشاہ جلال کی مکمل حکمرانی ہوگی اور یہ جب تک ایک ایک ظلم کا قرض نہیں چکالیں گے سکون سے نہ بیٹھیں گے

کیونکہ سب سے زیادہ دکھ انہیں ہیں کیونکہ وہ مرکز جلال الٰہی تھے

آ ئمہ اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین سے روایات صحیح میں آیا ہے کہ حکومت آل محمد علیہم السلام کے قیام کا جو پہلا دن مقرر تھا وہ روز عاشور سن 61 ہجری کا تھا مگر کئی وجوہات کی بنیاد پر اسے تبدیل کر دیا گیا تھا اسی طرح جب مدینہ سے تیاری ہوئی تو جناب عباس علیہ الصلوات و السلام نے کربلا تک ہر ظلم کو برداشت کیا کہ اب وہ وقت قریب ہے کہ جب روز عاشور حکومت جمال کا اختتام ہو جائے گا اور پھر جلال کی حکومت ہوگی گویا ہمیں اذن انتقام ہوگا تو ہم ایک ایک ظلم کا بدلہ چکائیں گے اس سفر کے دوران جتنے ظلم سامنے آئے جناب عباس علیہ الصلوات و السلام نے اس سہارے پہ برداشت کیئے کہ عاشور کے دن ہمیں اجازت مل جائے گی پھر وہ دن بھی آ گیا ہر شہید کے بعد آپ توقع فرماتے کہ ابھی حکومت الہیہ کا چارج مرکز جلال کو حاصل ہو جائے گا مگر اذن نہ ملا تا اینکہ باقی صرف دو بھائی رہ گئے اس وقت آپ نے عرض کی آقا اب تو مجھے اجازت عطا فرمائیں

امام علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا بھائی جس فوج کا علمدار ہی شہید ہو جائے تو اس لشکر کا کیا بنے گا؟

آپ نے دست بستہ عرض کی آقا اب تو لشکر ہی نہیں رہا تو علمدار کی کیا ضرورت ہے فرمایا ہم آپ کو اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ خالق کا فیصلہ بدل گیا ہے

یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور سر جھکا کر خیام کی طرف روانہ ہوئے درِ اطہر سے پاک ہمشیر صلوات اللہ علیہا نے جناب عباس علیہ الصلوات و السلام کے رخ انور کو دیکھا آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا آپ نے شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کی بارگاہ میں عرض کی بھائی اب انہیں مت روکیں اب انہیں جانے دیں ذرا بھائی کی آنکھوں

کارنگ تو دیکھیں

امام علیہ الصلوات و السلام نے شہنشاہ وفا علیہ الصلوات و السلام کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا بھائی میرے سامنے آئیں' جب شہنشاہ وفا علیہ الصلوات و السلام ان کے سامنے گئے تو دیکھا کہ انہوں نے زرہ بھی پہنی ہوئی ہے تلوار بھی کمر کے ساتھ ہے خود بھی سر اطہر پر موزوں ہے نیزہ بھی ہاتھ میں ہے بند ساعدیں بھی کہنیوں تک پہنے ہوئے ہیں یہ دیکھ کر امام علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا بھائی یہ آپ کے سر اطہر پہ کیا ہے؟ عرض کی آقا یہ خود ہے' فرمایا یہ کس کام آتا ہے؟

عرض کی اس سے سر کی حفاظت کی جاتی ہے' یہ سن کر فرمایا آپ اسے اتار کر ہمارے سامنے رکھ دیں اس کے بعد زرہ کے بارے میں دریافت فرمایا آپ نے عرض کی آقا یہ زرہ ہے اور اس سے دشمن کے تیروں سے حفاظت کی جاتی ہے فرمایا اسے بھی اتار کر ہمارے سامنے رکھ دیں اس کے بعد بند ساعدین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ کیا ہیں؟ عرض کی یہ بازوؤں کی حفاظت کیلئے پہنے جاتے ہیں تا کہ کسی دشمن کا وار ہاتھ اور بازوؤں پر کارگر نہ ہو' یہ سن کر فرمایا آپ انہیں بھی اتار دیں اسی طرح سارے ہتھیار اتروا لئے تو انہوں نے عرض کی آقا کیا تلوار بھی اتارنا ہے؟ فرمایا نہیں تلوار کو اپنے پاس رہنے دیں مگر اسے استعمال نہیں کرنا

اس کے بعد اپنے قریب بلا کر ان کے ایک ایک شانے پر آپ نے کچھ دم فرمایا گویا انہیں پوری طرح سے پابند کیا گیا' پھر کیا تھا جلال الٰہی مکمل طور پر پابندِ جمال الٰہی ہو گیا اس کے بعد فرمایا بھائی آپ ایک مشک لیں اور پیاسے بچوں کیلئے کچھ پانی لائیں سارے واقعات ترک کر کے اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ دریا پہ پہنچے پانی بھرا

اور خیام کی طرف روانہ ہوئے راستے میں فوجوں کا اژدہام تھا تیروں اور تلوار کی بارش ہوئی آپ نے مشک کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا اس طرح ایک ہاتھ شہید ہوا آپ نے مشک کو دوسرے ہاتھ میں لے لیا اس کے بعد دوسرا ہاتھ شہید ہوا آپ نے مشک کے تسمے منہ میں ڈال لئے اور اپنے رہوار سے فرمایا اب تو ہی مجھے خیام تک لے جا کسی طرح یہ مشک خیام تک پہنچ جائے جب کچھ فاصلہ طے کیا تو ایک تیر مشک کو لگا اور اس سے پانی بہنے لگا جب تک پانی بہتا رہا رہوار کو ایک جگہ پہ روکے رکھا اور بہتے ہوئے پانی کو حسرت سے دیکھتے رہے جب پانی پوری طرح بہہ گیا تو آپ نے رہوار کا منہ خیام سے دوسری طرف پھیرا اور فرمایا اب خیام میں جا کر ہم کیا کریں گے معصوم بچوں کو کیا منہ دکھائیں؟

تھوڑی دور جا کر اپنے رہوار کو روک لیا اور قوم اشقیا سے فرمایا آؤ جو ظلم کرنا ہے کر لو مظلوم حاضر ہے' اس وقت جنت البقیع کی مالک بی بی صلوات اللہ علیہا نے یہ منظر دیکھا تو آپ کے رہوار کے قریب آئے اور روتے ہوئے فرمایا بیٹے بہت مایوس ہو گئے ہو آؤ ماں کی آغوش حاضر ہے گھوڑے سے اتر آؤ

سارے عزادار ان بہتے ہوئے اشکوں کی بارش میں دعا کریں اب تو انہیں اختیارات مل جائیں اور یہ ایک ایک ظلم کا بدلہ چکائیں اور اولین و آخرین کے ظالمین کا قلع قمع فرمائیں

دعا کریں خالق ہمیں وہ روزِ انتقام اپنی آنکھوں سے جلدی دکھائے اور ہم ان کے انصار میں شامل ہو کر مظلومین کا انتقام لیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاھرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

واشرقت الارض بنور ربها و وضع الكتٰب و جاىء بالنبيين و الشهدآءِ و قضى بينهم بالحق و هم لا يظلمون ()

اے ساکنان ارضِ معارف

یہ زمین، ہاں ہماری یہ زمین جو آدمِ اول سے آج تک انسان کی مکمل کائنات ہے اور انسان کی سوچوں کا واحد مرکز ہے، انسان کی ساری Activities کا مکمل دائرہ ہے، جس پر انسان رہ رہا ہے جس پر آدمِ اول سے آج تک انسان پیدا ہو رہے ہیں اور اسی پر مر رہے ہیں اور اسی میں کچھ دفن ہو رہے ہیں اور کچھ اسی پر جلائے جا رہے ہیں یہ زمین جسے جملہ فسادات کی جڑ کہا جاتا ہے، جسے ماں کا درجہ دیا جاتا ہے جو انسان کے بنیادی رزق کا واحد ذریعہ ہے، اور جسے انسان اپنے لئے سب سے

زیادہ محفوظ گھر سمجھتا ہے اوراسی لئے ہزاروں لاکھوں انسان قتل کیئے گئے ہیں ، جو انسان کی سب سے بڑی دولت ہے اور جس سے کوئی انسان مستقلاً فرار نہیں ہوسکتا ، یہ ہمارا سیارہ جسے ماضی کا انسان کائنات کا مرکز سمجھتا رہا ہے اوراس کی سوچوں کا اور حیات کا یہ آج بھی مرکز ہے جب ہم سپیس Space میں سے اسے دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو ہمارے نظام شمسی کا ایک انتہائی چھوٹا سا سیارہ ہے جس کی حیثیت اپنے نظام شمسی میں بھی سمندر میں ایک قطرے کے برابر ہے اور یہ ہمارا نظام شمسی خود ہماری Galaxy کا ایک چھوٹا سا ایٹم ہے کہ جس کا نیوکلیس Nucleus ہمارا سورج ہے اوراس کے گرد گردش کرنے والے الیکٹرون اور نیوٹرون اور پروٹون یہ ہمارے دس بارہ سیارے ہیں اوران کے گرد کئی طفیلیے بھی ہیں جنہیں ہم چاند کہتے ہیں

اگر ہم اس کا خلا سے جائزہ لیتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ سمندر کے اندر ہائیڈروجن کا ایک ایٹم ہے اوراس کی حیثیت اتنی کمزور نظر آتی ہے کہ انسان اپنی ہلاکتوں سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں ہوسکتا یہ اس کائنات کے بڑے بڑے سیاروں اور Black Holes اور دہشت ناک بونوں کے اس جنگل میں انتہائی کمزور حالت میں چل پھر رہی ہے جیسے کسی بڑے جنگل میں ہزاروں درندوں اور شکاری جانورں کے درمیان کوئی دودن کا ایک مرغی کا چوزہ اپنے جانی دشمنوں سے بے خبر دانہ دنکا چگنے میں مصروف ہواوراس کا کوئی لمحہ خطرے سے خالی نہیں ہے کہ کب کوئی گیدڑ یا لومڑی یا کوئی جنگلی بلی آ کراسے اچک لے جائے اوراسے آواز نکالنے کی فرصت بھی نہ ملے اوراس چوزے کے جسم پر کئی Parasites (جوئیں) پل رہی ہوں اور وہ یہ سمجھ

رہی ہوں کہ ہماری یہ کائنات بہت محفوظ ہے اور وہ اس کے خون کے چوسنے کیلئے آپس میں لڑ مر رہی ہوں بلاتشبیہ یہ ہماری زمین اسی طرح خطرات کے مابین اپنی زندگی کے دن گن رہی ہے اور کسی کو کوئی خبر نہیں ہے کہ کب کوئی بھولا بھٹکا بلیک ہول Black Hole ادھر آ نکلے اور اسے اپنے جبڑوں میں دبا کر لے جائے اور انسان کی یہ حالت ہے کہ وہ اس چوزے کی جوؤں کی طرح اس کا خون چوسنے کی مسابقت میں آپس میں لڑ مر رہا ہے اور اسے اس کا علم تک نہیں ہے کہ اس کی زندگی کی اساس کتنی کمزور ہے اور وہ تو ایک پانی کے بلبلے پر بیٹھا یہ گمان کر رہا ہے کہ یہ لافانی چیز ہے جس پر میں بیٹھا ہوں اور یہ انسان اس بلبلے پر بیٹھا اللہ اور اس کائنات کے خالق کے بارے میں لمبی لمبی بحثیں کر رہا ہے اور بزعم خویش خود کو اللہ جل جلالہ کا ایسا شہکار مان رہا ہے کہ جس کے بغیر نعوذ باللہ اس کا گزارہ ہی نہیں ہوتا اور اسے تو گویا اپنے خالق اور مربی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے خالق کا کوئی کام اس کے بغیر نہیں چل سکتا دوستو اس زمین کی اس کمزوری کو دیکھنے کے بعد انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کونسی ذات ہے کہ جس نے آج تک اس زمین کو بلیک ہولز Black Holes سے یا بڑے بڑے شہاب ثاقبوں سے بچایا ہوا ہے؟

اس کا جواب بھی یہ انسان اپنی خوبیوں کی شکل میں دیتا ہے مگر اسے معلوم نہیں ہے کہ اس دنیا کا ایک مربی ہے جو بہ تقاضۂ ربوبیت اس کمزور ترین سیارے کی حفاظت فرما رہا ہے ورنہ یہ دنیا آج سے لاکھوں سال پہلے کسی بڑے سیارے کے منہ کا نوالہ بن چکی ہوتی

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس کمزور و ناتواں زمین کا وہ طاقت ور مربی اور رب کون

ہے کہ جو اس کی ہمیشہ سے حفاظت کرتا چلا آ رہا ہے

دوستو فقہائے اسلام نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ عزوجل کے اسمائے حسنٰی میں سے بعض نام ایسے ہیں جو کسی دوسرے پر بولنا ممنوع ہیں مثلاً اسم رحمٰن ہے یا اسم رب ہے یہ بھی ان اسمائے حسنٰی میں سے ہیں جو کسی پر بولنا جائز نہیں سمجھے جاتے

اسم رحمٰن پر تو اس سے قبل گفتگو ہو چکی ہے اب اسم رب پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں لیکن سب سے پہلے لفظ رب کے معانی پہ روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں

لغت میں جب ہم دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے اَلرَب کے کئی معنی مثلاً مالک' اصلاح کنندہ' سردار' پالنے والا' تربیت کرنے والا کے ہیں

جیسا کہ کہا جاتا ہے رب البیت گھر کا مالک ربۃ البیت گھر کی مالکن رب الجمل اونٹ کا مالک' رب القوم یعنی قوم کا سردار' رب العلم یعنی حکیم' مگر علم الاصطلاح کے مطابق اس کی تعریف یہ ہے

ھو انشاءِ الشیءِ حالاً فحالاً الی حدِّ التّمام والرّبُّ فی الاصلِ التربیۃُ

یعنی رب وہ ہوتا ہے جو کسی شے کو اس کی تکمیل تک درجہ بہ درجہ پروان چڑھائے اور اس لفظ رب کی اصل و بنیاد تربیت ہے یعنی تربیت کرنے والا رب ہوتا ہے اللہ جل جلالہ کو اس لئے رب کہا جاتا ہے کہ ھو المتکفل بمصلحۃ الموجودات یعنی وہ اس لئے رب ہے کہ وہ جملہ موجودات کی مصلحت کا کفیل ہے کیونکہ جب ایک چیز خلق یا پیدا ہوتی ہے تو وہ ایک پیدا کرنے والے کی محتاج ہوتی ہے جب وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے تو اسے حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے یعنی ایک حفیظ اس کی حفاظت فرماتا ہے حفاظت کے ساتھ ساتھ اس چیز کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہوتی اسے ایک

تربیت کرنے والے' پالنے والے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس چیز کی تربیت کرنے والے پالنے والے پروان چڑھانے والے کو رب کہا جاتا ہے چاہے وہ حقیقی ہو یا مجازی

لفظ رب کے بارے میں ایک اور بات بھی عرض کرتا چلوں وہ یہ ہے کہ ماہرین لِسانیات کا کہنا ہے کہ لفظ رب عربی کا لفظ نہیں ہے بلکہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جو جناب موسیٰ علیہ السلام کی زبان تھی اور اس زبان میں یہ ہر اس شخص یا اس چیز پر بولا جاتا تھا کہ جو کسی طرح کی بھی کسی کی تربیت کرے جیسا کہ بادل کو ُرب النبات'' کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نباتات کی پرورش کرتا ہے انہیں پروان چڑھاتا ہے اسی طرح روحانی اور اخلاقی تربیت کرنے والے علما کو ُربی'' کہا جاتا تھا

سریانی میں بیوی کو ربہُ البیة'' یعنی گھر کی رب کہا جاتا ہے[1]

دوستو یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ جو بھی کسی کی کفالت کرتا ہے کسی کی تربیت کرتا ہے یا کسی کو پالتا ہے پروان چڑھاتا ہے اسے رب کہا جاتا ہے چاہے وہ حقیقی ہو یا نہ ہو بلکہ ہر وسیلہ ٔتربیت کو رب کہا جاتا ہے اب یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ دورانِ تربیت جو چیزیں عطا ہوتی ہیں وہ کئی مدوں میں ملتی ہیں ان میں سے یہاں دو مدوں میں ملنے والی چیزوں کے بارے میں عرض کرنا ضروری ہے ان میں سے ایک

....

[1] (عبرانی اور سریانی میں حرف تا (ت) کو تیتھ کہتے ہیں) اور لفظ بیت بھی سریانی زبان کا لفظ ہے جو عبرانی اور سریانی میں بیتھ بولا جاتا ہے اور بیتھ کے معنی گھر کے ہیں اور حرف با (ب) کو بھی بیتھ کہا جاتا ہے)

[2] مصر کے جو مسلمان حاکم ہوتے تھے انہیں عزیز کا لقب دیا جاتا تھا اور جو غیر مسلم ہوتے تھے انہیں فرعون کہا جاتا تھا

وہ چیزیں ہیں جو بوجہ رحمت ملتی ہیں یعنی رحمت کی مد میں انسان کو عطا ہوتی ہیں اور دوسری وہ چیزیں ہیں جو بوجہِ ربوبیت عطا ہوتی ہیں

ان دونوں میں جو فرق ہے اس کو واضح کرنے کیلئے رحمٰن و رحمت پہ بات کرنا بہت ضروری ہے اسی لئے پھر عرض کروں گا کہ لفظ رحمٰن رحمت سے مشتق ہے اور رحمت رحم سے مشتق ہے ہم رحم و رحمت کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ جذبہ ترحم کا نام ہے

اب یہ بھی دیکھتے چلیں کہ رحم کیا ہے؟ رحم یہ ہوتا ہے کہ کسی کی کمزوری کو اعانت کا مستحق سمجھنا رحم ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ نے ہر چیز کو انتہائی کمزور پیدا کیا ہے اور ہر چیز کی فطری کمزوری کا یہ حق بنتا ہے کہ اس پہ رحم کھایا جائے کیونکہ انسان کو تو خالق نے انتہائی کمزور پیدا کیا ہے اگر اس نے اسے پیدا بھی کیا اور کمزور بھی پیدا کیا ہے تو پھر اگر وہ اسے اسبابِ حیات و بقا عطا نہ فرمائے گا تو یہ کمزور و ناتواں بیچارہ مر جائے گا اس لئے اس کی اس قابل رحم حالت پر رحم کھانا اللہ جل جلالہ نے اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے اور اس کی اسی کمزوری اور بیچارگی کے پیش نظر اللہ جل جلالہ نے اپنی رحمت کو غضب سے وسیع قرار دیا ہے بلکہ جملہ صفاتِ قہری سے محیط قرار دیا ہے یعنی غضب و جلال و قہر و جبر سے رحمت محیط ہے اور رحمت کو وسعت دینے کے بعد اعلان فرمایا ہے کہ

و لا تقنطوا من رحمت الله

کہ اللہ جل جلالہ کی رحمت سے کبھی بھی ناامید یا مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے کیونکہ اسی نے انسان کو کمزور پیدا کیا ہے اور کمزوری کا استحقاق ہے کہ اس پر رحم کیا جائے اور رحم اس کا

اولین حق ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ جل جلالہ کسی کو اس کے جائز حق سے محروم نہیں کرسکتا کیونکہ کسی کو اس کے حق سے محروم کرنا عدلِ الٰہی کے خلاف ہے بشری و فطری کمزوری رحمت کی حقدار رہے اب اس حق کے رکھتے ہوئے یہ یقین کر لینا کہ اللہ جل جلالہ انسان کو حق سے محروم کر دے گا گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو ظالم سمجھنے کے مترادف ہے کہ وہ انسان کو حق سے محروم کرسکتا ہے اسی لئے اللہ جل جلالہ کی رحمت سے مایوس ہونا اسے ظالم گمان کر کے جائز حق سے محروم کرنے والا تصور کر لینا کفر نہیں تو کیا ہے؟

اس لئے فرمان ہے کہ رحمت الٰہی سے قنوط و مایوس ہونا کفر ہے چونکہ رحمت ہمیشہ استحقاق سے وابستہ ہے اس لئے اللہ جل جلالہ رحیم ہے مگر لفظ رحیم اور رحمٰن میں ایک فرق ہے کہ رحیم کلام الٰہی میں مشروط آیا ہے یعنی مومنین و عباد و خلق و ناس کے ساتھ اللہ جل جلالہ رحیم ہے مومنین پر متقین پر تو اس کی رحمت یا جذبۂ ترحم جہاں نوع انسان تک محدود فرمایا گیا ہے تو اسے رحیم کا اسم دیا گیا ہے جہاں پوری کائنات کو مستحقِ اعانت سمجھ کر جذبۂ ترحم کا اظہار فرمایا گیا ہے تو وہاں لفظ رحمٰن استعمال ہوا ہے یعنی اس کی رحمت محیط بالموجودات ہے کیونکہ پوری کائنات کمزور خلق ہوئی ہے اور قابل رحم ہے اور جو اس کائنات کے انواعِ مختلفہ و موجوداتِ متنوعہ پر ہمہ وقت رحم فرماتا ہے اس کی کمزوری پر ترس کھاتا ہے وہ ہے رحمٰن

تو ثابت ہوا کہ رحمت ہمیشہ بوجہ استحقاق ہوتی ہے

اس رحمت سے بڑھ کر ایک اور چیز بھی ہے اور وہ ہے بلا استحقاق نوازش و عطا اور وہ ہے ربوبیت

رحمت اور ربوبیت کے درمیان جو فرق ہے وہ ایک مثال سے واضح کرتا ہوں مثلاً کسی شخص کے دروازہ پر ایک بوڑھا بھکاری آتا ہے آ کر سوال کرتا ہے کہ بابا خدا کے لئے میری غربت پر ترس کرو میں غریب ہوں میری مالی حالت بہت کمزور ہے مجھے پچاس روپے دے دو تو اس کی مالی کمزوری استحقاقِ اعانت رکھتی ہے آپ نے رحم کیا اور اسے پچاس روپے دے دیئے یہ ہے رحم یا رحمت کیونکہ جب اس میں کمزوری دریافت ہوئی تو تب رحم کا جذبہ بیدار ہوا اور پچاس روپے دے دئے تو اللہ جل جلالہ نے اس عطا کو آپ کی بخشش نہیں بتایا بلکہ فرمایا ہے کہ حق السائل و المحروم کہ یہ جو دیا جا رہا ہے یہ تو سائل اور محروم کا حق ہے کیونکہ کمزوری استحقاقِ اعانت رکھتی ہے اور یہ سائل کو اس کا حق دیا گیا ہے یہ احسان نہیں ہے رحمت و رحم ہے جو اس کا حق ہے

آپ نے دیکھا کہ اس بھکاری کے جانے کے بعد اچانک آپ کا بیٹا آ گیا اور آ کر دامن سے لپٹ گیا کہ ابا جان مجھے ابھی ابھی پچاس روپے دے دیں میں فروٹ مٹھائیاں وغیرہ لیتا ہوں تو اسے بھی پچاس روپے دے دئے گئے لیکن یہاں کسی جذبۂ ترحم کی بنیاد پر یہ رقم نہیں دی گئی بلکہ شفقتِ پدری کی بنیاد پر دی گئی ہے یہاں اس کی مالی کمزوری کی بنیاد پر نہیں بلکہ مربی ہونے کے ناطے اسے پچاس روپے دینے پڑے ہیں یہاں جو عطا ہوئی ہے یہ کسی جذبہ ترحم کی مرہونِ منت نہیں اور نہ ہی یہ استحقاق کی وجہ سے ہے بلکہ اس کے پیچھے وہ جذبہ ربوبیت کارفرما ہے جو استحقاق کو نہیں دیکھتا بلکہ اپنے مربی ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے عطا فرماتا ہے اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ اے انسان تو اپنے والدین کو دعا کر مگران

الفاظ میں قُل رَّبِّ ارحَمھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرا کہ اے میرے رب تو ان میرے دو ربوں (والدین) پر اس طرح رحم فرما کہ جیسے انہوں نے میرے بچپن پر رحم فرمایا تھا یعنی رحم کی اپیل ہے کہ یہ کمزور ہیں اور ان کا استحقاق ہے اعانت و رحم کیونکہ جب میں کمزور تھا یعنی بچپن میں تو انہوں نے جہاں جذبہ شفقت سے مجھ پر مہربانی کی ہے وہاں میری کمزوری کو بھی سامنے رکھا تھا اور قابلِ رحم سمجھ کر بھی اپنے منہ سے لقمے نکال کر مجھے کھلاتے رہے تھے

تو اللہ جل جلالہ نے جب وہ جذبہ ایثار و قربانی والدین میں دیکھا اور ان میں شان ربوبیت کی جھلک نظر آئی تو والدین کے لئے لفظِ رب استعمال فرمایا ہے اور والدین کو بھی رب کہہ دیا ہے یعنی جو بلا استحقاق صرف اپنی محبت کی بنیاد پر عطا کرے پرورش کرے پالے یا نشونما کا بیڑا اُٹھائے وہ رب ہے

اس لئے اکثر دعاؤں میں جب اپنے مالکِ حقیقی سے کوئی چیز طلب کی جاتی ہے تو اسے یا رب یا ربّی ربّ وغیرہ جیسے الفاظ سے خطاب کیا جاتا ہے یعنی اعتراف کیا جاتا ہے کہ ہم تمہاری عطا کے مستحق نہیں ہیں اور تمہارے نافرمان بھی ہیں معصیت کے مرتکب بھی ہیں تمہارے اوامر و نواہی کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں حدود شکنی کے مرتکب بھی ہوتے ہیں ہم واقعی قابلِ رحم نہیں ہیں مگر کیا کریں تمہارے سوا کوئی پالنے والا نہیں ہے شفقت فرمانے والا نہیں ہے مربی نہیں ہے اس لئے تجھ سے نہ مانگیں تو کس سے مانگیں؟ جب وہ ذاتِ صمد اس پیارے تخاطب کو دیکھتی ہے تو شانِ ربوبیت کے پیشِ نظر ہمیں غیر مستحق مانتے ہوئے بھی عطا فرماتی ہے یہ عطا رحمت سے بہت بلند ہوتی ہے

کہنے والے تو یہ کہتے ہیں کہ رب کا لفظ کسی پر بولنا جائز ہی نہیں ہے مگر خالق نے اپنے کلام مقدس میں متعدد مقام پر اس لفظ رب کو غیر اللہ پر استعمال فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ جو کسی پر بلا استحقاق عطا و کرم کی بارش برساتا ہے وہ اگر اسے اپنا رب کہہ دے تو کوئی ہرج نہیں ہے جیسا کہ ہر فرد اپنے ماں باپ کو اپنا رب کہہ دے تو کوئی ہرج نہیں ہے

دیکھئے جناب یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں موجود ہے اس میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون (عزیز مصر) ۲ کے اس غلام سے فرمایا تھا کہ جو ان کے ساتھ قید میں تھا اذکرنی عند ربك یعنی اپنے رب سے میرا ذکر کرنا پھر جب انہوں فرعون مصر کا فرستادہ لینے آتا ہے تو اسے فرماتے ہیں ارجع الی ربك یعنی تو اپنے رب کی طرف واپس جا

دوستو ایسے الفاظ متعدد مقامات پر موجود ہیں کہ جو بھی کسی کو بلا استحقاق نوازتا رہتا ہے وہ اسے رب کہہ دے تو کوئی ہرج نہیں ہے کیونکہ فرعون بھی اپنے غلاموں پر بلا استحقاق نوازشات کی بارش رکھتا تھا تو اسے اللہ جل جلالہ نے بقول جناب یوسفؑ رب فرمایا ہے اسی طرح والدین کی نوازشات کے پیشِ نظر والدین کو رب کہہ دیا ہے

ایک اور مقام پہ دیکھیں ارشاد قدرت ہے اما بنعمت ربك فحدث یعنی اے میرے حبیب صلی اللہ علیك و آلك آپ اپنے رب کی نعمت کا ذکر کریں

اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ یہاں رب سے مراد وہ اللہ جل جلالہ نہیں بلکہ یہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو خطاب ہے کہ اے میرے حبیب آپ اپنے پالنے

والے اپنے مربی یعنی جناب عمران علیہ الصلوات و السلام کی نعمت کا ذکر فرمایا کریں کیونکہ ہر نبی ویسے بھی نعماتِ الٰہی کے ذکر کے لئے مبعوث ہوتا ہے اسے پھر یہ تاکید کرنا کہ اپنے رب یعنی اللہ جل جلالہ کی نعمت کا ذکر کریں تحصیلِ حاصل کے مترادف ہے جو عقلاً فضول ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہاں رب سے مراد جناب عمران علیہ الصلوات و السلام ہی ہیں کہ جنہوں نے باپ بن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پرورش کی ہے اور ماں باپ پر لفظِ رب کا استعمال پہلے ہی بیان ہو چکا ہے

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ لفظِ رب کے وہی معنی ہیں کہ جو بھی کسی کی شفقت و مہربانی اور نعمات سے پرورش کرتا ہے پروان چڑھاتا ہے بلا استحقاق اعانت کرتا ہے وہ اس کا رب ہوتا ہے

اللہ جل جلالہ نے جب کسی شفیق و مہربان ذات کو زمین پر بلا استحقاق نوازشات فرماتے ہوئے دیکھا تو اس کے بارے میں فرمایا یہ بھی رب الارض عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں کیونکہ جس زمین پر اس ذات پاک کو کمزور کر دیا گیا جسے غریب و لاوارث سمجھ کر گھر سے طرید کر دیا گیا جسے مظلوم بنا کر غائب ہونے پر مجبور کر دیا گیا اس ذات پاک کے نوازشات کی بارش کو زمین پر برستے دیکھا تو اللہ جل جلالہ نے فرما دیا کہ یہ واقعی رب الارض عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں کہ جو اس زمین اور اہلِ ارض کی والدین کی طرح نشو و نما و تربیت و حفاظت میں مصروف ہیں' اور زمین اور اہالیانِ زمین کیلئے بلا استحقاق وجہِ بقا بنے ہوئے ہیں' اور ماں باپ سے بھی بدرجہا زیادہ نوازشات فرما رہے ہیں

اہل زمین انہیں بھول کر بھی یاد نہیں کرتے لیکن یہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ فرد کو بھی

فراموش نہیں کرتے' اہل دنیا ان کی زندگی کے درپئے ہیں یہ ان کو زندگی بخش رہے ہیں' وہ احسانات ماننے کو تیار نہیں پھر بھی یہ دستِ شفقت نہیں کھینچتے' یہ رب الارض نہیں تو کون ہیں؟

یہاں یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ صرف زمین کے رب نہیں ہیں یہ صرف رب الارض ہی نہیں بلکہ زمین پر جو کچھ بھی ہے یہ اس کی ہر چیز کے رب ہیں کیونکہ جو گھر کا مالک ہوتا ہے وہ گھر کی ہر چیز کا مالک ہوتا ہے مثلاً ایک شخص ایک گھڑی خرید کرتا ہے اور اس کا مالک ہو جاتا ہے جب وہ گھڑی کا مالک ہو جاتا ہے تو اس کی پوری فعال مشین کا مالک بھی وہی ہوتا ہے یعنی اس کے ہر متحرک و غیر متحرک کا مالک وہی ہوتا ہے اسی طرح جو زمین کا مالک ہے وہ اصل زمین کا بھی مالک ہے اس کے ہر ایٹم کا بھی مالک ہے تو رب الارض اس زمین کے ربع مسکون ہی کا رب نہیں سمندر پہاڑ اشجار نباتات و جمادات حیوان و انسان ملکوت و جنات ہر چیز کا رب ہے

اس سے قبل کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے کہ یتیم کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ انسان یتیم ہے کہ جس کا باپ فوت ہو جائے اور جانور وہ یتیم ہے کہ جس کی ماں مرجائے پرندہ وہ یتیم ہے کہ جس کے دونوں مرجائیں اور حشرہ (کیڑا) یتیم ہوتا ہی نہیں پھر فرمایا کہ ان سب سے بڑا یتیم وہ ہے کہ جو اپنے امامِ زمانہ علیہ الصلوات و السلام سے جدا ہو جائے یعنی یتیم کی Defination یہ ہوئی کہ وہ فرد یتیم ہے کہ جو اپنے رب سے جدا ہو جائے تو رب الارض کی غیبت مومنین کی یتیمی کا باعث ہے جیسے کتبِ غیبت و تفاسیر میں ہے کہ سب سے بڑا یتیم وہ ہے جو اپنے زمانے کے امام سے جدا ہو جائے

دوستو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ رب الارض صرف ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ

الشریف ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی پاک فرد اس منصب پر فائز نہیں ہے بلکہ سارے معصومین علیھم الصلوات و السلام اپنے اپنے زمانے کے ارباب الارض ہیں کیونکہ ہر دور میں حجتِ خدا علیہ الصلوات و السلام کا وجود ذی جود موجود رہا ہے اور کوئی زمانہ حجتِ خداؑ سے خالی نہیں رہا اس لئے اس کائنات کی بقا انہی ارباب الارض کے دم قدم سے ہی وابستہ ہے اس لئے ایک دور میں صرف ایک حجتؑ ناطق رہتا ہے اور باقی صامت اور جو حجت ناطق کے مقام پر فائز ہے وہی امامِ زمانہ علیہ الصلوات و السلام کے لقب سے ملقب ہوتا ہے اس ذات کے حقوق فرائض کی باز پرس اس دور کے لوگوں سے ہوگی اس لئے ارشاد قدرت ہے

يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ

کہ ہر شخص کو بروزِ قیامت اس کے امامِ زمانہ علیہ الصلوات و السلام کے نام سے پکارا جائے گا پھر ان سے سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوگا تو سب سے پہلے ہر زمانے کا امام اپنے زمانے کے لوگوں سے باز پرس کرے گا اور مجرمین کو سزا اور مومنین کو جزا بھی وہی دیں گے جیسا کہ سورہ دہر میں ارشاد ہے

سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَاباً طَهُوراً

کہ انہیں ان کا رب مشروب طاہر عطا فرمائے گا یعنی امام زمانہ علیہ الصلوات و السلام ہی ساقی کوثر ہوتا ہے مالکِ یومِ جزا ہوتا ہے' کئی لوگ اس بات سے یہ سمجھتے ہیں کہ حوضِ کوثر پہ شہنشاہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام خود اپنے ہاتھوں سے جامِ کوثر مومنین کو عطا فرمائیں گے

میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ جب بادشاہ کسی کو کھانے کی دعوت دیتا ہے تو کہا یہ

جاتا ہے کہ آج بادشاہ نے سب کو کھانا کھلایا ہے مگر کھانا اس کے غلام اور خادم وغیرہ کھلاتے ہیں اسی طرح وہاں بھی ہمارے شہنشاہ معظم علیہ الصلوات و السلام کے خادم اور چاہنے والے یہی ڈیوٹی ادا کریں گے ورنہ یہ تو ان کی شایانِ شان نہیں کہ ہم جیسے گنہگاروں کیلئے اپنے دستِ مبارک میں جام لئے پھر رہے ہوں؟

ایک ضعیف العقیدہ شخص تھے جو حاضر و ناظر کے قائل نہ تھے جب ان سے بات ہوئی تو انہوں نے فرمایا میں تمہاری بات سے اتفاق نہیں کرتا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مولا اپنے ہی دست مبارک سے ہمیں جام کوثر عطا فرمائیں گے

میں بہت ہنسا اور میں نے عرض کی اگر ایسا ہو تو ہمارے لئے اس سے بڑا کوئی اعزاز ہو ہی نہیں سکتا کاش ایسا ہو لیکن ایک بات ہے کہ وہاں برلب کوثر کتنے لوگ ہوں گے؟ انہوں نے فرمایا لاکھوں کروڑوں ہوں گے میں نے عرض کی کہ اگر ہم صرف ایک کروڑ آدمی فرض کرلیں اور ایک آدمی کو جام دینے کیلئے ایک منٹ دے دیا جائے تو سب لوگوں کو سیراب کرنے کیلئے 6900 دن درکار ہیں یعنی جب آخری آدمی کو جام ملے گا تو اس وقت تقریباً 19 سال گزر چکے ہوں گے یعنی آخری مومن کو انیس سال بعد جا کر کوثر کا جام ملے گا اب آپ ہی سوچ لیں کہ جس شخص کو انعام میں ملنے والا جام انتہائی پیاس کے عالم میں انیس سال بعد ملے گا کیا یہ انعام ہو گا یا سزا؟

اگر صرف ایک لاکھ آدمی بھی فرض کرلیں اور ایک منٹ میں اگر ایک آدمی کو جام عطا ہو جائے تو پھر بھی انہیں کوثر دینے کیلئے 69 دن درکار ہیں اور اس وقت کی پیاس کا جو منظر بیان ہوتا ہے وہ سارے لوگ جانتے ہیں کہ سب لوگ پیاس سے تڑپ رہے ہوں گے اور اس وقت بھی انیس دن تک پینے کو کچھ نہ ملے تو پھر اس سے بڑھ کر ایک

انسان کیلیئے کیا سزا ہوگی؟ ہاں اب ایک ہی صورت رہتی ہے کہ شہنشاہ معظم علیہ الصلوات و السلام ایک وقت میں لاکھوں مومنین کے سامنے بیک وقت موجود ہوں اور انہیں آنِ واحد میں سیراب فرما دیں مگر یہاں مشکل یہ ہے کہ آپ تو ان کے چالیس مقامات پہ موجود ہونے سے بھی انکار فرماتے ہیں اب آپ ہی فرمایئے کہ پھر کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے اس میں میرے لئے تو سارے راستے قابل قبول ہیں کیونکہ میں تو انہیں اس بات پر قادر مانتا ہوں کہ وہ لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں کھربوں مقامات پہ بیک وقت موجود رہ سکتے ہیں بلکہ اس کائنات کا کوئی کونا ان کی ذات سے خالی نہیں ہے مشکل تو آپ کیلیئے ہے' یہ سن کر وہ پریشان ہو گئے

ہاں تو دوستو میں عرض کرر ہا تھا کہ ہر دور والوں کو ان کے رب (امامِ زمانہؑ) کے نام سے پکارا جائے گا اور وہی وہ رب ہیں کہ جو اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کو مشروبِ طاہر سے سیراب فرمائیں گے

بعض لوگوں نے رب سے مراد صرف امیرِ کائنات علیہ الصلوات و السلام کو لیا ہے لیکن یہاں ہر دور کے ایک علیحدہ رب کا ذکر ہے اماھم اور ربھم میں ھم کی ضمیر جس طرح پہلی آیت میں ہر دور کے لئے علیحدہ امام علیہ الصلوات و السلام کی رعیت کی طرف راجع ہے اسی طرح دوسری آیت میں بھی ربھم میں ہر دور کے علیحدہ امام علیہ الصلوات و السلام کی رعیت کی طرف راجع ہے

ہاں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی اک انفرادیت ہے کہ جس کے بارے میں عنوانیہ آیت میں اشارہ ہے

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاء

وَقُضِیَ بَیۡنَھُم بِالۡحَقِّ وَھُمۡ لَا یُظۡلَمُونَ ......(سورہ زمر 69)

اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی پھر انبیا و رسل علیہم السلام بھی تشریف لائیں گے اور شہدا بھی تشریف لائیں گے اور ان کے مابین حق کے ساتھ نپا تلا ہوا فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی کے ساتھ وہاں ذرہ برابر ظلم نہیں ہو گا

اس آیت میں بہت سے نکات ہیں ان میں سے چند ایک پیش کرنا چاہوں گا

پہلی بات تو یہ ہے کہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر زمانے کے امام علیہ الصلوات و السلام اپنے اپنے زمانے کے رب الارض ہیں مگر کسی امام علیہ الصلوات و السلام نے اپنے نور کا اشراق نہیں فرمایا یعنی انہوں نے جامۂ بشری کے اندر ہی رہ کر سب کچھ کیا ہے مگر ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اپنے نور کا اشراق فرمائیں گے جس سے یہ دنیا جگمگا اٹھے گی

و یستغنی الناس بالضو الشمس و القمر

یعنی پوری انسانیت چاند اور سورج کی روشنی سے مستغنی ہو جائے گی دن کو نورِ رب الارض سورج کی طرح جگمگائے گا اور رات کو دلکش چاندنی کی طرح دنیا کو منور فرمائے گا ان کے خروج کے بعد دنیا کو نہ سورج کی روشنی کی ضرورت ہو گی نہ چاند کی اب یہ بات ہمیں سائنس کی کتابوں میں مل سکتی ہے کہ سورج کی روشنی کس کس چیز پر کیا کیا اثر کرتی ہے نباتات کیلئے اس کی افادیت کیا ہے' فصلات کیلئے اس کی افادیت کیا ہے' عالم حیوانات کیلئے اس کی کیا افادیت ہے' خود انسان کیلئے اس کے کیا کیا فائدے ہیں اب جو جو فائدے سائنس بتاتی جائے سمجھتے جائیں کہ یہ سارے

فائدے اُس دور میں ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے بلا واسطہ پہنچیں گے
اسی طرح چاند کی چاندنی کے اپنے فائدے ہیں جو سورج سے جدا ہیں اب یہ بھی
صاحبان دانش سے پوچھا جا سکتا ہے کہ چاندنی کے کیا کیا فوائد ہیں بس وہ سارے
فائدے نور امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے منسوب کرتے چلے جائیں کیونکہ انہوں
نے اگر اس چاند کی چاندی اور سورج کی روشنی کے فوائد میں سے کوئی ایک فائدہ بھی
مس کیا تو بھی یہ بات درست نہ ہوگی انسانیت چاند سورج سے مستغنی ہو جائے گی
بلکہ اس طرح تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ انسانیت چاند سورج سے محروم ہو جائے گی
شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے زمانہ خروج میں ان کا مقدس نور ہی سارے کام
کرے گا یہاں تک کہ ایک کمرے میں دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں ایک آدمی چاہتا ہے
کہ میں سو جاؤں اور مجھے ایک دلکش رات کا وقت مل جائے اور دوسرا آدمی چاہتا
ہے کہ اسے ایک سنہری دھوپ مل جائے جس میں بیٹھ کر وہ اپنے مالک کا ذکر کرے
بس پھر کیا ہوگا ایک ہی کمرے میں امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا نور ایک کیلئے
چاندنی کی روپہلی کرنین نچھاور کرے گا اور دوسرے کو اسی کمرے میں سنہری دھوپ
سے لطف اندوز فرمائے گا ایک ہی کمرے میں بیک وقت چمک دار دن بھی ہوگا اور
دلنواز چاندنی رات بھی ہوگی اور دونوں یہی سمجھیں گے کہ جو ایک دیکھ رہا ہے دوسرا
بھی وہی کچھ دیکھ رہا ہے حالانکہ ایسا نہ ہوگا اسی کا نام اشرقت الارض بنور ربها
ہے یعنی زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی
اگلا فقرہ ہے و وضع الکتب یعنی کتاب رکھ دی جائے گی یعنی اولین و آخرین کا
ریکارڈ سامنے رکھ دیا جائے گا اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کتاب کیا ہوگی؟

اور کس کے سامنے رکھ دی جائے گی؟

اس کے بارے میں میں کوئی حتمی بات تو نہیں کر سکتا کہ وہ کتاب مسطور و مکنون کیا ہوگی کیا لا رطب و لا یابس والی کتاب ہوگی یا لما آتیتکم من کتاب و حکمة والی کتاب ہوگی جو انبیاعلیھم السلام کو نبوت کے میثاق کے وقت ملی تھی یا لوحِ محفوظ ہوگی یا کتاب مبین (جو وجودِ امام ہوتا ہے) والی کتاب ہوگی یا انسان کی اپنی کتاب نفس ہوگی مگر اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ کوئی ایسی کتاب ہوگی جس میں اولین و آخرین کا مکمل ڈیٹا Data (ریکارڈ) ہوگا

اگلا فقرہ ہے و جیٓء بالنبیین یعنی انبیاعلیھم السلام کے ساتھ لایا جائے گا یہاں یہ وضاحت تو موجود نہیں ہے کہ کن لوگوں کو لایا جائے گا مگر قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ساتھ ان کی امتوں کو لایا جائے گا ان کی امتوں کے اخیار اور اشرار دونوں کو لایا جائے گا کیونکہ اس میں یظلمون کا لفظ بتا رہا ہے کہ کچھ لوگوں کو پنش منٹ Punishment یعنی سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور اس میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کو ان کی زندگی کی کارکردگیوں کا ثمرہ ملے گا اچھوں کو جزا ملے گی اور بروں کو سزا ملے گی مگر کسی پر ظلم نہیں ہوگا

اگلا لفظ ہے والشھداء یعنی شہدا بھی ان کے ساتھ آئیں گے یہ لفظ قابل غور ہے وہ اس لئے کہ ہم اس سے عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں کو اس دنیا میں شہید کیا گیا ہوگا وہ بھی آئیں گے مگر اس آیت میں جس موضوع کو بیان کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے اس میں شہید اپنے لغوی معنی میں لایا گیا ہے کیونکہ شہید کے لغوی معنی ہیں گواہ کے

كَـذَالِكَ جَعَلنَاكُم اُمَّةً وَسطاً لِّتَكُونُوا شُهَدآءَ عَلَى النَّاسِ وَيكوُنَ الرَّسُولُ عَلَيكُم شَهِيداً

فرمایا یعنی رب ذوالجلال والاکرام کسی پاک جماعت سے فرمارہا ہے کہ اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں پر چشم دید گواہ بنو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم آپ پر گواہ رہیں

اس آیت سے پوری امت تو مراد ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اس میں ان پاک ذوات صلوات اللہ علیہم اجمعین کا ذکر ہے جو خود نور سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں ازلیت کے شریک و سہیم ہیں جیسا کہ اس کے بارے میں ایک اور جگہ وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے

جَاهِدُوا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجتَبٰكُم وَماَ جَعَلَ عَلَيكُم فِى الدِّينِ حَرَجَ ط مِلَّةَ اَبِيكُم اِبرَاهِيمَ هُوَ سَمّٰكُمُ المُسلِمِينَ مِن قَبلُ وَ فِى هٰذَا لَيَكُونُ الرَّسُولُ شَهِيداً عَلَيكُم وَ تَكُونُوا شُهَدآءِ عَلَىَ النَّاسِ وَ اَقِيمُوا الصَّلواةَ وَ آتُوالزَّكَواةَ وَاعتَصِمُوا بِاللّٰهِ هُوَ مَولٰا كُم فَنِعمَ المَولىٰ وَ فَنِعمَ النَّصِير ( )

یعنی فرمایا آپ اللہ جل جلالہ میں ایسا جہاد کریں جیسا جہاد کرنے کا حق ہے عام لوگوں کو حکم ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ جل جلالہ کریں مگر یہ وہ ذوات ہیں جنہیں فرمایا جارہا ہے کہ آپ کا جہاد فی سبیل اللہ نہیں کیونکہ آپ ہی سبیل اللہ جل جلالہ ہیں اس لئے خود اللہ جل جلالہ میں جہاد کریں

جَاهِدُوا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ

یعنی آپ اللہ جل جلالہ میں ایسا جہاد فرمائیں جیسا جہاد کرنے کا حق ہے اسی لئے ہم ہر

امام علیہ الصلوات و السلام کی زیارت میں یہ فقرہ ضرور ادا کرتے ہیں

اَشھَدُ اَنَّکَ ......جَاھَدتَ فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ

میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ جل جلالہ میں اسی طرح جہاد کیا ہے جیسا کہ جہاد کرنے کا حق تھا

اس کے بعد کا فقرہ ہے ھُوَ اجتَبٰکُم کہ اس اللہ جل جلالہ نے آپ کو مجتبیٰ قرار دیا ہے اپنی ذات کیلئے منتخب فرمایا ہے اس میں تو کسی کو شک ہی نہیں ہوسکتا اس لئے اس پہ پھر کبھی روشنی ڈالوں گا اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ

وَماَ جَعَلَ عَلَیکُم فِی الدِّینِ حَرَجَ ط مِلَّۃَ اَبِیکُم اِبرَاھِیمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ المُسلِمِینَ مِن قَبلُ

اس نے آپ کیلئے تبلیغِ دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی کیونکہ یہ آپ کے ظاہری والد جناب ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہی ہے کہ جس نے آپ کی جماعت کا نام مسلمین رکھا تھا

وَ فِی ھٰذَا لَیَکُونُ الرَّسُولُ شَھِیداً عَلَیکُم وَ تَکُونُوا شُھَدَآءِ عَلیَ النَّاسِ

یہ اس لئے ہے کہ آپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم چشم دید گواہ رہیں اور آپ باقی انسانیت پر چشم دید گواہ رہیں

وَ اَقِیمُوا الصَّلواۃَ وَ آتُوالزَّکَواۃَ

آپ صلوات کا قیام فرمائیں اور زکواۃ ادا فرمائیں یہاں اقسام زکواۃ کو بیان نہیں کرسکتا مگر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یہاں مالی زکواۃ مراد نہیں ہے پھر فرمایا

وَاعتَصِمُوا بِاللّٰہِ ھُوَ مَولاَ کُم فَنِعمَ المَولیٰ وَ فَنِعمَ النَّصِیر

یعنی آپ اللہ جل جلالہ کو مضبوطی سے پکڑیں یہاں بھی عام انسانیت کے خلاف حکم دیا ہے کہ عام انسانیت کو حکم واعتصموا بحبل الله جميعا یعنی اللہ جل جلالہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو مگر یہاں حبل اللہ کے پکڑنے کا حکم نہیں ہے کیونکہ حبل اللہ تو یہ خود ہیں اسی لئے انہیں فرمایا جارہا ہے کہ آپ اللہ جل جلالہ کو مضبوطی سے پکڑیں

هُوَ مَولاَكُم فَنِعمَ المَولىٰ وَ فَنِعمَ النَّصِير

کیونکہ وہی آپ کا سرپرست ہے اور وہ بہترین سرپرست بھی ہے اور بہترین نصرت فرمانے والا بھی ہے

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب ہمارے امام زمانہ عجل الله فرجه الشريف منبر عدل کو زینت بخشیں گے تو اس وقت ہر نبی اپنی امت کے ساتھ حاضر ہوگا اور آپ کے سامنے ان کے فیصلے ہوں گے اور اس وقت گیارہ آئمہ ہدیٰ عليهم الصلوات و السلام اولین و آخرین کے اعمال کے چشم دید گواہ بنیں گے اور شہنشاہ انبیا صلى الله عليه و آلہٖ وسلم ان کے صداقت کی گواہی دیں گے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم تو انہیں حاضر و ناظر مانتے ہی نہیں اور جب یہ ہمارے اعمال کے وقت حاضر و ناظر تھے ہی نہیں تو ان کی گواہی کیوں دلوائی جارہی ہے تو اس وقت شہنشاہ انبیا صلى الله عليه و آلہ وسلم فرمائیں گے ہم ما ينطق عن الهوى کے مصداق گواہی دیتے ہیں کہ یہ اولین و آخرین بلکہ اسی ہزار آدم کی پوری اولاد کے ہر فرد کے ساتھ اسی طرح رہے ہیں جیسے اللہ ان کی معیت میں رہا ہے اس لئے یہی witnesses Eye چشم دید گواہ ہی کافی ہیں اور حق فرمارہے ہیں اس کے بعد جملہ مخلوق کا فیصلہ ہوگا

ہمارے لئے ضروری ہے کہ دن رات یہی دعا کریں کہ اس آیہ کریمہ کی حسی تفسیر

ہمارے سامنے ظاہر ہو ساری دنیا دیکھے کہ زمین اپنے رب یعنی شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے نور ریزادنی سے جگمگا رہی ہے اور اس دنیا پر و اشرقت الارض بنور ربھا کا تاویلی مظاہرہ ہو اس دنیا میں اولین و آخرین کے مظلومین کے خونِ ناحق کا فیصلہ ہو اور دشمن دین اور آل محمد علیهم السلام کے دشمنوں کے خون سے اس زمین کی مانگ بھری جائے دشمنانِ الٰہی کے لہو سے اس زمین کو غسل دیا جائے کفار و مشرکین و منافقین کے بریدہ سروں سے اس دنیا کی مانگ میں افشاں چنی جائے اور اللہ جل جلاله جملہ مومنین کو وہ روزِ سعید اپنی آنکھوں سے جلدی دکھائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

قد خسر الذين كذبو بلقاء الله حتىٰ اذا جاء تهم الساعة بغتة قالوا يا حسرتنا علىٰ ما فرطنا فيها و هم يحملون اوزارهم علىٰ اظهورهم الاساء ما يزرون (۱۳) انعام

اے مشتاقانِ لقائے الٰہی

آج ہم عرفان کی ایک اور منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں اور آپ کچھ تھکے تھکے سے لگ رہے ہیں اور یہ بھی ہے کہ ہر مسافر تھکتا تو ہے مگر عرفانیات کا سفر ہوتا ہی تھکا دینے والا ہے مگر یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ جو مسافر کہیں تھک کر بیٹھ جاتا ہے وہ منزل پہ نہیں پہنچ سکتا اور وہ جتنی دیر ستاتا رہتا ہے اتنی ہی تاخیر سے پہنچتا ہے اس لئے آپ ہمت سے کام لیں اور ہم اس کاروان کو اگلی منزل کی طرف بڑھائیں

دوستو کلامِ الٰہی میں خلاق کائنات نے فرمایا ہے یقیناً خسارے میں ہیں وہ لوگ جنھوں نے اللہ جل جلالہ کی ملاقات'' کو جھٹلایا اور اس وقت تک جھٹلایا تا اینکہ ان پر اچانک" ساعۃ'' آ گئی تو انہوں نے کہا ہائے افسوس ہم نے اس معاملے میں کتنی زیادتی کی ہے (کتنا غیر سنجیدہ رویہ رکھا ہے) انہوں نے اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوئے ہیں' دیکھئے یہ کتنے برے بوجھ ہیں جو انہوں نے اٹھا رکھے ہیں

دوستو آج کا موضوع آپ کو معلوم ہو چکا ہے جو ہے

لقاء اللہ یعنی اللہ جل جلالہ کی ملاقات

جب ہم لقا کے معنی پر غور کرتے ہیں تو اس میں صرف ملاقات کا مفہوم نہیں ہوتا بلکہ جس ملاقات میں مشاہدہ اور کلام بھی شامل ہو اس ملاقات کو'لقا'' کہتے ہیں ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری کسی سے ٹیلیفون پہ بات ہو جاتی ہے تو ہم اسے ملاقات ہی کی ایک قسم مانتے ہیں اور خط کو بھی نصف ملاقات کہا جاتا ہے یا کسی سے پردے کے اندر سے بات ہو جاتی ہے اسے بھی ملاقات کہا جاتا ہے مگر لقا کے لفظ میں مشاہدہ اور کلام دونوں شامل ہوتے ہیں

کلام الٰہی میں تیس سے بھی زیادہ آیات ایسے ہیں کہ جن میں اللہ جل جلالہ کی ملاقات کا ذکر ہے یعنی لقاء اللہ کا اثبات ہوا ہے

حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے اس بات کی اس طرح تاکید کی ہے کہ اس کے بغیر دین کو مذاق سمجھنے کے مترادف قرار دیا ہے بلکہ ملاقات الٰہی کے بغیر دین کی کوئی حیثیت ہی قرار نہیں دی گئی جیسا ارشاد ہے

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ

هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ...... (سورہ یونس 7)

اور وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی کوئی توقع نہیں رکھتے اور اس کے امیدوار نہیں ہیں اور وہ اس دنیاوی زندگی پر خوش ہیں اور اسے کافی سمجھتے ہیں درحقیقت وہ ہماری آیات سے غافل ہیں

یہ بات قابل غور ہے کہ اکثر مقامات پر لقاء اللہ سے ناامیدی اور انکار کو اللہ جل جلالہ نے اپنی آیات سے جحود و انکار قرار دیا ہے یا ان کی تکذیب کرنے کے مترادف قرار دیا ہے اب یہ بات فی الحال میں آپ پر چھوڑتا ہوں کہ آپ آیات سے مراد قرآن کے آیات لیں یا معجزات لیں یا اس کائنات میں موجود اللہ جل جلالہ کی نشانیاں لیں یا خود آئمہ ہدیٰ علیہ الصلوات و السلام لیں بہرحال جو بھی مراد لیں

اللہ جل جلالہ کی ملاقات کا جو قرآنی تصور ہے اس میں اتنی تاکید ہے کہ بعض حکمائے اسلام نے اپنے بنیادی عقائد میں یہ بات شامل کی ہوئی ہے کہ اللہ جل جلالہ کی زیارت اور ملاقات کا اس دنیا میں صرف امکان ہی نہیں بلکہ یقینی ہے

اسلام کے اندر کئی مذاہب میں اس کے بارے میں مختلف آرا بھی ہیں مثلاً کچھ کہتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کی ملاقات کا اس دنیا میں امکان نہیں ہے بلکہ جب انسان اس دنیا سے جاتا ہے تو موت کے وقت اسے اللہ جل جلالہ کی زیارت نصیب ہوتی ہے

کچھ مذاہب میں یہ عقیدہ ہے کہ انسان کو اس دنیا میں تو زیارت ہونا محال ہے اور موت کے بعد بھی محال ہے ہاں قیامت کے دن سب لوگوں کو اللہ جل جلالہ کی زیارت ہو جائے گی ہاں جو کفار ہوں گے وہ اللہ جل جلالہ سے محجوب ہوں گے یعنی انہیں زیارت نصیب نہیں ہو گی

کچھ مذاہب کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت میں بھی اللہ جل جلالہ کی زیارت نہیں ہوگی ہاں جنت میں اہل جنت کو یہ زیارت نصیب ہوگی

کچھ مذاہب کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی زیارت کسی بھی مقام پر ہونا محال ہے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں

ان کے مقابلے میں کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی زیارت اس دنیا میں بھی ہوسکتی ہے اور کچھ لوگوں نے یہ زیارت کی ہوئی ہے جیسا کہ امام مالک نے اللہ جل جلالہ کی اس دنیا میں ننانوے 99 مرتبہ زیارت کی اور سویں زیارت اور ملاقات بڑی تفصیلی تھی جس میں اللہ جل جلالہ کی زلفیں پیٹ جسم ہاتھ پاؤں کے ساتھ ساتھ اس کی جوتی تک کا ذکر موجود ہے بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس کا جسم اندر سے ڈھول کی طرح خالی ہے نعوذ باالله من ذالك

اس عقیدۂ ملاقات کے حامل جو لوگ ہیں ان میں کئی عرفائے حق بھی شامل ہیں لیکن ان کا عقیدہ ان سابقہ عقائد سے مختلف ہے وہ جسے مشاہدہ حق یعنی دیدار الٰہی کہتے ہیں اس کا مقصد کچھ اور ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم جسے مشاہدۂ حق کہتے ہیں وہ آسمانِ ولایت کا مشاہدہ ہوتا ہے ورنہ کوئی بھی مشاہدۂ حق نہیں کرسکتا

دوستو کبھی آپ نے رات کو آسمان کا مشاہدہ کیا ہے؟ اگر کبھی آپ نے آسمان کا مشاہدہ کیا ہے تو آپ یہ بات جانتے ہوں گے کہ جب ہم آسمان کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پورا آسمان نہیں دیکھ سکتے بلکہ اس کا محدود حصہ دیکھ سکتے ہیں اور جب زمین گردش کرتی ہے تو اس کی گردش کی وجہ سے ہم آسمان کا مزید کچھ حصہ دیکھ سکتے ہیں مگر دس بارہ گھنٹے کی گردش کے بعد اچانک سورج طلوع ہوجاتا ہے اور آسمان کا

سارا منظر تحت الشعاع میں چلا جاتا ہے اور ہم آسمان کو کواکب و نجوم سے خالی دیکھتے ہیں حتیٰ کہ چاند جیسا قریبی سیارہ بھی ہم سے غائب ہو جاتا ہے بالکل اس طرح جب ہم فلکِ ولایت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس کا کلی مشاہدہ ہم نہیں کر سکتے بلکہ ہم اس کا ایک محدود حصہ ہی دیکھ پاتے ہیں کیونکہ اس میں ہمارا گردشی نظام نہیں ہوتا بلکہ ہم زمینِ عنایت وکرم کے ساتھ گردش کرتے ہیں تو مزید کچھ مشاہدہ کر لیتے ہیں مگر وہاں بھی کوئی نہ کوئی سورج گردش کرتا ہوا سامنے آ جاتا ہے تو ہم سارے فلک کو خالی پاتے ہیں ہاں یہ بھی ہے کہ جب ہم کسی مقام کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے جو منظر ہوتا ہے وہ ہمارے بقدرِ ظرفِ نظر ہوتا ہے

ہماری نظر کی کم ظرفی مشاہداتی و بدیہی ہے کیونکہ ہم اپنی بصارت کی کم ظرفی کا اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمیں اپنی زمین سے اربوں گنا بڑے ستارے اور سیارے بھی کدو کے پھول کے برابر نظر آتے ہیں بلاتشبیہ جب ہم فلکِ ولایت میں جن شموس و اقمار کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ جو کچھ ہمیں نظر آتے ہیں وہ اس سے اربوں گنا بڑے ہوتے ہیں اور ہم ان کی وسعت و جسامت کا جو اندازہ کرتے ہیں وہ ہمیشہ غلط ہی ہوتا ہے اور اس طرح ہم ان کا اندازہ کر بھی نہیں کر سکتے کہ وہ کیا ہیں

ایک دن میں اور میرے عزیز ترین دوست اور بھائی سید رئیس عباس رضوی رات کو ٹیلی سکوپ Telescope سے آسمان پہ سیاروں کے گچھوں کا مشاہدہ کر رہے تھے اور ہماری اورین Orison پہ بحث ہو رہی تھی وہ اورین کو دیکھ رہے تھے اور میں نے شمال مشرق کی طرف ایک بہت بڑا چمکدار ستارہ دیکھا اور ان سے کہا کہ یہ کونسا ستارہ ہے؟ تو انہوں نے ٹیلی سکوپ Telescope کو اس کی طرف موڑ دیا اور

پھر دیکھ کر بتایا کہ یہ تو ہماری قریبی پڑوسی کہکشاں Galaxy ہے جو ایک ستارے کی طرح نظر آ رہی ہے یہ کئی لاکھ نوری سال کے فاصلے پہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ایک ستارہ نظر آتی ہے وہ ایک عام ٹیلی سکوپ Telescope سے بھی ایک ستارہ نظر آتی ہے

بلاتشبیہ اسی طرح جب آدمی فلک ولایت پر موجود شموس واقمار کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کی بصارت کی کم ظرفی وہاں بھی حائل رہتی ہے اور اس پر موجود جو انوار کوئی عارف دیکھتا ہے تو وہ انہیں اپنے ظرف کے مطابق دیکھتا ہے' حقیقتاً وہ اس کے تصور سے بھی بہت بڑے ہوتے ہیں

دوستو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ دین کے احکام و ارکان وشعائر و مناسک و رسوم وقواعد واصول اور احکامِ ظواہر فقہ وغیرہ مقصود بالذات نہیں ہیں یعنی نماز روزہ اور باقی ساری چیزوں کا ایک مقصد ہے کہ یہ ہم نے کیوں کرنا ہیں اور ان سے ہم نے کیا حاصل کرنا ہے اور یہ خود مقصد و مقصود بالذات نہیں ہیں

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سب چیزوں کا مقصد اعلیٰ اور مقصودِ حقیقی کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا مقصد ربط مع اللہ ہے یا تعلق مع اللہ ہے یعنی اللہ جل جلالہ کے ساتھ ایک رابطہ و تعلق پیدا کرنے کیلئے انسان مراسم مذہب اختیار کرتا ہے اللہ جل جلالہ کی رضا جوئی خوشنودی تقرب وغیرہ کیلئے سب کچھ کرتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی مقصد ہو تو عبادات فاسد ہو جاتے ہیں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان عبادات کروانے سے ربط مع اللہ تو ہو جاتا ہے مگر اس کا نقطۂ کمال کیا ہے؟ اس کے بارے میں عرض کروں گا کہ جملہ مذاہب کا یہ عقیدہ ہے

کہ عبادت کا نقطہ کمال ہے یقینِ کامل

یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کا یقین مشاہدے کے بغیر کامل نہیں ہوسکتا کیونکہ جو یقین مشاہدے کے بغیر قائم ہوتا ہے وہ علم الیقین ہوتا ہے اور یہ یقین کا ادنیٰ درجہ ہے کیونکہ کہا جاتا ہے ع

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

یعنی سنی سنائی مشاہدے کے برابر کیسے ہوسکتی ہے؟ اوراس طرح تقلیدی عقائد اور شنیدہ نظریات کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یقین کامل مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے اور جو یؤمنون بالغیب کے جومعنی یہاں رائج ہیں وہ درست نہیں ہیں کیونکہ غیب سے مراد یہاں اللہ جل جلالہ نہیں ہے بلکہ انسان کی یہاں آخری منزل مشاہدہ یا ربط مع اللہ ہی ہے اور یہاں صاحبانِ ریاضت وتزکیات اس منزل کو پا بھی لیتے ہیں

دوستو ایک طرف یہ حقیقت ہے کہ دیدارِ الٰہی یا تعلق مع اللہ انسان کے لئے محال ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ سے رابطے کے جو تین ذرائع بیان ہوئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کا بلا واسطہ مکاشفہ یا لقاو زیارت محال ہے خواب مراقبہ حیات و موت و بعدالموت کسی بھی حال میں دیدارِ الٰہی محال ہے دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ صاحبان طیر و سیر کا بیان ہے کہ دیدارِ الٰہی ہوسکتا ہے اور وہ لوگ اس کے واقعات بیان کرتے ہیں یہ کیا بات ہے؟

حق تو یہ ہے کہ حقیقت ان دونوں کے مابین ہی چھپی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جو بھی تزکیات کے مراحل طے کرتا ہوا مقام مشاہدۂ حق پہ پہنچتا ہے اسے اللہ جل جلالہ کا دیدار ہوجاتا ہے مگر وہ لقا و دیدار بلا واسطہ نہیں ہوتا بلکہ ایک آئینہ توحید نما میں وہ

اللہ جل جلالہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جسے مقامِ رویت یا مقامِ مشاہدہ کہا جاتا ہے

ہمارے ادبیات میں کئی تراکیب ایسے موجود ہیں کہ جن سے ہم لفظ لقا کے درست مفہوم کو سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ مہ لقا' خورشید لقا' حور لقا' اسی طرح کے چند ایک تراکیب مروج ہیں اور جو لوگ علمِ تراکیب کے ماہر ہیں وہ اس طرح کے اور بھی تراکیب وضع کرتے رہیں گے جیسے پیغمبر لقا' یزداں لقا' ایزدلقا وغیرہ

مہ لقا کی تراکیب کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہم یہ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ اس سے کسی ایسی شخصیت کا ذکر مراد ہے کہ جسے دیکھنا گویا چاند کے جلوے کو دیکھنا ہے یعنی جسے دیکھا جائے تو چاند لگے یا خورشید لقا یعنی جو دیکھنے میں خورشید نظر آئے حور لقا یعنی حور لگنے والی شخصیت اسی طرح یزداں لقا کہ جسے دیکھیں تو محسوس ہو کہ ہم اللہ جل جلالہ کا دیدار کر رہے ہیں اگر ہم یزداں لقا یا ایزدلقا کو عربی ادبیات کے تراکیب میں بدلیں گے تو ترکیب بنے گی ُلقاء اللہ' وہ ذات جو اللہ جل جلالہ کے جلوے دکھائے جس کی زیارت اللہ جل جلالہ کے انوار کی زیارت ہو اور وہی آئینۂ توحید نما ہی لقاء اللہ ہوتا ہے کہ جس میں عوام و خواص اللہ جل جلاله کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس آئینۂ توحید نما کو حجۃ العصر والزمان کہا جاتا ہے اور یہ عہدہ ہر زمانے کے امام کو حاصل ہوتا ہے اور اس دور میں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف اسی منصب پر فائز ہیں

دوستو ہر زمانے کے امام و حجت ہی کے وجودِ مسعود میں انوار الہیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور کوئی بھی زمانہ ہو اور کوئی بھی شخص ہو وہ اس سے محروم نہیں ہو سکتا چاہے وہ کافر ہو یا مسلمان نیک ہو یا بدکردار اپنا ہو یا بیگانہ جو بھی تزکیات کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ لقا

اللہ سے یعنی اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت سے محروم نہیں ہوسکتا یہ علیحدہ بات ہے کہ اسے کس حجاب میں یا کس آئینے میں یہ شرف ملتا ہے مگر ملتا ضرور ہے

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لقاء اللہ کے موضوع پہ کلامِ مقدس میں جو آیات وارد ہوئے ہیں ان میں تین قسم کے لقاء اللہ کا ذکر ہے (1) لقا فی الدنیا (2) لقا فی یوم القیام (3) لقا فی الآخرت

اکثر مفسیرین نے اس حقیقت کی طرف توجہ نہیں دی اور انھوں نے ہر قسمی لقا کو لقا فی الآخرت ہی سمجھا ہے اور اس حوالے سے بات کی ہے مگر لقاء فی الآخرت کو کسی مقام پہ لقاء آخرت کہا گیا ہے اور کہیں لقائے یومِ آخرت کہا گیا ہے جیسا کہ آخرت کے یومِ لقاء کے بارے میں ہے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُواْ إِلاَّ سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُواْ بِلِقَاء اللّهِ وَمَا كَانُواْ مُهْتَدِيْنَ ......(سورہ یونس 45)

جس دن ہم انہیں جمع کریں گے اور وہ سمجھیں کہ وہ اس دنیا میں دن کی ایک گھڑی کے برابر رہے ہیں اور جو اللہ جل جلالہ کے لقا کی تکذیب کرتے تھے وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے اور وہی خسارے میں ہوں گے جو اللہ جل جلالہ کی ملاقات کی تکذیب کرتے تھے اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُواْ بِلِقَاء اللّهِ حَتَّى إِذَا جَاءتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُواْ يَا حَسْرَتَنَا عَلَى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ أَلاَ سَاء مَا يَزِرُونَ ......(سورہ انعام 31)

یقیناً خسارے میں ہیں وہ لوگ جنھوں نے "اللہ کی ملاقات" کو جھٹلایا اور اس وقت تک جھٹلایا تا اینکہ ان پر اچانک "ساعۃ" آ گئی تو انہوں نے کہا ہائے افسوس اس معاملے میں ہم نے زیادتی کی ہے (کتنا غیر سنجیدہ رویہ رکھا) انہوں نے اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوئے ہیں' دیکھئے یہ کتنے برے بوجھ ہیں جو انہوں نے اٹھا رکھے ہیں

اس آیت کے بارے میں ہے کہ

ان المراد بالساعة ساعة غلبة الحق بظهور القائم صلوات الله عليه وعجل الله فرجه الشريف

یعنی یہاں ساعت سے مراد وہ گھڑی یا وقت ہے کہ جس وقت شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے ظہورِ پرنور کی وجہ سے حق کو غلبہ نصیب ہوگا یعنی ان کے خروج کے دن کا نام ساعۃ ہے اور وہ اچانک ہوگا اور اس دن توبہ کے دروازے بند ہو جائیں گے

اس دن کے بارے میں ہے کہ

الَّذِينَ اتَّخَذُواْ دِينَهُمْ لَهْواً وَلَعِباً وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُواْ لِقَاء يَوْمِهِمْ هَـذَا وَمَا كَانُواْ بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ...... (سورہ اعراف 51)

یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو مذاق بنا رکھا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں ظاہری دنیا کی زندگی کی چکا چوند نے دھوکہ دیا اس دن فرمایا جائے گا آج کے دن ہم نے ان لوگوں کو اسی طرح بھلا دیا ہے جس طرح ان لوگوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور وہ ہمارے آیات سے جو دو انکار کرتے تھے

یہاں ایک بات کہے بناں آگے نہیں جا سکتا اس لئے کہتا ضرور ہوں ہم بھی کبھی اپنا

احتساب کرلیں اوراپنے ضمیر سے اپنے بارے میں فیصلہ لے لیں کہ کیا ہم نے دین کو کبھی سنجیدگی سے لیا ہے؟ کیا ہمیں اس دن کی حاضری کا کبھی احساس ہوا ہے؟ کیا ہم دین کے بارے میں سنجیدہ ہیں؟اس دور میں ایک عام آدمی سے لے کر علما و اکابرین تک جس طرح لوگ پیسے کے پیچھے دیوانے ہوکر دوڑ رہے ہیں اور جہاں سے بھی پیسہ ملتا ہے یہ نہیں دیکھتے کہ کیسا ہے؟ کہاں سے آرہا ہے؟ حلال ہے یا حرام ہے؟ کیا کھا رہے ہیں کیا پی رہے ہیں؟ کیا اس طرزِ حیات کے باوجود ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم دین کے معاملے میں سنجیدہ ہیں؟

اس دور میں تو کوئی بھی جب یہ کہتا ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت ہوسکتی ہے تو فوراً جناب علی بن محمد سمری والی توقیع کے حوالے سے کہتے ہیں کہ زیارت ہو ہی نہیں سکتی جب علما کے فضائل کی بات ہوتی ہے تو کہتے ہیں فلاں عالم کو زیارت ہوئی فلاں کو ہوئی جب عوام کہتے ہیں کہ جی ان علما کو زیارت ہوسکتی ہے تو کیا ہمیں نہیں ہوسکتی؟ تو اس کا یہ بے تکا سا جواب دیا جاتا ہے کہ وہ تو نیک لوگ تھے اس لئے انہیں زیارت ہوئی اب ان سے کون پوچھے کہ جناب علی بن محمد سمری کی توقیع میں کوئی استثنائی جملہ بھی تھا؟ کیا اس میں یہ بات بھی تھی کہ نیک لوگوں کو زیارت ہوگی ہاں جو گنہگار دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے من ادعا رویتـــــی کے جملے میں تو سب آجاتے ہیں یعنی جو بھی زیارت کا دعویٰ کرے اسُ جو بھی،، میں تو نیک و بد سارے آجاتے ہیں تو پھر نیک لوگوں کی زیارت کے امکان کو کس توقیع سے اخذ کیا گیا ہے؟

جب کوئی کسی سے کہتا ہے کہ جناب اس دور میں سب لوگوں کا دین مشکوک ہوگیا ہے

اس لئے اپنے دین کی تصدیق اس ذات سے کروانا لازم ہے کہ جو اس دین کی وارث ذاتؑ ہے تو اس پر کہا جاتا ہے کہ جناب علی بن محمد سمریؒ کی توقیعِ مبارک میں ہے کہ کسی کو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت نہیں ہوسکتی اس لئے اب تو ایک راستہ ہے کہ ہمارے پاس کتابیں موجود ہیں اس لئے اب دین ہم سے سیکھو' اب ان سے کوئی یہ بھی تو نہیں پوچھ سکتا کہ جناب ہم آپ کی بات مانے لیتے ہیں مگر اس توقیع مبارک سے زیادہ سے زیادہ آپ یہی ثابت کر سکتے ہیں کہ اس دور میں صرف ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت نہیں ہوسکتی کیا اس سے یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ باقی گیارہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام کی زیارت بھی نہیں ہوسکتی یا شہنشاہِ معظم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زیارت بھی نہیں ہوسکتی اگر وہ بھی نہیں ہوسکتی تو آپ نے یہ کیونکہ فرمایا تھا کہ من رآنی فی المنا م فقد رانی یعنی جس نے ہمیں عالمِ خواب میں دیکھا ہے گویا اس نے ہماری ظاہراً زیارت کی ہے اگر کسی بھی ذات کی زیارت کا بیداری میں یا خواب میں امکان نہیں تھا تو اس طرح کے احادیث کو کیا کریں گے

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کبھی دین کو سنجیدگی سے لیا ہی نہیں اور نہ ہی دین کے بارے میں سنجیدہ ہیں بس ہم نے دین کو کھیل تماشا بنایا ہوا ہے کسی نے دین کو سیاست چمکانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے کسی نے دین کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے اور کسی نے اپنی نمود و نمائش اور شہرت کا ذریعہ بنا رکھا ہے اسی لئے تو فرمایا گیا ہے

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ...... (سورہ یونس 7)

یعنی وہ لوگ جو ہماری زیارت اور ملاقات سے نا امید ہیں اور اپنی دنیاوی زندگی پر راضی اور خوش ہیں اور اسی دنیا پر مطمئن بھی ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو ہمارے آیات (آئمہ ہدیٰ علیهم السلام) سے غافل ہیں یعنی ان کی زیارت کا امیدوار نہ ہونا ان سے غافل ہونے کے مترادف ہے اور یہ غفلت جب شدید ہو جاتی ہے تو نعوذ باللہ تکذیب کے مترادف ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے

وَالَّذِينَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا وَلِقَاء الآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ......(سورہ اعراف 147)

اور جن لوگوں نے ہمارے آیات (یعنی معصومین علیهم الصلوات و السلام) کی نعوذ باللہ تکذیب کی ہے اور آخرت (شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف) کی ملاقات کی تکذیب کی اس کے نیک اعمال حبط و برباد ہو گئے

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ آخرت'' بھی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے قرآنی میں سے ایک اسم مبارک ہے اس پر گفتگو اس اسم کے بیان میں ہو گی

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ اس دور میں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کی زیارت ہر نیک و بد کو ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ تزکیات کا راستہ اختیار کرے اور جو شخص درست راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے اس کے لئے خالق نے ایک طریقہ بھی بیان فرمایا ہے

فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً......(سورہ کہف 110)

فرمایا جو لوگ اپنے رب کے لقاء کے خواہش مند ہیں وہ صالح عمل کرتے ہیں اور اس کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتے یعنی اس کا مجرب عمل یہ ہے کہ عمل

ِ صالح (جواس امر زیارت میں کفایت کرنے والا عمل ہو) وہ کرے اور شرک نہیں کرنا

اس آیت پہ آپ غور کریں اور دیکھیں کہ اس میں ایک امر ہے ایک نہی ہے بہ الفاظ دیگر ایک عمل ہے اور ایک پرہیز ہے (اس پہ پھر بات ہوگی)

دوستو اس دور میں یہ پرچار کیا جارہا ہے کہ لقاءاللہ یعنی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت کا نعوذ باللہ کوئی امکان نہیں ہے اور یہ پرچار کرنے والے کریمِ ازل کے کرم کے راستے میں دیوار بنے ہوئے ہیں اور عوام کو بیوقوف بنانے کیلئے یہ کہتے ہیں کہ جی زیارت ہو بھی جائے تو کسی انتہائی نیک آدمی کو ہوسکتی ہے آپ تو گنہگار ہیں بدکردار ہیں فلاں عیب رکھتے ہیں فلاں عیب رکھتے ہیں اس طرح وہ عوام کو گالیاں دیتے چلے جاتے ہیں اور سادہ لوح عوام بڑی سعادت مندی سے اقرار جرائم کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ نہیں پوچھ سکتے کہ کیا کوئی ایسا راستہ بھی ہے کہ نہیں کہ جس کے ذریعے ہم اپنے مالک اور کریم آقا عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت کا شرف حاصل کرسکیں؟

درجات مشاہدہ حق

دوستو یہ تو آپ کو پتہ چل گیا ہے کہ مشاہدۂ انوارِ الٰہی آئینہ حجت میں ہوتا ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس مشاہدے کے آگے کئی درجات ہیں مثلاً کچھ لوگوں کو مشاہدۂ انوار کسی شجر سے ہوجاتا ہے اور وہاں شجر کو نورِ امام کا آئینہ بنایا جاتا ہے کسی کو کسی فردِ بشر میں اس کا مشاہدہ ہوجاتا ہے اور وہاں اس کا آئینہ یا پردہ کسی نیک فرد کو بنایا جاتا ہے اور وہ ان کا مظہر ہوتا ہے یہ انوارِ سری کی مجبوری ہے کہ وہ ہمیشہ کسی نہ

کسی مظہر میں ظہور پذیر ہوتے ہیں بغیر مظہر کے وہ کسی کے مشاہدے میں نہیں آ سکتے اسی لئے حدیث قدسی میں شہنشاہ معظم سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو فرمایا گیا تھا

لولاك لما اظهرت الربوبية

یعنی اگر آپ کی ذات اقدس نہ ہوتی تو میری ربوبیت ظاہر ہی نہ ہوسکتی

کیونکہ وہ اللہ کے حجتِ مطلقہ ہیں مظہرِ مطلق ہیں اور پھر انہی کی نیابت کی وجہ سے ہر زمانے کا حجت اس مقام پر فائز ہوتا ہے اور ان کے آگے یہ سلسلۂ نیابت چلتا جاتا ہے اسی لئے عرض کروں گا کہ انوارِ الٰہی کا مظہر حجت زمانہ ہوتا ہے اور نورِ امام کا مظہر ان کا کوئی نائب ہوتا ہے اور نائب کے باطن کا مظہر کوئی اس کا نقیب و حاجز ہوتا ہے یہ وہ سلسلہ ہے کہ جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے کافی لوگ بہک جاتے ہیں اور خصوصاً اس وقت بہکنے کا خطرہ اور بڑھ جاتا ہے جب امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا نور خود انہی کو اپنا مظہر بنا لیتا ہے اس وقت اگر انسان یہ سوچ لے کہ طور پہ موجود جھاڑی کی کیا اوقات ہے کہ وہ خود کو اللہ جل جلالہ کہے اور میری کیا اوقات ہے کہ میں اس شہنشاہ کے نور کا سہیم بنوں

یہ عرفانیات کا ایک دقیق موضوع ہے اس پر پھر کبھی بات ہوگی اب ہم اگلی منزل کی طرف بڑھتے ہیں

حاملانِ منزل توحید

دوستو یہاں یہ بتانا بھی لازم ہے کہ ربط مع اللہ کی منزل میں صاحبان طیر و سیر جو مقامِ رویت کو یا مقام ربط و تعلق کو پا لیتے ہیں وہ حاملانِ منزلِ توحید کہلاتے ہیں ان

حاملانِ توحید کے دو اقسام ہیں

(1) عارف

(2) غیر عارف

کیونکہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مشاہدۂ حق کسی آئینہ توحید نما میں ہوتا ہے اب اس مقام پر جب پہنچا جاتا ہے تو ان پہنچنے والوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں عارف و غیر عارف ان میں سے غیر عارف وہ ہوتے ہیں جو بوقت مشاہدہ آئینے کو نہیں دیکھتے صورت کو دیکھتے ہیں اور آئینے کو فراموش کر دیتے ہیں وہ عکس کو ذات سمجھ لیتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں بلا واسطہ لقائے الٰہی کا اعزاز ملا ہے

جو عارف ہوتے ہیں ان کی پھر دو قسمیں ہوتی ہیں

(1) عارفِ سر

(2) عارفِ مستتر

(1) عارفِ سر' یہ تو جانتا ہے کہ یہ آئینہ توحید نما ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں لیکن وہ اس آئینے ہی کو ذاتِ واجب الوجود مان لیتا ہے صاحبِ عکس کی صورت کے بجائے اس صورت کو آئینے کی ہی ذاتی صورت مان لیتا ہے جیسا کہ کسی نے جب امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی ذات میں انوار الٰہی کا مشاہدہ کیا تو انہیں اللہ جل جلالہ مان لیا اور ان کے مقامِ مظہریت کو بھول گیا اور اس مقام کی حقیقت سے جاہل لوگوں نے اسے کافر کہہ کر سزا دلوا دی کیونکہ وہ بالکل جھوٹا نہیں تھا اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہی بیان کیا اس کا مشاہدہ درست تھا سمجھ ناقص تھی وہ عرفانیات کی اصطلاح میں 'طفل' تھا نادان بچہ تھا اس پر کوئی حد عائد نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اطفال

مرفوع القلم ہوتے ہیں ان کا ہر جرم خطا کے دائرے میں شمار ہوتا ہے اور بچوں کیلئے قصاص و دیت کچھ نہیں ہوتا حدود و تعزیرات اسلامی سے وہ ماروئی ہوتا ہے

(2) عارف مستتر'' وہ ہوتا ہے کہ جو صاحبِ عکس کو اور آئینے کو اور اس آئینے کے مقامِ آئینہ داری کو علیحدہ علیحدہ پہچانتا ہے کیونکہ وہ اپنے مقام و حیثیت اور کمزوری و مجبوری و عدم استعداد کا بھی ادراک رکھتا ہے اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میری مقصود ذات کی بھی یہ مجبوری ہے کہ وہ اس آئینے کے بغیر اپنا دیدار نہیں کرا سکتی اور میری بھی اتنی استعداد نہیں کہ اس کے بلا واسطہ جلوے کا متحمل ہوسکوں تو وہ ان دو مجبوریوں کے پیشِ نظر اس آئینہ تو حید نما کو وہی پروٹوکول دیتا ہے جو وہ صاحبِ عکس کو دینا چاہتا ہے وہ اس سے اس طرح خطاب کرتا ہے اسی طرح سلیوٹ کرتا ہے جیسے اصل ذات کو کرسکتا تھا وہ ہر رو یہ جو ذات کیلئے جائز سمجھتا تھا یا سمجھ سکتا تھا وہ اس آئینے کے سامنے جائز جانتا اور مانتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ

ما للتراب و رب الارباب یہ مشت خاک کہاں اور عالمین کا رب کہاں

دوستو میں آپ سے گزارش کررہا تھا کہ انوار الٰہی کا مشاہدہ ممکن ہی نہیں بلکہ انسان کیلئے لازم ہے کہ اسے حاصل کرے کیونکہ یہی انسان کا کمال ہے اور وہ مشاہدہ بلا واسطہ و مظہر نہیں ہوتا بلکہ انوار الٰہی کا مظہر جتنا کامل ہوگا مشاہدہ اتنا قوی ہوگا اور اللہ جل جلالہ کے مظہر کامل سرورِ دو جہاں اللہ جل جلالہ کے نورِ ازل مراۃ الوحدت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی ہیں اور ان کی ذات میں جو مشاہدۂ الٰہی ہوتا ہے وہی کامل و اکمل مشاہدہ ہوتا ہے کیونکہ نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا

ثم اختار سبحانہٗ لمحمدؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم لقاءہٗ

یعنی پھر اللہ سبحانہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو اپنے لقا کیلئے منتخب فرمایا ہے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے دیدار کیلئے انہیں منتخب فرمایا ہے یعنی جب بھی اس کا دیدار ہوگا انہی کے ذریعے ہوگا اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے انہیں اپنی زیارت کیلئے منتخب فرمایا یعنی اپنی زیارت کروائی پہلے معنی عرفا و صدیقین کے ہیں اور دوسرے معنی عوامی ہیں یعنی انہیں معراج پہ زیارت کروائی تھی ان دوسرے معنی پہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ جل جلالہ ان کی ذات سے غائب کب تھا کہ انہیں زیارت کیلئے منتخب فرمایا؟

بات یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ہر اس ذات کو اپنے لقا کیلئے مظہر (جائے اظہار) قرار دیا ہے کہ جو

اولنا محمدؐ و اوسطنا محمدؐ و آخرنا محمدؐ و کلنا محمدؐ صلوات اللہ علیھم اجمعین کے حکم میں شامل ہیں کیونکہ آپ جناب خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تھے اس لئے انبیا کیلئے آپ اللہ جل جلالہ کے لقائے کامل کے ذریعہ و مظہر ہیں مگر پوری انسانیت کیلئے ہر دور میں آئمۂ ہدیٰ علیھم الصلوات و السلام ہی کی ذات میں مشاہدۂ انوارِ الٰہی ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا اسی لئے ہم تزکیات و ریاضات سے گزرنے والوں کے بارے میں دیکھتے ہیں کہ فلاں شخص بہت عبادت گزار تھا پھر اس نے شرک کیا اور غلط عقائد پھیلائے یعنی اس نے اپنے زمانے کے امام کو اللہ جل جلالہ کہنا شروع کر دیا وہ ان کی الوہیت کا قائل ہوگیا اور وہ اس عقیدے کا پرچار کرتا تھا' اصل بات یہ تھی کہ اس نے مشاہدہ تو درست کیا تھا اس کی تعبیر میں بہک گیا

یہ تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان آئینہ ہائے نورِ الٰہی میں جو مشاہدہ ہم کرتے ہیں

وہ ہمیشہ ناقص ہوتا ہے کیونکہ وہ ہماری بصارت اور بصیرت کے ظرف کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ مشاہدہ کروانے والی ذات کے مطابق کیونکہ جب کوئی برتن زیرِ آسمان رکھا جائے اور بارش ہو جائے تو وہ بھر تو جاتا ہے مگر اس میں وہی پانی آتا ہے جو اس میں سما سکتا ہے اس سے کوئی برتن یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے ساری بارش کو اپنے اندر بھر لیا ہے اسی طرح مشاہدۂ انوارِ الٰہی بھی بقدرِ ظرف ملتا ہے نہ کہ کلی ملتا ہے

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مظہر جتنا بڑھتا جائے گا مشاہدہ اتنا سمٹتا جائے گا جیسا کہ میں نے ایک مثال دی تھی کہ آسمان کو ہم دیکھتے ہیں تو ہم سارا آسمان نہیں دیکھ سکتے بلکہ اس کا جزوی مشاہدہ کر سکتے ہیں کیونکہ جسے دیکھا جا رہا ہے وہ بہت وسیع ہے اور ایک وقت میں ہم اسے دیکھ بھی نہیں سکتے کیونکہ مظہر بڑا ہے تو مشاہدہ سمٹا ہے اسی طرح خود سوچیں کہ ایک وہ ذات ہے جو علی کل شی محیط ہے اور اس کا مظہر ہے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہے جو سارے عالمین سے محیط ہے تو اس کا مشاہدہ کیسے کامل ہو سکتا ہے؟

اسی بات کو خالق نے اپنے لب ولہجہ میں بیان فرمایا ہے

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاء رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ......(سورہ فصلت 54)

یعنی خبردار وہ لوگ اللہ جل جلالہ کے لقا کے بارے میں دھوکے میں ہیں (کہ انہوں نے کلی مشاہدہ کر لیا ہے) خبردار وہ ہر شئی سے محیط ہے یعنی کسی کے احاطے میں نہیں آ سکتا اور جو محیط ہو اس کا مشاہدہ کلی ناممکن ہوتا ہے' اس سے ثابت ہوا کہ ماضی میں جو مشاہدات ہوتے رہے ہیں وہ بھی ناقص تھے اور آئندہ بھی ناقص ہوں گے لیکن بہ اختلافِ ظروف ان میں درجات تھے اور انسانی استعدادات کے کمال کا زمانہ وہ

ہے جب ہمارے شہنشاہِ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف اس میں اپنی حکومت غائبی کو ظاہر فرمائیں گے اس وقت انسانیت کیلئے ان کی معرفت کمال تک پہنچ جائے گی اور اس وقت انسانی و بشری صلاحیت اور استعداد کے حوالے سے ہر فرد کا ظرف جتنا بڑھانا ممکن ہوسکتا ہے بڑھا دیا جائے گا اور عرفان کو بہ قوت جبری وقہری رائج کر دیا جائے گا تو اس وقت جو لقاء اللہ انسانیت کو نصیب ہوگا وہ کسی بھی وقت میں نصیب ہونا ممکن نہیں ہے پھر بات یہاں تک ختم نہیں ہوگی بلکہ وہاں بھی سلسلۂ دعا و استجابت جاری رہے گا اور کئی تشنگانِ ازل وہاں بھی حل من مزید کی آوازیں دیں گے اور دعا کریں گے اللھم اتمم لنا نورنا مالک ہمارے نور کو اور زیادہ کامل فرما تاکہ ہم اور زیادہ مشاہدہ کرسکیں اس لئے ہم سب کو یہ دعا کرنا چاہیے کہ وہ سنہری دور جلدی آئے اور ہم مومنینِ مشتاق کو اپنے آقا کی زیارت کا کمال بشریت پہ اعزاز حاصل ہو اس دنیا سے ظلمت کا دور ختم ہو الٰہی جاہ وجلال کا سمندر اس دنیا پہ موجزن ہو جائے

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

الله الذى انزل الكتب بالحق و الميزان و ما يدريك لعل الساعة قريب (١٦)

شورى

اے عشاقِ لقائے معرفت

آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ معرفت ایک ایسی محبوبہ ہے جو کسی کو وہ کن کی کندال سے حاصل نہیں کی جا سکتی بلکہ وہ اسی کو نصیب ہوتی ہے جس پر معشوقِ ازل مہرباں ہوتا ہے ہر زمانے میں عرفان کے حصول کے ذرائع پہ بحث ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی اور اس کے حصول کے ذرائع میں سے ایک کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی کی سینکڑوں علوم کی روشنی میں تفاسیر لکھی گئی ہیں مگر معرفتِ حجتِ عصر عجل الله فرجه الشريف کو مشعلِ راہ بنا کر سفرِ تفسیر کو طے نہیں کیا گیا

حقیقت یہ ہے کہ یہ کام کرنے والوں کو یہاں ایک مجبوری بھی لاحق ہے کہ کوئی عام شخص اس وادی میں قدم رکھ بھی کیسے سکتا ہے کہ جہاں ہر طرف اوہام واجہال کے پردے پڑے ہوں تعصّبات کی تاریکیاں خیمہ زن ہوں اور جس قوم کی یہ حالت ہو کہ وہ ترقی کو جرم سمجھتی ہو وہاں کوئی کیسے عرفانیات کی بات کرے اس دور میں جملہ علوم وفنون سفرِ ارتقاء میں عرش کو چھو رہے ہیں مگر یہ علومِ دین ہیں کہ ابھی تک بطلیموسی نظامِ فکر کو عبور نہیں کر سکے اور کلام الٰہی پر آج بھی علمی بچپن کا مظاہرہ ہو رہا ہے یعنی متشابہات کو وجودی مانا جا رہا ہے (گاؤزبان) کو آج بھی گائے کی زبان سمجھا جا رہا ہے مگر اس کا اعلاج بھی نہیں ہے جو اس کی اصلاح کرنا چاہے گا مفسد کہلائے گا اس پر تفسیر بالرائے کا الزام لگ جاتا ہے چاہے وہ تفسیر القرآن بالقرآن ہی کیوں نہ ہو مسلمین کا یہ رویہ آج بھی جاری وساری ہے اور آج بھی ناقص العیار لوگوں نے عوام الناس کو الفاظ کی بھول بھلیوں میں الجھا رکھا ہے مثلاً یہی ہمارا عنوانیہ لفظ ہی لے لیں ارشاد قدرت ہے کہ

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ...... (سورہ انبیاء 47)

یعنی قیامت کے دن میزانیں (ترازو) وضع کی جائیں گی اور لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے

فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ () فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ () وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُه () فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ...... (سورہ القارعہ 9)

جس کی میزانیں وزنی ہوں گی ان کے تو بس مزے ہوں گے اور جس کی میزان کا پلہ ہلکا ہوگا وہ گیا جہنم میں اسے کوئی بچا ہی نہیں سکتا

اس نظریے کو اتنا فروغ حاصل ہے کہ آدمی پریشان ہو جاتا ہے کہ یا اللہ یہ میدان قیامت میں کیا قیامت ہونے والی ہے؟ اعمال کیا ہیں؟ کیا ان کا بھی کوئی وزن ہوتا ہے؟ کیا یہ اعمال میدان قیامت میں مادی شکل میں آئیں گے؟

مشاہدہ یہ ہے کہ مادیات کے علیحدہ علیحدہ اوزان ہیں مثلاً ایک حجم کے مختلف مادیات مختلف وزن کے ہوتے ہیں جیسے ایک انچ مربع کی مختلف چیزوں کے ٹکڑے لے لو لکڑی کا، لوہے کا، سونے کا، سیسے کا، اسفنج کا، ان سب کا سائز ایک ہو پھر اسے تولیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ ہر ٹکڑے کا وزن دوسرے سے مختلف ہوگا جب کہ ان کا سائز ایک ہوگا

کیا اسی طرح اعمال کے بھاری ہونے کا مقصد یہ تو نہیں کہ اعمال کا سائز تو مومن و کافر کا یہی ایک ہوگا مگر وزن کم و بیش ہوگا؟ یا کوئی دوسری صورت ہوگی؟

اعمال کو تولنے کی خبر پا کر صاحب دلانِ اعمال نے بھانت بھانت کی بولیاں بولنا شروع کر دیں اور ہنگامہ آرائی میں یہ مسئلہ علم کلام کی نشانہ گاہ میں جا پڑا پھر کیا تھا سارے ماہرین علم کلام نے اسے سامنے لٹکا کر وہ نشانہ بازی کی کہ تصور میزان کا حلیہ بگڑ گیا

کسی نے کہا کہ قیامت کے میدان میں ایک بڑی سے ترازو کھڑی کر دی جائے گی اور اس پر اعمال تولے جائیں گے اس پر اعتراض ہوا کہ میاں یہ قیامت میں اربوں کھربوں لوگ اپنے اپنے اعمال لے کر آئیں گے کیا ایک ترازو سب کیلئے کافی رہے گی؟ اس طرح تو بہت زیادہ وقت لگ جائے گا اس پر دوسرے نے کہا بھائی ترازو ایک نہیں ہوگی بہت سی ہوں گی مگر پھر بھی تسلی نہ ہوئی تو کہہ دیا گیا کہ ہر شخص کی اپنی اپنی ترازو الگ ہوگی

اس پر پھر اعتراض ہوا کہ میاں اعمال کوئی مادی وزنی چیز تو نہیں ہیں پھر کیسے تولے جائیں گے؟

اس پر کسی نے کہا کہ میاں یہ جو فرشتے اعمال لکھتے ہیں یہی اعمال نامے ترازو میں رکھ دیں گے جس کے اعمال ناموں کا وزن زیادہ ہوگا وہی کامیاب ہوگا

اعتراض ہوا کہ کیا اعمال کسی مادی چیز پر لکھے جاتے ہیں کہ انہیں تولا جائے گا تو جواب ملا کراماً کاتبین جن چیزوں پر بھی لکھتے ہیں وہ تولے جائیں گے

اس پر اعتراض ہوا کہ میاں یہ قیامت کا میدان ہے ردی کی دکان نہیں ہے کہ جہاں اچھی بری ہر کتاب کی ایک ہی قیمت ہوتی ہے اور اعمال کے کاغذوں کے بنڈل تولے گئے تو بوڑھے لوگ چاہے کافر ہوں گے ردی ان کی زیادہ بھاری ہوگی اور وہی جنت میں جائیں گے اور نیک اور مومن نوجوان تو محروم ہی رہیں گے

اس کا جواب ملا کے نیک اعمال ہی تولے جائیں گے سوال ہوا میاں گناہوں کے حساب سے سزا بھی تو ملنا ہے کیا وہ نہ تولے جائیں گے؟ اس کا جواب دیا گیا کہ وہ دوسرے ترازو میں تولے جائیں گے پھر اعتراض ہوا کہ کیا فرشتے بھی اعمال کاغذوں پر لکھتے ہیں؟ تو بات نہ بن سکی تو کسی دوسرے نے کہہ دیا بھائی اسے غلط فہمی ہوئی ہے بات یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ خود اعمال کو مجسم بنا دے گا اور ان میں وزن بھی پیدا کر دے گا بس پھر ترازو پہ تول لئے جائیں گے اس پر کسی نے کہا اللہ جل جلالہ قادر ذات ہے اسے کیا ضرورت ہے کہ اعمال کو مجسم کرے کیا وہ بھی تجسم اور مادی شکل دیئے بغیر نہیں تول سکتا؟ کیا وہ بھی انسانوں کی طرح مجبور ہے؟ اس پر کوئی اور بولا کہ بھائی وہ قادر ہے اس لئے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ انہی اعمال ہی میں وزن پیدا

کر دے گا اور خود ہی تول لے گا یہ بات تو یہاں ختم ہو گئی

آج کا دور ہوتا تو یہ سلسلہ اور بھی بڑھتا اور موشگافیاں اس طرح ہوتیں کہ کوئی کہتا کہ جی کراماً کاتبین ہر انسان کے اعمال کمپیوٹر کے کسی ایڈیٹر میں لکھتے ہیں اور اس میں فائل کی لمبائی Length دیکھ لی جاتی یا فائل کے سائز سے وزن کا اندازہ ہو جاتا کوئی کہتا کہ جی کراماً کاتبین ہر انسان کی ویڈیو بناتے رہتے ہیں اور وہی کیسٹس Cassettes وہاں تولی جائیں گی مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس دور میں سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی

دوستو یہ علم کلام کا خلاصہ تھا جو میں نے پیش کیا ہے وہ لوگ جو علم کلام سے مس رکھتے ہیں وہ یہ باتیں اچھی طرح سے جانتے ہیں

مگر ایک اور مسئلہ ابھی باقی تھا یعنی کسی نے کہہ دیا کہ چلو بھائی ہم یہ مان لیتے ہیں اب مسئلہ تو ایک اور مشکل ہے اور وہ ہے صورتِ میزان کا یعنی وہ میزان کیسی ہو گی کیا دو پلڑوں والی ہو گی؟ یا ریلوے سٹیشن کے فرشی کانٹے کی طرح ہو گی اس کا بڑا سا ڈنڈا نیچے لگ گیا تو وزن بڑھ گیا اور اوپر لگ گیا تو وزن کم ثابت ہوا - یا پھر جدید وزن کرنے کی مشین کی طرح ہو گی کہ اس پر گٹھڑی رکھیں گے اور سوئی حرکت کرتے ہوئے ہمیں اعمال کے کلوگرام (K.G.) بتا دے گی یا پھر آج کل پرچی والی مشینیں بھی آ چکی ہیں کہ کوئی شخص اگر وزن معلوم کرنا چاہے تو مشین پر چڑھ جائے اور اس مشین کے دہن مبارک سے ایک کارڈ نکلتا ہے جس پر اس کا وزن تحریر ہوتا ہے اب پتہ نہیں میدان قیامت میں کس قسم کی میزانیں یعنی وزن معلوم کرنے کی مشینیں ہوں گی؟

یہ اتنے سارے سوالات ہیں کہ کوئی بھی بڑی سے بڑی کتاب ان کے تسلی بخش

جواب نہیں دے سکتی اس پہ انوار الایقان میں عارف باللہ قبلہ میر صاحبؒ نے خوب بحث کی ہے اورانہوں نے متشابہات اور محکمات پر بھی اچھی بحث کی ہے کیونکہ میرا میدان ان سے جدا ہے اس لئے عرض کروں گا کہ میزان کی جتنی تعریفیں ہو چکی ہیں یہ سب ہوائی فائر ہیں اور اکثر متکلمین نے میزان کا جو تصور پیش کیا ہے وہ عجیب سا لگتا ہے اور حقیقت سے بعید نظر آتا ہے

دراصل میزان کے معنی ہیں آلۂ وزن یعنی ایسا آلہ جس سے کسی چیز کا وزن کیا جا سکے

اب یہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ناپ تول کا پراسس Process کیا ہوتا ہے؟

دوستو اس کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ پہلے ایک پیمانہ وضع کیا جائے جیسے ملک میں کوئی ناپ تول کا نظام بنایا جاتا ہے تو اس میں پہلے ایک سٹینڈرڈ Standard اوزان قرار دئے جاتے ہیں جیسا کہ ماضی میں تولنے کا پیمانہ رتی ماشے تولے کا ایک سٹینڈرڈ Standard پیمانہ موجود تھا اس کے بعد عشاری نظام آیا تو اس میں ان کو منسوخ کر کے گرام کی اکائی پر مبنی ایک پیمانۂ وزن دیا گیا اور پھر اس کے باٹ رائج ہوئے جس سے ملک میں کسی چیز کو تولنے کا عمل شروع ہوا مگر یہ سسٹم مختلف چیزوں کیلئے مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ مائعات کو تولنے کا پیمانہ کلوگرام نہیں ہے بلکہ لیٹر ہے لمبائی کو ناپنے کا پیمانہ میٹر ہے اسی طرح آواز کو تولنے کا پیمانہ ڈیسی بل ہے روشنی کا پیمانہ لکس ہیں بجلی کا پیمانہ واٹ ہیں اسی طرح حرارت کا پیمانہ سینٹی گریڈ یا فارن ہیٹ کا ہے یعنی ہر چیز کی ایک اکائی وضع ہوتی ہے اس کے بعد اسی سے کسی چیز کو تولا جاتا ہے

اس نظامِ اوزان کیلئے ضروری ہے کہ اگر وزن مادی چیز کا ہوگا تو میزان بھی مادی ہو گا اور اگر تولے جانے والی چیز غیر مادی ہوگی تو اس کا پیمانہ اور میزان بھی غیر مادی

ہوگا کیونکہ غیر مادی چیزوں کوکلوگرام میں ظاہر نہیں کیا جا سکتا مثلاً الفاظ کو رائج الوقت اعشاری نظامِ توازن سے نہیں تولا جا سکتا بلکہ اس کے کچھ الفاظی اوزان مقرر ہیں انہی سے ملا کر دیکھ لیا جاتا ہے جیسے ماضی میں سہ حرفی الفاظ کیلئے فَعَلَ یا فَعِلَ وغیرہ رائج ہیں اسی لئے کہتے ہیں ضَرَبَ بروزن فَعَلَ یاحَسِبَ بروزن فَعِلَ

آپ نے دیکھا کہ یہاں میزانِ الفاظ الفاظی ہی ہے بالکل اسی طرح اعمال کے لئے بھی میزان عملی ہونا چاہیئے نہ کہ مادی اگر اس حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو تجسمِ اعمال کے نظرئے پر بحث کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی بس اتنا بتا دیا جاتا کہ کسی شخص کے اعمال کو ایک آئیڈیل عامل کے اعمال سے ملایا جائے گا یعنی اعمال کا ایک ذات کے اعمال سے موازنہ کیا جائے گا جتنی اعمال میں مشابہت یا ہم آہنگی ہوگی اتنا ہی عمل زیادہ قابل تحسین ہوگا اور اعمال کا عدمِ توازن ہی خفتِ اعمال قرار دیا جائے گا اور توازن وتشابہہ فی اعمال ثقلِ اعمال ٹھہرے گا اور ثقل سے مراد وزن مادی نہیں بلکہ مطابقت فی الاعمال ہے اگر ہم ثقل کے معنی وزن مادی لیں تو پھر ان آیات و احادیث کا کیا ترجمہ کریں گے جن میں یہ اس معنی میں نہیں آیا جیسا کہ

قولا ثقیلا ......انی تارك فی کم الثقلین

کیا قول بھی مادی ہوتا ہے کہ اسے بھاری کہا جا سکے ؟

کیا قرآن مادی لحاظ سے کوئی بھاری چیز شمار ہوتا ہے؟ ایک عام کلام پاک کا وزن ایک کلو بھی نہیں ہوتا تو پھر اسے بھاری اور ثقیل کیوں فرمایا گیا ہے؟

میں سمجھتا ہوں اگر خاندانِ تطہیر علیھم الصلوات و السلام کے فرمودات کی روشنی میں اور کلامِ مقدس کی ضیا پاشیوں میں میزان کی تعریف کی جاتی تو اتنے مسائل جنم ہی نہ

لیتے

آ یئے اب صفاتِ میزان کو کلامِ مقدس میں بھی ہم دیکھتے چلیں جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے کہ

وَالسَّمَاء رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ()أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ() وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ......(سورہ الرحمٰن 9)

فرمایا کہ اس نے آسمانوں کو رفعت بخشی اور میزان کو قائم فرمایا (اسے قائم کرنے کی وجہ یہ ہے) کہ تم میزان سے بغاوت اور طغیان کا ارتکاب نہ کرو اور وزن کو قائم رکھو قسط کے ساتھ اور میزان میں خسارہ نہ کرو

اس محولہ بالا آیت سے کچھ نتائج سامنے آتے ہیں انہیں بھی دیکھتے چلیں

1- میزان تخلیقِ ارض وسما سے پہلے موجود تھی جسے آسمانوں کو بلند کر کے قائم کر دیا گیا

2- میزان کا ایک ضابطہِ قانون ہے جسے مخلوق توڑ سکتی ہے

3- میزان ایک حاکمِ وقت کی طرح ہے جس سے بغاوت کا امکان بھی موجود ہے

4- اپنے وزن کو قسط کے ساتھ قائم کرنا ہے (اعمال کو نہیں)

5- میزان کو خسارہ بھی دیا جا سکتا ہے

ان نتائج کو ذہن میں رکھیئے تا کہ ہم اگلی آیۂ مبارکہ کی طرف رجوع کریں اگر آیت خود موصوف کے در پر دستک نہ دے اور نشاندہی نہ کرائے تو مزا ہی کیا ہے اب دوسری آیت ملاحظہ فرمائیں

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ......(سورہ انبیاء 47)

یعنی ہم روزِ قیامت (موازینِ قسط) کو وضع فرمائیں گے اس دن کسی پر ظلم نہیں ہوگا اگر کسی کا ایک رائی کے دانہ برابر بھی عمل ہوگا تو میزانِ قسط اسے لا کھڑا کرے گا اور ہماری وجہ سے حساب لینے والے کافی ہیں

اس آیت کو بھی آپ نے دیکھا ہے اس پر غور کریں اور خود نتائج اخذ کریں آیئے چند نتائج میں بھی عرض کرتا چلوں

1- میزان ایک نہیں بلکہ متعدد موازین ہیں

2- جملہ موازین عام میزانیں نہیں بلکہ موازینِ قسط ہیں

3- جملہ خلائق کے ہر عمل سے واقف ہیں رائی برابر چیز ان موازین سے مخفی نہیں ہے

4- صرف یہ نہیں کہ جملہ اعمال خلائق ان کے علم میں ہیں بلکہ انہیں اس نے محفوظ رکھا ہوا ہے جملہ اعمال ان کے پاس ہیں جب چاہیں گے لا کھڑا کریں گے

5- اللہ جل جلالہ حسابِ مخلوق ان موازین (میزانوں) کے ذریعے لے گا یعنی داورِ محشر یہی میزان ہوں گے حساب انہی نے لینا ہے اللہ جل جلالہ کہے گا انہوں نے نہیں لیا میں نے لیا ہے

6- جو اولین و آخرین کے اعمال کو سنبھال رکھے ہوئے ہے وہ گویا ہر دور میں موجود بھی تھا - حاضر و ناظر کیا ہوتا ہے کون ہوتا ہے یہ میں نہیں جانتا

اب مزید کچھ نتائج آپ کے سامنے ہیں جن سے آپ میزان تک پہنچ رہے ہوں گے اور ان موازین کو سمجھ رہے ہوں گے مگر ابھی نہیں

موازین کے مزید صفات و خصوصیات کا پیش کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ عز وجل نے

جنہیں اتنا اہم مرتبہ تفویض کیا ہے ان کی پہچان میں صرف اشارے کافی نہیں آیئے ایک اور آیت کی ضیا باری میں میزان کی ضرورت دیکھتے ہیں

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ......(سورہ حدید 25)

یقیناً ہم نے رسولوں کو بینات کے ساتھ ارسال کیا ہے اور ان کی معیت میں کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تا کہ لوگ قائم بالقسط ہوں اور ہم نے ایک لوہا بھی نازل فرمایا ہے کہ اس میں شدید جنگ (خوف) ہے اور اس میں لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں (وجہ نزول کیا ہے؟) وہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ جان لے کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غیبت میں مدد کرتا ہے یقیناً اللہ جل جلالہ زبردست طاقت والا ہے اس آیت میں میزان کی بہت سے خصوصیات کا ذکر ہوا ہے اس سے بھی متعدد نتائج سامنے آتے ہیں

1- جملہ رسولؐ بینات کے ساتھ ارسال کئے جاتے ہیں اور ان کی معیت میں کتاب اور میزان کو نازل کیا جاتا ہے یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول تو موجود ہو مگر کتاب اور میزان ساتھ نہ ہو

2- جس طرح کتاب نازل ہوتی ہے اسی طرح میزان بھی نازل ہوتا ہے نہ کتاب پیدا ہوتی ہے نہ ہی میزان

3- جن مراحل سے گزر کر کتاب نازل ہوتی ہے انہی مراحل سے میزان بھی گزر کر نازل ہوتا ہے اور دونوں ایک ہی مصدر سے صادر ہوتے ہیں

4- اوران کے ساتھ ایک لوہا بھی ہوتا ہے جس میں شدید خوف ہے یعنی لوہا بھی عام لوہا نہیں خوفناک لوہا ہے اس میں بہت سے فائدے بھی ہوتے ہیں

5- لوہے کو اس لئے نازل کیا جاتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد و نصرت کون کرتا ہے

اب غور کریں تو کلامِ مقدس نے میزان کی مکمل تصویر کشی کر دی ہے، مگر مزید وضاحت کے لئے میں بارگاہِ آئمہ اطہارؑ میں عرض کرتا ہوں آقا کلامِ مقدس نے خصوصیاتِ میزان تو بیان فرمادئے ہیں مگر نام نہیں لیا یہ بات آپ واضح فرمائیں تو ارشاد ہوتا ہے

المراد من الميزان فى الكتب الله امير المومنين عليه الصلوات و السلام و اليه قوله تعالى فى سورة الرحمن و السمآء رفعها و وضع الميزان

امام صادق علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں جس میزان کا ذکر ہے اس سے مراد ہمارے جدِ اطہر امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام ہیں اس کی دلیل سورہ الرحمٰن کی یہ آیت ہے کہ اللہ جل جلالہ نے آسمان کو رفعت بخشی اور میزان کو قائم فرمایا اور وہ چاہتا یہ تھا کہ کوئی بھی امیرِ کائنات علیہ الصلوات و السلام سے طغیان و بغاوت کا ارتکاب نہ کرے

تائیدِ مزید کے لئے شہنشاہ معظم امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کی وہ زیارت دیکھیں جو امام صادق علیہ الصلوات و السلام نے 18 ربیع الاول کے دن کیلئے تعلیم فرمائی ہے اس کا ایک فقرہ یہ ہے کہ

السلام عليك يا من عنده علم الكتاب ...... و السلام عليك يا ميزان يوم

الحساب

سلام ہو آپ پر اے کہ وہ پاک ذات کہ جو حاملِ علمِ کتاب ہیں اور ہمارا سلام ہو آپ پر کہ جو میزان روزِ حساب ہیں (مفاتیح الجنان)

امام محمدؐ باقرؑ علیہ الصلوات و السلام نے جو زیارتِ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام تعلیم فرمائی ہے اس کا ایک فقرہ بھی ہے جو ہمارا مقصود ہے فرمایا

السلام علی یعسوب الایمان و المیزان الاعمال و سیف ذی الجلال

ہمارا اہلِ ایمان کے سردار پر سلام ہو اور خلائق کے اعمال کی میزان پر سلام ہو اور اللہ ذوالجلال والاکرام کی تلوار پر ہمارا سلام ہو

یعنی اب احادیث وفرامین نے نام پاک بھی بتا دیا ہے کہ میزان سے مراد شہنشاہ اولیا امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف شہنشاہ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ چہاردہ معصومین صلوات الله علیهم اجمعین سب ہی موازین العمال ہیں اسی لئے فرمایا گیا تھا

انی تارك فی کم الثقلین کتاب الله و عترتی

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے دو ثقل چھوڑے ہیں کتاب اللہ اور عترت یعنی خالق نے دو پیمانے قرار دئے ہیں اللہ جل جلالہ کی کتاب جو اللہ کے اقوال وگفتار کا مجموعہ ہے اور پاک عترت جو ہے وہ اللہ کے افعال وکردار کا مجموعہ ہے اب انہی سے اعمال واقوال کا موازنہ ہوگا نہ کہ کسی دو پلڑے والے میزان پر اعمال کو تولا جائے گا بلکہ دیکھا یہ جائے گا کہ گفتگو قرآن سے کتنی مطابقت رکھتی ہے اور کردار کتنی حد تک عترتِ طاہرہ صلوات اللہ علیہم اجمعین سے مطابقت رکھتا ہے اسی لئے خالق نے

میزان کے لفظ کی جمع کو بھی استعمال فرمایا ہے یعنی میزان ایک ہونے کے باوجود متعدد وجود بھی رکھتا ہے

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسطَ ......الخ ......(سورہ انبیاء 47)

یعنی میزان ایک نہیں بلکہ اس کے وجود متعدد ہیں اسی لئے صفاتِ آئمہ اطہار علیھم الصلوات و السلام کے ضمن میں وارد ہوا ہے کہ

فھی عصمتہ ولایتہ و سلطنتہ و ھدایۃ لانھا تمام الدین و رجح الموازین الامام دلیل للقاصدین

پس یہی اللہ جل جلالہ کے صاحبانِ عصمت وطہارت علیھم الصلوات و السلام ہیں اور یہی اللہ جل جلالہ کے صاحبان ولایت وسلطنت ہیں اور یہی دین کی تکمیل کرنے والے ہیں اور موازینِ اعمال ہیں

جہاں سارے آئمہ ہدیٰ علیھم الصلوات و السلام کو میزان کے اسم سے موسوم کیا گیا ہے وہاں خصوصاً ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو بھی اس اسم سے موسوم کیا گیا ہے اوران کے جو قرآنی اسمائے مبارکہ ہیں ان میں سے ایک یہی اسم میزان عجل اللہ فرجہ الشریف ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے

اللَّهُ الَّذِيْ أَنزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ()يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ أَلَا إِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُونَ فِيْ السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلَالٍ بَعِيْدٍ

(سورہ شوریٰ 18)

اللہ جل جلالہ وہ ہے کہ جس نے کتاب کو حق اور میزان (شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ

الشـريف) کے ساتھ نازل فرمایا ہے شاید تمہیں ادراک ہوجائے کہ ساعت (خروج) قریب ہے اور استعجال (جلد بازی) وہ لوگ کرتے ہیں جو ایمان علی الساعۃ نہیں رکھتے اور ایمان والے تو اس کے مشفق ہیں اور اسے حق جانتے ہیں خبردار جو لوگ ساعت کے بارے میں شک کرتے ہیں وہ بعید ترین گمراہ ہیں (یعنی کتاب و میزان دونوں عین حق ہیں اور دونوں ہی میزانیں ہیں)

اب ایک مرتبہ ان نتائج پر نظر کرلیں کہ میزان کے جو خصوصیات بیان ہوئے ہیں کیا وہ خصوصیاتِ امیرِ کائنات علیہ الصلوات و السلام اور ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اور باقی آئمہ ہدیٰ علیہ الصلوات و السلام میں ثابت بھی ہیں یا نہیں

(1) پہلی خصوصیت

میزان کی پہلی خصوصیت یہ تھی کہ میزان تخلیقِ ارض و سما سے پہلے موجود تھا اور آسمان کو جب بلند فرمایا گیا تو اسے قائم فرمایا دیا گیا

اب ہم شہنشاہ معظم امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کا ایک خطبہ دیکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں

لو شئنا خرقنا السموت و الارض و الجنة و النار و اخرج به السماء و نهبط به الارض نغرب و نشرق و ننتهی وجه الی العرش فنجلس علیه بین یدی الله عز و جل و یطیعنا کل شیء حتی السموت و الارض و الشمس و القمر و النجوم و الجبال و البحار و الشجر و الدواب و الجنة – الخ نہج الاسرار صفحہ 91

فرمایا ہم سب اگر چاہیں تو آسمان کو شگافتہ کردیں زمین دوزخ جنت کو پھاڑ دیں آسمانوں کی طرف بلند ہوجائیں زمین کے اندر داخل ہوجائیں مغرب و مشرق کو

طے کرلیں اورعرش پر منتہی ہو جائیں اور اللہ عز وجل کے سامنے عرش پر بیٹھ جائیں
اور ہر چیز ہماری اطاعت کرتی ہے حتی کہ آسمان زمین سورج چاند ستارے پہاڑ
درخت دریا جانور جنت نار غرض ہر چیز ہماری مطیع ہے

(2) دوسری خصوصیت

میزان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ میزان ذریعہ حساب واعمال ہے اور ذریعہِ
ثواب وعذاب ہے

آیئے مولا امیر علیہ الصلوات و السلام کے خطبے کا ایک اور فقرہ دیکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں

بنا یعذب اللہ عبادہ و بنا یثیب ...... ان الینا ایابھم ثم ان علینا
حسابھم

یعنی ہم ہی ذریعۂ عذابِ الٰہی ہیں کہ جن کے ذریعے وہ اپنی نافرمان مخلوق کو معذب
فرماتا ہے اور ہمارے ہی ذریعے سے مخلوق کو ثواب کا حصول ہوسکتا ہے اور مخلوق نے
ہمارے ہی پاس آنا ہے اور ہم ہی نے حساب لینا ہے

آپ اس میں دیکھیں سارے جمع کے صیغے ہیں یعنی میں ایک نہیں بلکہ سارے
معصومین علیھم الصلوات و السلام اس میں شامل ہیں اور حساب خلق تو ہمارے شہنشاہ زمانہ
عجل اللہ فرجہ الشریف کے ہی سپرد ہے

(3) تیسری خصوصیت

میزان کی تیسری خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ جملہ اعمالِ اولین وآخرین کا احصا
میزان رکھتا ہے اور جملہ اعمال سے کما حقہ آگاہ ہے کہ ذرہ بھر بھی اگر کسی کا عمل ہوگا
تو میزان اللہ اسے ضائع نہ ہونے دے گا

اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ وہ اولین و آخرین کے اعمال کو دیکھنے والا ہے یعنی حاضر و ناظر ہے نمبر دو یہ کہ وہ ان اعمال کو اپنے پاس محفوظ رکھنے والا ہے

آیئے اب فرمان امام علیہ الصلوات و السلام پر نظر کر لیں - مولا امیرِ کائنات علیہ الصلوات و السلام نے صفاتِ امام بیان کرتے ہوئے فرمایا

و السموت و الارض عند الامام منهم كيده من راحته يعرف ظاهرها من باطنها و يعلم برها من فاجرها و رطبها و يابسها ...... الخ

(بحر المعارف صفحه 360)

امام کے نزدیک زمین و آسمان ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہیں وہ ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے نیک و بد کو پہچانتا ہے وہ ہر خشک و تر کا عالم ہوتا ہے (یعنی اگر ان باتوں پر محیط نہیں تو وہ امام ہے ہی نہیں)

(4) چوتھی خصوصیت

چوتھی خصوصیت یہ بیان ہوئی کہ

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ...... (سورہ حدید 25)

یقیناً ہم نے رسولوں کو بینات کے ساتھ ارسال کیا ہے اور ان کی معیت میں کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تا کہ لوگ قائم بالقسط ہوں اور ہم نے ایک لوہا بھی نازل فرمایا ہے کہ اس میں شدید جنگ (خوف) ہے اور اس میں لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں وجہ نزول یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے

رسولوں کی غیبت میں مدد کرتا ہے یقیناً اللہ جل جلالہ زبردست طاقت والا ہے
ابن شہر آشوب کا قول ہے کہ لوہے سے مراد ذوالفقار ہے بلکہ صاحب البرہان نے لکھا ہے کہ لوہے سے مراد ذوالفقار ہے اور تفسیر صافی میں ہے کہ میزان سے مراد شہنشاہ امیرِ کائنات علیہ الصلوات و السلام ہیں
اب میزان کے ساتھ ذوالفقار کا وجود بتا رہا ہے کہ ہر دور میں ہر نبی کے ساتھ صاحب ذوالفقار موجود رہے ہیں اور ان کی موجودگی کی وجہ بھی خالق نے بیان فرمائی کہ

وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ

یعنی غیب رہ کر کون اللہ جل جلالہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یعنی صاحبِ ذوالفقار ہی ہے وہ میزان کہ جو غیبت میں اللہ جل جلالہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے اور اللہ جل جلالہ کو بھی معلوم ہے کہ وہی مدد کرتا ہے اب میں نہیں جانتا کہ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرنے والے سے مدد طلب کرنا جائز ہے یا نہیں یہ فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے لیکن امیر کائنات علیہ الصلوات و السلام فرماتے ہیں

نصرت الانبياء سراً و نصرت محمدؐ اً جهراً و اعلانيه

کہ میں نے انبیاء ماسلف علیہم السلام کی مخفی طور پر نصرت کی ہے اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نصرت ظاہراً اور اعلانیہ فرمائی ہے

() پانچویں خصوصیت

میزان کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر نبیؑ کے ساتھ کتاب کی معیت میں نازل ہوتا ہے

اللَّهُ الَّذِیٓ أَنزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ

(سورہ شوریٰ 17)

اس آیت پر تھوڑی سے بحث کرنا مناسب لگتا ہے

اللہ جل جلالہ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ اللہ جل جلالہ وہ ہے کہ جس نے کتاب اللہ اور شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے یعنی اللہ جل جلالہ نے اپنی خصوصیت یہی بیان فرمائی ہے کہ اس نے دو بمثل چیزیں نازل فرمائی ہیں

یعنی ایک کتاب دوسری میزان اور ان کے نزول کی علت بھی بیان فرمائی ہے کہ شاید تمہیں ادراک ہو جائے کہ ساعت قریب ہے لفظ ساعۃ پر پھر بحث ہو گی سرسری طور پر اتنا بتا دینا مناسب ہے کہ جہاں ساعۃ کے کئی دوسرے معنی بھی ہیں وہاں ایک معنی شہنشاہ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے خروج کو بھی ُساعۃ'' کہا گیا ہے

یعنی اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ اس نے کتاب اور شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو اس لئے دنیا میں نازل فرمایا ہے کہ لوگوں میں یہ ایمان پیدا ہو جائے کہ حساب لینے والے کی آمد یقینی بھی ہے اور قریب بھی ہے

اب تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ میزان اس دنیا پہ نازل ہوتا ہے

نزول کے بارے میں بھی عرض کرتا چلوں کہ ہبوط اور نزول دو ایسے لفظ ہیں کہ جنہیں ایک ہی معنی میں بولا جاتا ہے مگر ان کے مابین بہت فرق ہے کیونکہ ہبوط بلندی سے پستی کی طرف بہ جبر وقہر وغلبہ آنے کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ جناب آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں جبراً بھیجا گیا ان کے اس دنیا میں آنے میں ان کی اپنی مرضی شامل نہ تھی بلکہ مجبوراً آنا پڑا اسی طرح جو مجبوراً بلندی سے پستی کی طرف لایا جاتا ہے

اس کے لئے لفظ ہبوط کا استعمال ہوتا ہے لیکن جو اپنی مرضی اور اختیار سے آئے اس کیلئے نزول کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس لئے نزول کے لفظ میں عمومیت پائی جاتی ہے

ہبوط و نزول میں ایک اور فرق بھی ہوتا ہے کہ ہبوط ہمیشہ بلندی سے پستی کی طرف آنے کیلئے استعمال ہوتا ہے مگر نزول میں یہ بات ضروری نہیں ہے کیونکہ استوائی سفر کیلئے بھی نزول کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ مسافر سفر کے دوران جہاں قیام کرتا ہے اسے منزل کہا جاتا ہے حالانکہ اس کا سفر بلندی سے پستی کی طرف نہیں ہوتا

ہبوط اور نزول میں ایک یہ فرق بھی ہوتا ہے کہ جب ہبوط استوائی سفر کے ساتھ آئے تو ہبوط میں ایک طرح کا استخفاف یعنی Insult کا پہلو بھی ہوتا ہے مگر نزول میں عزت و اعزاز کا پہلو شامل ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے اِهبِطُوا مِصراً اس شہر میں اتر جاؤ

تو میں عرض کر رہا تھا کہ میزان اس دنیا میں نازل ہوتا ہے اور اپنی مرضی سے نازل ہوتا ہے اور اعزازاً نازل ہوتا ہے اور وہ کتاب کی طرح نازل ہوتا ہے اور وہ پیدا نہیں ہوتا اب یہ فیصلہ بھی قارئین نے کرنا ہے کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے میزان کتاب کی معیت میں نازل ہوتا ہے اب یا تو کتاب کی ولادت باسعادت ثابت کریں یا "میزان اللہ عجل الله فرجه الشريف" کا نزول مان لیں

باقی آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام کے بارے ہے کہ وہ میزان الاعمال ہیں ان کی طرح ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ایک تو میزان الاعمال بھی ہیں اور ان کی ایک انفرادیت بھی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا جو اسمِ مبارک ہے وہ میزان الحقؑ بھی ہے یعنی اگر حق کو تولنا ہے تو وہ ان کی ذات ہی کے پیمانے پر تلے گا ان کی ہی ذات

حق و باطل کا پیمانہ ہے کیونکہ حق کی تکمیل انہی کے دور میں ہونا ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے جب تک کوئی جنس میزان سے نہیں گزرتی اس کی درست قیمت کا تعین نہیں ہوتا جب جنس کا وزن ہو جاتا ہے تب اس کی درست قیمت لگائی جاسکتی ہے اور حق ہر زمانے میں موجود رہا ہے اور امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے بارے میں ہے کہ وہ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے مگر حق کو وہ مقام حاصل نہیں ہوا جو ان کے لخت جگر صلوات اللہ علیہ کے دور میں حاصل ہونا ہے کیونکہ جب حق اپنے میزان سے گزرے گا تو اس کی حقیقی قیمت متعین ہو جائے گی اور اس کی درست قدر و قیمت یہ ہے کہ اسی کا وجود باقی رکھا جائے اور اس کے غیر کا وجود صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے اور یہ اس وقت ہوگا کہ جب ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی حکومت کا اعلان ہوگا تو پہلا اعلان ہی یہی ہوگا کہ

جَاء الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقا......(سورہ بنی اسرائیل 81)

یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا ہے کیونکہ باطل تو تھا ہی مٹا ہوا اسی لئے ہمیں شب و روز یہ دعا کرنا چاہیے کہ حق کی حکومت کا قیام جلدی ہو اس دنیا پر ظلم کی تاریک رات چھائی ہوئی ہے اس ظلمت کدے میں شمعِ حریمِ لم یزل روشن ہو اور باطل اپنی تاریکیوں سمیت نیست و نابود ہو جائے

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا او من وراىءَ حجابٍ او يرسل رسولاً فيوحى باذنهٖ مايشاء ()

اے فلک نوردانِ عرفانیات

آپ کے سامنے ایک سلسلۂ گفتگو جاری ہے یعنی میں اپنے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کی ذاتِ ایزد صفات کے اسمائے مبارکہ پہ مالک کے عطا فرمودہ شعور کے مطابق گفتگو کر رہا ہوں، بات یہ ہے کہ جب بچے بولنے کی عمر میں داخل ہوتے ہیں تو باپ اسے کہتا ہے ''بابا'' ''بابا'' تو وہ بچہ اسی سے سیکھ کر اسے کہتا ہے ''بابا'' تو بچے کے منہ سے بابا سن کر باپ کو خوشی ہوتی ہے

اسی طرح ہمیں ہمارے مالک پاکؑ نے خود ہی سب کچھ سکھایا شعور عطا فرمایا بولنا

سکھایا اور حکم دیا کہ بولو اور خود ہمیں ہمارے فضائل سناؤ یہ بھی کتنا عجیب ہے مگر ہے یہ حقیقت کوئی اپنی طرف سے مالک پاکؑ کے بارے میں کیسے بول سکتا ہے؟

دوستو میں عرض کرر ہا تھا کہ اسمائے مبارکہ پہ ایک سلسلہ کلام شروع ہے اور آج کا عنوانیہ اسمِ مبارک ہے

''حجاب اللہ عجل اللہ فرجہ الشریف''

اس میں ایک لفظ ہے ''حجاب'' ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

الحُجُبِ وَ الحِجَابُ اَلمَنعُ مِنَ الوُصُول

یعنی حجاب اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز سے واصل ہونے میں مانع ورکاوٹ بنے حجاب کے معنی پردہ بھی ہیں کیونکہ پردہ بھی دو افراد کے مابین دیکھنے کیلئے رکاوٹ ہوتا ہے اسی طرح ہر اس چیز کو حجاب کہا جاتا ہے جو واصل ہونے میں مانع ہو چاہے وہ لوہے کا پردہ ہو یا اینٹوں کی دیوار کا پردہ ہو یا کپڑے یا لکڑی کا پردہ ہو جو چیز بھی پردہ بنائے یا بنے وہ حجاب ہوتا ہے

دوسرا لفظ تھا ''اللہ'' اس کے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے

دوستو حجاب کی دو صورتیں ہوتی ہیں

() حجاب علی الناظر

() حجاب علی المنظور

حجاب سے متعلق دو فرد ہوتے ہیں ایک ناظر یعنی دیکھنے والا اور ایک منظور جسے دیکھا جانا ہو' اس بات کو میں ایک مثال سے عرض کردوں تا کہ آپ سمجھ سکیں

یہاں سامنے سے ایک مستور نے گزرنا ہو اور اس کے پاس پردہ کرنے کیلئے کوئی چیز

نہیں ہے اور راستے میں ایک مرد کھڑا ہے اور ہے بھی نا محرم ہے اب اس مستور کیلئے
دو ہی صورتیں ہیں

پہلی صورت یہ ہے کہ یہ کوئی بڑی سے چادر لے اس کا برقعہ بنائے اور خود کو اس چادر
میں چھپا لے اور وہاں سے گزر جائے اس صورت کو حجاب علی المنظور کہا جاتا ہے
کیونکہ عورت منظور تھی جسے مرد نے دیکھنا تھا اور پردہ عورت کے اوپر ڈالا گیا ہے

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی آئے اور ایک بڑی سی چادر لے کر اس راستے پہ
کھڑے ہوئے مرد پر ڈال دے تاکہ وہ اس عورت کو نہ دیکھ سکے' اس صورت کو
حجاب علی الناظر کہا جاتا ہے بس دوسری صورت یہی ہے کہ مرد کے سامنے پردہ لگایا
جائے یا اس کی آنکھوں پہ پٹی باندھ دی جائے

یہ تو آپ سمجھ چکے ہیں کہ حجاب علی الناظر ومنظور کیا کیا ہیں اب ہم اگلی منزل کی طرف
جاتے ہیں کہ اس دنیا میں جو کچھ موجود ہے چاہے وہ ظاہری ومشہودی ہے یا معیاری
واعتباری ہے یا حقیقی وغیر حقیقی ہے یا وہ مرئی وغیر مرئی ہے یا خلقی وامری ہے معیاری
ہے اعتباری ہے غرض جتنے بھی موجود ہیں انہیں صرف دو بڑی قسموں میں بانٹا جا سکتا
ہے یعنی وہ موجود صرف دو ہیں

(1) وجودِ خالق ہے

(2) وجودِ غیر خالق ہے

یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ میں نے وجود خالق ومخلوق کیوں نہیں کہا اور وجود خالق و
غیر خالق کیوں کہا ہے کیا کوئی چیز اس دنیا میں ایسی بھی موجود ہے کہ جسے خالق کی
مخلوق نہیں کہا جا سکتا ؟ اس پہ پھر کبھی بات ہوگی

تو میں عرض کرر ہا تھا کہ دو ہی موجود ہیں ایک خالق اور دوسرا جو خالق کے علاوہ ہے ان موجودوں میں سے اللہ موجودِ منظور ہے اور غیر اللہ موجود ناظر ہے یعنی مخلوق ناظر ہے اور خلاقِ ازل منظور ہے

مخلوق ذاتِ واجب الوجود کو دیکھنے کی شدید خواہش مند ہے یہاں تک کہ ہر نبی کے سامنے یہی ایک ہی سوال دہرایا گیا کہ قد نری الله جهراً ہمیں اللہ ظاہر بظاہر دکھا دو یعنی مخلوق اپنے خالق کو دیکھنا چاہتی ہے اسے دیکھنے کا بے پناہ اشتیاق رکھتی ہے مگر یہاں کئی پردے ہیں جو مخلوق کو خالق کی زیارت سے محروم رکھے ہوئے ہیں جو انوار الٰہی کے مشاہدے میں مانع ہیں

وہ پردے جو انوار الٰہی کے مشاہدے میں مانع ہیں ان کی دو صورتیں ہیں جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں یعنی کچھ حجابات علی الناظر ہیں کچھ حجابات علی المنظور ہیں یہاں کئی پردے ایسے ہیں جو خود مخلوق پر پڑے ہوئے ہیں اور کچھ پردے ایسے ہیں کہ جو خالق پر پڑے ہوئے ہیں یعنی ان پردوں میں سے کچھ پردے حجاب علی الناظر کی طرح ہیں اور کچھ پردے حجاب علی المنظور کی صورت میں ہیں

یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ مخلوق و خالق کے مابین جو حجابات ہیں ان حجابات کی دو قسمیں ہیں

(1) حجاباتِ مذمومہ (جو قابل مذمت اور برے حجاب ہیں)

(2) حجابات محمودہ (جو قابل عزت و لائقِ مدح حجابات ہیں)

ان میں سے جو حجابات مذمومہ ہیں ان حجابات کی پھر دو قسمیں ہیں

(ا) حجابات ظلمانی

(ب) حجابات نورانی

یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ حجابات مذمومہ کی حالت ہمیشہ حجاب علی الناظر کی ہوتی ہے معشوق ازل تو موجود ہوتا ہے بے حجاب ہوتا ہے مگر دیکھنے والے کی آنکھوں پہ پٹی بندھ جاتی ہے اوران بندھنے والی پٹیوں کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار ہوتی ہے ان میں سے 70 ستر ہزار حجابات ظلمانی ہوتے ہیں اور 70 ستر ہزار حجابات نورانی ہوتے ہیں

حجابات کیا ہیں؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حجابات کیا ہیں؟ ان کا مفہوم یہاں کیا ہے؟

اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو دیدار الٰہی اور رضائے الٰہی میں رکاوٹ بنے وہ ایک پردہ ہے

حقیقت یہ ہے کہ رضوان وذات اللہ جل جلالہ اپنے شدتِ ظہور کی وجہ سے غائب ہے ورنہ ظاہر ہے حقیقتاً انسان ہی محجوب ہوتا ہے

حجابات ظلمانی

دوستو یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ ہر وہ چیز جو انوارالٰہیہ کے مشاہدے میں رکاوٹ بنے وہ حجاب ہے اور حجاب کی دو قسمیں ہیں حجاباتِ ظلمانی اور حجاباتِ نورانی

اب یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ حجاباتِ ظلمانی کی پھر دو قسمیں ہیں

(ا) حجاباتِ غلیظ ودبیز

(اا) حجاباتِ لطیف ومہین

(ا) غلیظ و دبیز پردے وہ ہوتے ہیں جو شرعاً معصیت و گناہ شمار ہوتے ہیں اس میں گناہان صغیرہ وکبیرہ دونوں آجاتے ہیں اور یہ موٹی تہہ والے پردے شمار ہوتے ہیں اس میں جھوٹ فراڈ فریب چوری ڈاکہ زنا چغلی غیبت تہمت شراب جوا دل آزاری وغیرہ یہ سب جب انسان میں ایک عادت کی طرح داخل ہوجاتے ہیں تو پھر حجاب بن جاتے ہیں جو آدمی توبہ کی قینچی سے ان پردوں کو کاٹتا جاتا ہے وہ ان سے آزاد ہوتا جاتا ہے

یا یوں سمجھیں کہ حجابات ظلمانی ان عادتوں یا برائیوں کو کہتے ہیں جو ذات اللہ جل جلالہ کے رضوان تک جانے نہ دیں یا رضوان اللہ اکبر کو انسان پر ظاہر نہ ہونے دیں یا ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جو انسان کو اپنی طرف کھینچ کر مالک تک جانے سے روک لیں اور ترقی کا راستہ ہی جن میں چھپ جائے

(اا) حجاباتِ لطیف میں ایسی چیزیں آجاتی ہیں کہ جو شرعاً گناہ نہیں ہوتیں بلکہ مباح چیزیں ہوتی ہیں انہیں نہ شریعت گناہ کہتی ہے نہ عالمی اخلاقیات انہیں گناہ کا نام دیتی ہے مگر وہ حجاب ہوجاتی ہیں ان میں سے اکثر وہ چیزیں ہیں جو شریعت کی رو سے مباح ہی نہیں بلکہ عبادت کا درجہ بھی رکھتی ہیں مگر وہ بھی حجاب بن جاتی ہیں یعنی وہ اس طرح عادت وفطرت میں داخل ہوجاتی ہیں کہ انسان پر حجاب بن جاتی ہیں مثلاً جانور پالنا بھی ایک حجاب بن سکتا ہے جیسے گھوڑا پال لینا گناہ نہیں مگر اس کی فکر جب انسان پر مسلط ہوجاتی ہے تو انسان اس سے غافل نہیں ہوتا اور جب اس سے غافل نہیں ہوتا تو مالک سے غافل ہوجاتا ہے اور یہ غفلت ایک حجاب بن گئی' اسی طرح علوم وفنون کا حصول ہے یا حصولِ معاش جو ایک طرح کی عبادت ہے یعنی کسب حلال

عبادت ہے بیوی بچوں کی دیکھ بھال عبادت ہے رشتہ داروں کی محبت صلہ رحمی ہے عبادت ہے ہاں جب ان کی خدمت کرنا دماغ پر مسلط ہو جائے تو پردہ بن جاتی ہے اور انسان انہی کا ہو کر رہ جاتا ہے تو مالک حقیقی کا نہیں رہتا بس یہ بھی ایک حجاب ہے اور ستر ہزار جو حجابات ظلمانی ہیں ان میں سے 85% اسی قسم کے حجابات لطیف ہیں

﴿حجابِ احتجاب﴾

احتجاب کے معنی ہیں کہ جب دو روشن اجسام مقابل ہوں تو ان میں زیادہ روشن جسم کی روشنی میں دوسرے کا چھپ جانا یا تحت الشعاع یا زیر شعاع آ جانا احتجاب کہلاتا ہے یا ایک کا دوسرے میں غائب ہو جانا احتجاب ہوتا ہے جیسے چاند جب سورج کے انتہائی قریبی ڈگریز سے گزرتا ہے تو ہمیں نظر نہیں آتا وہ سورج کی شعاع کے پردے میں محجوب ہو جاتا ہے اسی طرح افعال کے میدان میں احتجاب کا عمل ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں اور ان کے آگے ان کی دو دو قسمیں ہوتی ہیں جیسا کہ

میدان افعال

(۱) خیری | (۱۱) شری

خیری مستحسن ...... خیری مذموم، شری مستحسن ...... شری مذموم

خیری احتجاب یہ ہوتا ہے کہ جہاں اللہ جل جلالہ انسان کا حجاب بن جاتا ہے اور شری وہ ہے کہ جہاں انسان اللہ جل جلالہ کا حجاب بن جاتا ہے یعنی خیر میں اللہ جل جلالہ کا نور

انسان کی ظلمت پر چھا جاتا ہے اور برائی اور شر میں انسان کی ظلمت کا پہلو نورالٰہی کے سامنے حجاب بن جاتا ہے اور اسی طرح ایک مذموم پہلو بھی ہے وہ یہ کہ انسان اچھائی میں خود کو سامنے کر دیتا ہے اور برائی اور شر میں اللہ جل جلالہ کو اپنا حجاب بناتا ہے یعنی ایک میں اللہ جل جلالہ محجوب ہو جاتا ہے اور دوسرے میں بندہ محجوب ہو جاتا ہے

مالک حقیقی اور مخلوق کے مابین جو حجابات ہیں ان کی کئی اقسام ہیں میں یہاں ان سب کا تو شاید ذکر ہی نہ کر سکوں ہاں کچھ حجابات کا میں یہاں اجمالی ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں ان میں کچھ حجابات افعالی ہوتے ہیں یعنی مالک حقیقی کے اپنے افعال ہی مخلوق کے سامنے مخلوق ہی کو پردہ بنا دیتے ہیں جیسا کہ ایک آدمی کیلئے حقیقی ممیت مالکِ حقیقی ہی ہوتا ہے مگر جب کسی انسان کو کوئی بیل مارتا ہے اور وہ مر جاتا ہے تو وہ خالق حقیقی بیل کے فعل کے پردے میں مخفی ہو جاتا ہے اور لوگ بیل کو کوس رہے ہوتے ہیں اسی لئے عرفا کہتے ہیں کہ عارف وہ ہے جو نقائص میں اللہ جل جلالہ کا پردہ بن جائے اور محاسن میں اللہ جل جلالہ کو اپنا پردہ بنا لے یعنی جب اس سے نیکی سرزد ہوتی ہے تو یہ مالک حقیقی کی توفیق سے ہی ہوتی ہے اس لئے اس نیکی کو اپنا فعل یا اپنا کارنامہ نہ بتائے بلکہ اس میں اپنے مالک کو اپنا پردہ بنا لے کہ سب اسے بھول جائیں اور اس کے مالک کو یاد کریں کہ یہ سب کچھ اسی کے کرم سے ہوا ہے اور جب انسان سے غلطی سرزد ہوتی ہے تو یہ بھی مالک کی توفیق سلب ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور ایک طرح سے یہ فعل بھی اسی کا ہوتا ہے کیونکہ اس نے ہمیں حال پہ چھوڑا اس لئے ہم گناہ کر بیٹھے سو اس وقت انسان کو مالک کا پردہ بننا پڑتا ہے یعنی وہ اس طرح کہ

ساری دنیا اس کے مالک کو بھول جائے اور اسے اس فعل کا فاعل مانے

واقعہ جناب موسیٰ و خضر علیہما السلام میں ہے جہاں جہاں جناب خضر علیہ السلام نے بظاہر کوئی معیوب کام کیا ہے تو اس میں اپنی ذات کا پردہ بنایا ہے جیسا کہ کشتی کو عیب لگایا تو فرمایا فارت ان اعیبھا فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار بنا دوں یہاں انہوں نے عیب کو اپنی طرف نسبت دی ہے اور جب مساکین کی دیوار کی تعمیر کے مستحسن کام کا ذکر کیا تو فرمایا فاراد ربك یعنی تمہارے رب نے ارادہ کیا ہے کہ وہ دونوں جوان ہو جائیں تو اپنا خزانہ خود نکالیں یہاں اچھائی کو رب کی طرف نسبت دیدی، یعنی عیب میں خود کو اللہ جل جلالہ کا حجاب بنایا اور خیر میں اللہ جل جلالہ کو اپنا حجاب بنایا

(یہ عرفانیات کا ایک وسیع موضوع ہے اس لئے اسے ترک کر کے آگے جانا چاہتا ہوں)

عملِ احتجاب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ چیزوں کا پردہ بننے کا عمل کیسے ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک شخص حبِ دنیا کی جو چھ اقسام ہیں ان میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو گیا تو یہ پردہ بن کر اس پر پڑ جاتی ہے مثلاً

حب ریاست سر پر سوار ہو گئی تو انسان اپنے استحقاق سے زیادہ مقام طلب کرنا شروع کر دیتا ہے اور قابل احترام (درجاتی لحاظ سے) لوگوں کو ان کا حق نہیں دے پاتا کیونکہ شرعاً اکرام کا جو پیمانہ قرار دیا گیا ہے وہ تقویٰ ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے

ان اکرمکم عند الله اتقاکم

جب انسان کی آنکھوں پر حب ریاست کا پردہ پڑ جاتا ہے اہل تقویٰ پر بھی خود کو مسلط کرنا شروع کر دیتا ہے اور رضوان اللہ سے محروم ہو جاتا ہے

حب دنیا کی ایک قسم ہے حب النسا' انسان جب حبِ النسا میں مبتلا ہو گیا تو یہ بھی پردہ بن جاتی ہے جیسا کہ فرمان ہے کہ متاہل کیلئے اس کی بیوی آفت ہوتی ہے یعنی وہ اسے معاشی معاملات میں اتنا پریشانی کرتی ہے کہ اسے خالق کا خیال تک نہیں آنے دیتی اپنی ذات میں الجھا لیتی ہے (الا من رحم ربی) اور مجرد کیلئے یہ آفت ہے کہ اگر وہ حبِ النسا میں مبتلا ہو گیا تو جو وقت اسے مالک کے ذکر و یاد میں گزارنا لازم تھا وہ غیر اللہ کی یاد میں گزرنا شروع ہو جاتا ہے یعنی شادی کے بعد خود عورت ایک پردہ بن جاتی ہے اور مجرد کیلئے عورتوں کے خیالات حجاب بن جاتے ہیں اور آدمی یہی کہہ کر رہ جاتا ہے ع

تیری یاد نے وہ غضب کیا کہ ستایا آ کے نماز میں

میرے وہ بھی سجدے قضا ہوئے جو ادا ہوئے تھے نماز میں

اس کی ایک مثال مقدسان نجف کا واقعہ ہے یہ آپ کا بار بار کا سنا ہوا ہے اس لئے اس کا یہاں اعادہ نہیں کرتا لیکن یہ تو آپ جانتے ہیں شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف نے جب اس مقدس نجف کا بلا بھیجا تو وہ بیوی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اسے چھوڑنے کو جی نہیں کیا تو عرض کروا دیا کہ آپ تشریف لے جائیں میں آپ سے ملحق ہو جاؤں گا یعنی اس کے سامنے اس کی بیوی ہی ایسا حجاب بنی کہ اسے رضوان الٰہی تک نہ جانے دیا

یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اس میں صرف بیوی ہی حجاب نہیں ہوتی بلکہ عورت کیلئے

شوہر بھی حجاب بن سکتا ہے اور مرد کیلئے بیوی حجاب بن جاتی ہے یعنی عورت یا مرد جو بھی اپنی جنس مخالف کی محبت میں پھنس جاتا ہے وہ اس کے لئے حجاب ہوتا ہے اور رضوان الٰہی کیلئے اس سے نکلنا واجب ہوتا ہے ہاں جس کی آنکھوں سے یہ پردے اتر جاتے ہیں تو وہ آگے بڑھ جاتے ہیں جیسے جناب زلیخا سلام اللہ علیہا کا واقعہ ہے کہ جب آخری ایام میں جناب یوسف علیہ السلام نے ان کے سامنے سے حجابات ظلمانی کو ہٹا دیا اور انہیں نور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ایک جھلک دکھائی تو پھر جناب زلیخا سلام اللہ علیہا نے جناب یوسف علیہ السلام سے منہ موڑ لیا اور وہ خود ان سے بھی بے نیاز ہوگئی کیونکہ اس کے لئے پہلے جناب یوسف علیہ السلام ہی ایک پردہ تھے اور وہ اسی پردے ہی کو سب کچھ سمجھ رہی تھیں جب وہ پردہ اتر گیا تو انہوں نے نورِ حق کو پالیا جب نورِ حق کو پالیا تو پھر جناب یوسف علیہ السلام سے بے نیاز ہوگئی جب یہ بے نیازی آئی تو اس نے اپنی منزل کو پالیا بس پھر وہاں ان کیلئے جناب یوسف علیہ السلام ہی منزل بن گئے کیونکہ نورِ حق کے مشاہدے کے بعد ان میں نفسانیت فنا ہوگئی اور باقی نورِ عرفان ہی بچ گیا سو اس کے لئے کوئی پردہ ہوتا ہی نہیں

﴿حجاباتِ نورانی﴾

حجابات نورانی لاتعداد ہیں انہیں سمجھانے کیلئے چند ایک کا ذکر تا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرح کا عمل ہوتا ہے اس کے بارے میں پہلے یہ کلیہ بتا دوں کہ ہر وہ اچھائی جسے شرع اور لوگ نیکی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور وہ انسان کو اپنی ذات میں غرق کر دے اور مالک سے روک لے وہ نورانی حجاب ہے جیسا کہ عبادت بھی حجاب بن جاتی ہے ہوتا یہ ہے کہ عبادتِ ظاہر عبادت باطن کیلئے

حجاب بن جاتی ہے یعنی انسان اپنی عبادت میں عبادت باطنی یعنی ولایت کو بھول جاتا ہے تو یہ اس کے لئے حجاب بن جاتی ہے اور آخر کار جہنم جا پہنچاتی ہے اگر یقین نہ آئے تو ابلیس کا مشاہدہ کریں کہ اسے کس چیز نے ہلاک کیا ہے؟ کیا وہ یہی عبادت نہیں تھی کہ جس نے خلیفتہ اللہ کے سجدے سے روک دیا

اور خود اس کے سامنے ایسا حجاب بنی کہ اسے حقیقت کا مشاہدہ کرنے ہی نہ دیا اور ابدی ہلاکت میں ڈال دیا

اسی طرح قرآن بھی پردہ بن جاتا ہے قرآن کا ظاہر اس کے باطن کے سامنے حجاب بن جاتا ہے الفاظ مفہوم کے درمیان حجاب بن جاتے ہیں صامت خود ناطق کے سامنے حجاب بن جاتا ہے جیسا کہ میدان صفین میں خوارج کے سامنے صامت ایسا حجاب بنا کہ وہ قرآن ناطق کو سمجھ ہی نہ پائے اسی لئے تو قرآن کریم نے بتا دیا ہے کہ مجھ سے ہدایت کی ہر شخص توقع نہ رکھے میں متقین کیلئے ہدایت بخش ہوں اور یہ بھی نہ بھولنا کہ ناطق کے بغیر مجھ پر انحصار نہیں کیا جا سکتا بلکہ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا اسی طرح سے خود سوچتے جائیں

یہاں تک کا جو سفر تھا اس میں تو ان حجابات کا ذکر ہوا ہے جو تمام لوگوں کو در پیش آتے ہیں اب یہاں سے ہم اس منزل کی طرف جا رہے کہ جو صرف ان صاحبان طلب و اشتیاق کا راستہ ہے جو منزل حق کے مسافر ہیں جو جلوۂ انوار محبوب کے پیاسے ہوتے ہیں اور تزکیات کے مراحل میں مصروفِ سفر ہوتے ہیں انہیں جن حجابات سے سابقہ پڑتا ہے انہیں تعبیری حجابات کہا جاتا ہے اور ان کا تعلق عام لوگوں سے نہیں ہوتا بلکہ صرف تزکیات کرنے والوں کو ان سے گزرنا پڑتا ہے

﴿تعبیری حجابات﴾

دوستو جو لوگ تزکیاتِ نفس کے مراحل سے گزرتے ہیں وہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ جب انسان تزکیات کے ذریعے بلندی کی طرف سفر کرتا ہے تو اس کے اندر چھپی ہوئی سیاہیاں اس کے سامنے حجاب بنتی ہیں وہ سیاہیاں اس کے لاشعور کی تہہ میں بیٹھی ہوئی دنیاوی خواہشیں ہوتی ہیں جب انسان لاشعور کو بیدار کرتا ہے تو تہہ میں بیٹھی ہوئی خواہشیں ابھر آتی ہیں

آپ نے شاید کبھی دیکھا ہوگا کہ جب کسی کیچڑ سے بھرے ہوئے گڑھے کے پانی کو ایک مدت تک ہلایا نہ جائے تو وہ پانی ٹھہرنے کی وجہ سے شفاف ہو جاتا ہے اور اس کی ساری غلاظت تہہ میں بیٹھ جاتی ہے اور جب کوئی شخص اس میں قدم رکھتا ہے تو سارا کیچڑ پانی پر غالب آ جاتا ہے اس کی تہہ میں بیٹھی ہوئی غلاظتیں پورے پانی کو گندا کر دیتی ہیں اور وہ کیچڑ حجاب بن جاتا ہے' پھر وہی کیچڑ ہی پانی نظر آتا ہے ایک ناواقفِ اسرار اسی کیچڑ کو پانی سمجھ لیتا ہے اور دھوکہ کھا جاتا ہے اور اسی کیچڑ کو پانی سمجھ کر پی لیتا ہے مگر ایک واقفِ اسرار حقیقت بین شخص کو وہ کیچڑ ہی نظر آتا ہے وہ اسے پانی سمجھ کر نہیں پی لیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ آزمائش ہے جیسا کہ جناب طالوت کے لشکر کو آزمایا گیا

اِنَّ اللّٰهَ مُبتَلِیکُم بِنَهرٍ یعنی اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمائے گا

اسی طرح انسان جب تزکیات نفس سے لاشعورِ سری میں قدم رکھتا ہے تو من کی کدورتوں میں اسے عکسِ محبوب نظر آتا ہے اور اس کے بغیر وہ اپنی ذات کو ادھورا محسوس کرتا ہے وہ خود کو نامکمل شخصیت سمجھتا ہے اور اس کے حصول کو اپنی تکمیل تصور

کرتا ہے اس طرح وہ اس کیچڑ کو پانی سمجھتا ہے اور اسی کو پینا شروع کر دیتا ہے اور
اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے اٹھتے بیٹھتے اسی کی یاد میں گم رہتا ہے عرض کرنے کا مقصد یہ
ہے کہ حجاباتِ ظلمانی میں حبِ نسا و زنا سے لے کر چھوٹی چھوٹی عادتوں اور خواہشوں
تک میں حجاب بننے کی بھرپور صلاحیت موجود ہوتی ہے ہاں جو انہیں اتار پھینکتا ہے وہ
بڑھتا جاتا ہے اور جوان پردوں کی رقصاں تصویروں کو حقیقی سمجھتا ہے وہ انہی کو دیکھنے
میں محو ہو جاتا ہے وہ منزل کی طرف نہیں بڑھ سکتا اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں صوفی
ولی نے فلاں لڑکے میں یا فلاں عورت میں یا فلاں درخت میں یا فلاں پہاڑ میں الٰہی
جلوہ دیکھا اور وہیں کا ہو گیا اور کئی سال تک اس حجاب میں اٹکا رہا

مشاہدہ فی الغیر

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشاہدہ حق یا جلوۂ حبیب کا کسی غیر میں اظہار کس
طرح ہوتا ہے؟

اس کے جواب کیلئے آپ کو ایک جدید مثال سے سمجھانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ کسی فلم
پروجیکٹر Projector کو رات کے وقت باہر میدان میں چلائیں اور اس کا رخ
آسمان کی طرف کرلیں آپ لاکھ کوشش کریں آپ کو کوئی تصویر نظر نہیں آئے گی اس
کے بعد آپ اس پروجیکٹر Projector کا رخ سامنے والی سفید دیوار کی طرف
کردیں پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کو ایک تصور دیوار پر نظر آئے گی اس کی وجہ یہ
ہے کہ جب پروجیکٹر Projector کا رخ فضا کی طرف ہوتا ہے تو اس کی شعاعی
تصویر ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ سے زیادہ تیزی کے ساتھ فضا میں سفر کرتی
جائے گی اگر اس کی روشنی کے سامنے کوئی پردہ کھڑا کر دیں تو وہ اسی پردے پر نظر آنا

شروع ہو جائے گی بعینہ نورِ ازل جب انسان کے قلب سری پر اپنی تجلی پھینکتا ہے تو وہ قلب کی گہرائیوں میں اپنے مقام عرش پر مستوی ہونا چاہتی ہے کہ اچانک انسان کی کسی خواہش کا پردہ اس کے سامنے آ جاتا ہے تو وہ تجلی اس پر خدوخال کا مظاہرہ کرتی ہے جس سے اسے اس شخصیت یا چیز میں معشوق ازل کا جلوہ نظر آتا ہے اس لئے عرفاء کہتے ہیں کہ

عشاق پر تجلی مجرد نہ ہو تو حصول ناقص ہے

جو غیر مسلم ہیں مثلاً ہندو بدھ عیسائی وغیرہ تو وہ بھی جب تزکیات سے گزرتے ہیں تو انہیں بھگوان بدھا کرائسٹ میں اللہ جل جلالہ کا جلوہ نظر آتا ہے ان کے حجابات اولیہ اٹھا دئے جاتے ہیں اور وہ بھی دیدار الٰہی کرتے ہیں مگر وہ ایک پردے پر دیکھتے ہیں اور اسی میں حلول وسرایت کا یقین کر کے منزل مقصود سے محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ ان کے لاشعور میں بت ہوتے ہیں بھگوان کے روپ ہوتے ہیں پرشا کیہ منی مہاتما بدھ یا کرائسٹ ہوتا ہے اور وہی پردہ بن جاتا ہے اسی لئے آج بھی ان مذاہب کے لوگ بہ بانگ دہل کہتے ہیں کہ اگر آپ کو یہاں ہم مکاشفات نہ کروادیں تو جو چور کی سزا وہ ہماری سزا اور اس دور میں جو مہارشی جی نے مہاشی ٹی وی چینل کھول رکھا ہے وہ تو پہلی بات ہی یہی کرتے ہیں کہ (بھوتل پر سورک کا اوتارن) یعنی (اس زمین پر جنت کا نزول) اور وہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے من میں دیوی دیوتاؤں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور وہ کروا رہے ہیں بات صرف مظہر کی ہے کہ کیا وہ تجلی مجرد بھی ہے یا نہیں اگر نہیں تو وہ کسی کدورت پر متجلی ہو گی جو درست نہیں ہے بلکہ ناقص بھی ہے اور گمراہ کن بھی ہے

اسی طرح صوفیا کرام کی ایک جماعت تصور اسم اللہ جل جلالہ کرتی ہے یا لا الہ الا اللہ کا ورد و وظیفہ کرتی ہے الـلـہ ھو کا ذکر کرتی ہے اگر وہ اسم یا ورد اپنی طرف مکمل جذب کر لے اور آگے جانے میں مانع ہو جائے تو یہ بھی ایک پردہ بن جاتا ہے کیونکہ منزل مقصود اسما و صفات سے ماورئ ہے اور یہ اس کے سامنے حجاب نورانی بن جاتا ہے

یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ ایک مبتدی کیلئے پہلا سبق یہی ہے مگر کسی طالب علم کا پہلی کے قاعدے پر اٹک جانا اس کی اعلیٰ تعلیم میں مانع ہو جاتا ہے

ایک صاحب ریاضت کا قول ہے کہ دنیا میں جتنے بھی بت پوجے جاتے ہیں ان میں سب سے بڑا بت اسم اللہ ہے مگر کیا کریں ہمارا اس کے بغیر گزارا بھی نہیں ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ اسم اللہ ملفوظی حالت میں اور مکتوبی حالت میں عین ذات تو نہیں ہے غیر از ذات ہے عین اللہ تو نہیں ہے بلکہ غیر اللہ ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں اور ہمارے لئے یہ مجبوری ہے کہ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور ذریعہ بھی تو نہیں ہے' اس مفہوم کو ایک اور طرح سے کسی ایرانی صوفی شاعر نے منظوم کیا ہے یہ شعر آغا خمینی یا شہید مصطفیٰ خمینیؒ نے لکھا ہے ع

اگر مومن بدانند ایں کہ بت چیست
یقیں دانند کہ دیں در بت پرستیست

یہ سلسلۂ دیدار جب کسی عارف کے درپیش آتا ہے تو وہ راستے میں نہیں اٹکتا بس بقدر ضرورت وہاں رکتا ہے اقتباس کرتا ہے آگے چلا جاتا ہے جیسا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ وہ مدائن سے چلتے ہیں راستے میں کوہ حورب کے سلسلے کی ایک

پہاڑی جسے طور کہتے ہیں اس پر روشنی دیکھتے ہیں سمجھ جاتے ہیں کہ یہاں جلوہ الٰہی متجلی ہو رہا ہے اس لئے وہاں جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اہل خانہ روکتے ہیں تو انہیں فرماتے ہیں

فقال لاهله امكثوا انی ا ٰنست ناراً لعلی آتيكم منها بقبسٍ او اجد علی النار هدیً ()

انہوں نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا آپ ٹھہریں شاید میں آپ کیلئے اس آگ میں سے کچھ اقتباس کرسکوں یا میں آگ پر کوئی ہدایت حاصل کروں

یعنی وہ جانے سے پہلے جانتے تھے یہاں اہتمام ہدایت بھی ہے' بس وہاں پہنچے

فاخلع نعليك انك بالوادی المقدس طویٰ

کا حکم ہوا کہ دونوں جوتیاں اتار دیں یعنی انسان کے پیروں میں دنیا یا عقبیٰ کی بیڑیاں ہوتی ہیں بس یہ بیڑیاں نہیں جوتیاں ہیں انہیں اتنا اہم نہ سمجھیں اتار دیں کیونکہ یہ بارگاہِ قدس کی حاضری کا مقام ہے جناب موسیٰ علیہ السلام نے جھاڑی میں جلوہ دیکھا سجدہ کیا احکام لئے مگر وہاں پھنسے نہیں چند ساعات وہاں رہے جب جلوہ جھاڑی میں تھا تو انہوں نے اسے وصول کر لیا من میں اقتباس کیا پھر جھاڑی کا اور پہاڑ کا پردہ ہٹ گیا جلوہ ان کی ذات پہ نازل ہوگیا تو وہ پھر وہاں ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرے اور مدائن سے مصر کی طرف سفر جاری رکھا پھر وہ جلوہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہا جب چاہتے خیمۂ زیارت میں چلے جاتے یا بادل میں یا جس پہاڑ میں چاہتے ہر جگہ اس جلوے کو پھینک کر مخلوق کو اس کی تصویر دکھا دیتے تھے

آپ اس پہ غور کریں عصائے موسیٰ علیہ السلام کیا تھا آس کا ایک ڈنڈا تھا مگر من کا

جلوہ جب اس پر اترتا تھا تو وہی عصا دنیا کے سارے ہونے ان ہونے کام کرتا تھا
منزلِ عرفان کے مسافر کیلیئے اس بات سے باخبر رہنا ضروری ہوتا ہے کہ اسے حجابات نورانی سے سابقہ پڑے گا تزکیاتِ نفس سے ملنے والا ہر ریٹرن Return ایک حجاب ہے بشرطیکہ وہ اپنی ذات میں مشغول کر دے عبادت وتقویٰ نیکی اچھائیوں کا گھمنڈ یا اعمال پہ بھروسہ مکاشفات والہام ومناجات کی وجہ سے من میں عجب و افتخار کا پیدا ہونا یا ماضی حال ومستقبل میں جھانکنے کے عمل میں مشغول ہو جانا کشف و کرامات سے کھیلنا بیماروں کو شفا دینا لوگوں کے امورِ دنیا کے انجام دینے میں تصرف سے کھیلنا یہ سب حجابات ہیں یہاں تک کہ مشاہدۂ عرش تک کرنے والوں کیلیئے یہ چیزیں بھی ایسا حجاب بنتی ہیں کہ برباد کر کے رکھ دیتی ہیں جیسا کہ بلم باعور کا واقعہ ہے کہ وہ اسم اعظم کا جب ورد کرتا تھا اور مراقبہ کرتا تھا تو مشاہدۂ عرشِ الٰہی کر لیتا تھا مگر وہی بات اس کی ہلاکت کا باعث بن گئی اور اس کا گدھا جنت میں جا پہنچا اور سوار جہنم میں

ایک عارف کا قول ہے کہ جب معرفت کامل ہو جاتی ہے تو وہ تصرفات کی سکت چھوڑتی ہی نہیں انسان ایک عجزِ محض دریافت کر لیتا ہے اور ایک اپاہج کی طرح وہ تو ردائے کبریائی میں پڑا رہتا ہے اور اپنے امور کیلیئے مالک حقیقی کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے اور خود آنکھیں بند کر کے پڑا رہتا ہے اگر کوئی مظاہرہ ہوتا ہے تو وہ اس کا نہیں ہوتا بلکہ اس کے وکیل کی کاروائی ہوتی ہے وہ خود تو ایک معذور کی طرح ہوتا ہے

اسی طرح انسان جب علم حاصل کرتا ہے تو اس کیلیئے نفع بخش ہوتا ہے مگر جب یہ علم مانعِ حصولِ کیفیت ہو جائے یا مقصود بالذات بن جائے تو حجاب اکبر بن جاتا ہے

وہ علم جونور ہے جس کا کام ہی پردے ہٹانا تھا حقائق اشیا تک لانا تھا وہی حجاب اکبر بن جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے العلم ھو حجابِ اکبر یعنی علم ہی سب سے بڑا حجاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حصول حق کے متلاشیوں میں سے اتنے لوگ کسی اور حجاب میں اٹک کر ہلاک نہیں ہوئے جتنے اس حجاب میں اٹک کر ہلاک ہوئے ہیں کیونکہ انسانی جد و جہد اور مجاہدات جسمانی و روحانی اور تزکیات و حصول علم دین کا مقصد واحد یہ ہوتا ہے کہ عالمِ انوار کے بارے میں مقام یقین تک پہنچیں بیانِ کیفیت سے حصول کیفیت تک جانا مقصود ہوتا ہے اس میں اللہ جل جلالہ سے لے کر نور ملکوت و نور آئمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیھم اجمعین تک سب کے بارے میں مقام حق الیقین تک پہنچے اور اس کی ابتدا بیان کیفیت سے ہوتی ہے اور اس کی حقیقی منزل حصول کیفیت ہوتا ہے جیسا کہ ایک آدمی کسی ملک میں جاتا ہے اور وہاں جا کر سنتا ہے کہ وہاں ایک بہت ہی لذیذ پھل پیدا ہوتا ہے یعنی اس کا اس پھل کے بارے میں یہ سننا بیان کیفیت کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے اور یہاں سے بیان کیفیت شروع ہو جاتا ہے اب اس کے بارے میں انسان تحقیق شروع کر دیتا ہے اس کے فوائد سنتا ہے اس پر کتابیں پڑھتا ہے اس کے رنگ ذائقے شکل کے بارے میں ہزاروں تصاویر دیکھتا ہے اس کے بارے میں لاکھوں صفحات پر مبنی کتابیں پڑھتا ہے مگر اس نے کبھی اس پھل کو دیکھنے کی اور چکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی جب اس سے کوئی شخص کہتا ہے بھائی آپ نے کبھی وہ پھل کھایا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے اس پھل کھانے کی کیا ضرورت ہے اس کے بارے میں ساری معلومات کتابوں میں موجود ہیں اور جتنے کتب اس موضوع پہ میں نے پڑھے ہیں کسی نہیں پڑھے اب مجھے اس پھل کھانے کی کیا

ضرورت ہے میں تو اس کے بارے میں پورا پورا عالم ہوں اب اس جاہل کو کون سمجھائے کہ اس ایک پھل کے بارے میں ایک کروڑ کتاب ایک طرف اور اس کی ایک چسکی (چکھنے کا تھوڑا سا چسکارا) اس سے زیادہ معلومات بخش ہے مگر اس شخص کے سامنے اس کا علم حجاب بنا ہوا ہے جو حصول کیفیت تک نہیں جانے دے رہا اسی طرح جو دین کے متلاشی لوگ ہوتے ہیں وہ سفر تو درست شروع کرتے ہیں پھر علم دین حاصل کرتے ہیں یہاں تک تو معاملہ درست رہتا ہے اور پھر جب وہ عملی زندگی میں جا کر تزکیات نفس سے خود عالم ماوریٰ کا مشاہدہ کرنے کی بجائے کتابوں پہ انحصار کر کے بیٹھ جاتے ہیں تو پھر یہ علم ان کے لئے حجاب اکبر بن جاتا ہے وہ ہوتے جاہل ہی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے علم حاصل کر لیا ہے اور یہی کافی ہے اب انہیں تزکیات و مکاشفات و روحانیات و مشاہدات کی ضرورت نہیں ہے

حجابِ مہلک

یہاں ایک ایسے حجاب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو اکثر شیعوں کے ساتھ سارے مخالفین کیلئے بھی باعث ہلاکت بنا ہے وہ ہے پاک خاندان صلوات اللہ علیہم اجمعین کے ظاہر کا پردہ جو ان کے باطن کے سامنے حجاب بنا ہوا ہے کیونکہ جب کچھ لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ ہماری طرح اس دنیا میں چلتے پھرتے ہیں اور ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں ہماری طرح انہوں نے بھی بچپن لڑکپن جوانی کے مراحل دیکھے ہیں تو یہ ان کے ظاہر کا معاملہ ان لوگوں کے سامنے حجاب بن جاتا ہے اور وہ ان کے باطن کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے اور اسی میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اس دور میں شیعوں میں جو مُستَضعِفین ہیں ان کے لئے یہی مہلک حجاب ہی

حقیقت کے مابین حجاب بنا ہوا ہے اور ان کی اس کمزوری سے دشمن فائدہ اٹھاتا ہے اور وہ پاک خاندان صلوات اللہ علیہم اجمعین کو یعنی اللہ جل جلالہ کے انوار الہیہ کو بشر کہہ کر انہیں مزید پردوں میں ڈال دیتا ہے اور یہ لوگ بوجہِ سادگی ان کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں پاک خاندان صلوات اللہ علیہم اجمعین کا ظاہر بھی ان کے باطن پر پردہ ہے اور ان کی ذات سے حقیقی فائدہ ان لوگوں نے اٹھایا ہے کہ جن لوگوں نے ان کے ظاہر کی بجائے ان کے باطن سے رابطہ کیا ہے کیونکہ کئی لوگ ہمارے سامنے ایسے بھی ہیں جنھوں نے تئیس سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں مگر ان کی ذات سے روحانی فیض نہ پاسکے اور ان کی حیاتِ ظاہری تک منافق رہے اور ان کے بعد کافر ہوگئے اور اسی دور کے کئی لوگ ایسے بھی تھے کہ جن لوگوں نے ان جناب کی زیارت تک نہ کی تھی مگر روحانی اور باطنی رابطے کی وجہ سے انہوں نے وہ مقام پایا ہے کہ آج اپنے پرائے سب ان کی تعظیم کرتے ہیں جیسا کہ جناب اویس قرنی سلام اللہ علیہ ہیں دیکھئے ان کے سامنے سب کا سر جھک جاتا ہے اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ جل جلالہ کے انوارِ ازلیہ سے روحانی اور باطنی رابطہ کیا تھا اور اس حجاب ظاہری میں نہیں اٹکے تھے

حجابات محمودہ

حجابات مذمومہ کے بعد اب ہم حجابات کی دوسری قسم پہ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں وہ ہیں حجاباتِ محمودہ آپ کو یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ حجاباتِ محمودہ کے دو اقسام ہیں

() حجابات علیٰ الناظر () حجابات علی المنظور

حجابات محمودہ میں سے جو حجابات علیٰ الناظر ہوتے ہیں وہ حجابات خود انسان کے

سامنے ہوتے ہیں یا اس انسان پر ڈالے ہوئے ہوتے ہیں لیکن وہ دراصل اس کی بہتری کیلیئے ہوتے ہیں اور وہ اس کے ترقی اور سفر کیلیئے سنگِ میل ہوتے ہیں مگر کسی سنگ میل کو جب منزل قرار دے لیا جاتا ہے تو پھر وہ حجاب اپنے اندر اٹکا لیتا ہے اور آدمی منزل سے محروم ہو جاتا ہے مگر ان میں جانا لازم بھی ہوتا ہے لیکن ان پر رکنا حجاب ہوتا ہے

حجابات اعلی المنظور یعنی جو حجابات ذات واجب الوجود پر ہوتے ہیں وہ علیحدہ ہیں ان کا ذکر میں اپنی سابقہ ایک گفتگو میں کر چکا ہوں جو ظاہر و باطن کے موضوع پر تھی اس میں اس کا اعادہ نہیں کروں گا

دوستو خالق کے بارے میں ایک بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس کا وصال عام مادی چیزوں کی طرح نہیں ہوتا اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ جل جلالہ اور مخلوق کے وصال کے کیا معنی ہیں؟ کیونکہ یہ جو کہا گیا ہے کہ اللہ جل جلالہ اور مخلوق کے مابین اتنے ہزار حجابات ہیں جو واصل باللہ ہونے سے مانع ہیں تو اس وصل سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اللہ جل جلالہ کی زیارت تو ممکن ہی نہیں نہ اس دنیا میں اور نہ اس اگلی دنیا میں تو وصل کے کیا معنی ہیں؟

دوستو حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنے اوپر ڈالے ہوئے حجابات کو تزکیات کی قینچی سے کاٹنا شروع کرتا ہے تو ایک ایک کر کے حجابات ہٹنا شروع ہو جاتے ہیں اسی طرح یہ حجابات کے ہٹنے کا عمل جاری رہتا ہے تا اینکہ یہ ایک آخری حجاب اللہ اکبر پہ آ کر رک جاتا ہے یعنی یہ ایک ایسے حجاب پر آ کر رک جاتا ہے کہ جس کے آگے کوئی حجاب نہیں ہوتا

اس حجاب کے اندر ذات واجب الوجود مخفی و مستور ہوتی ہے اور انسان کیلئے دیدار الٰہی اسی پاک حجاب اللہ اکبر کی زیارت ہی قرار پاتی ہے ورنہ اس حجاب کے اندر جانا تو کسی کیلئے بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ وہاں صاحبِ پردہ کی ذات ہی ذات ہوتی ہے اور اس مقام پر تو کسی کے جانے کی جرأت ہی نہیں ہے اور یہ وہ مقام ہے کہ جہاں نہ کوئی ملک مقرب جا سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل نہ کوئی اور کیونکہ وہ مقام حجاب اللہ اکبر ہوتا ہے اور یہی وہ سب سے بڑا پردہ ہے کہ جو ایک طرف تو اللہ جل جلالہ کو اپنے اندر محفوظ رکھتا اور دوسری طرف خود اس کے وجود پر دلیل بھی ہوتا ہے یعنی پردہ خود یہ ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اس کی موجودگی بتا رہی ہے کہ کوئی صاحب پردہ ذات جل جلالہ اندر موجود بھی ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ذات جو پردے میں ہے وہ کہاں ہے کیا کسی آسمان پر ہے یا آسمانوں سے اوپر عرش و کرسی میں مخفی ہے کیا وہ یہاں سے کھربوں نوری برس کے فاصلے پر ہے؟

کیا ہمیں اس کی زیارت کیلئے خلا کی طرف سفر کرنا پڑتا ہے؟

کیا ہمیں کسی چیلنجر، وائیجر یا خلائی شٹل کی ضرورت پڑے گی؟

وہ ذاتِ غائب اگر غائب ہے تو کس سمت میں ہے؟

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہمارے یہ جو تعینات ہیں کہ کونسی سمت اوپر ہے اور کونسی نیچے والی یہ سب تعینات ہمارے زمینی ہیں کیونکہ ایک ہی وقت میں پاکستان والے جس سمت کو اوپر بتا رہے ہوتے ہیں اسی وقت امریکہ والے اسے نیچے کا نام دے رہے ہوتے ہیں کیونکہ زمین گول ہے اور ہر انسان کے پاؤں چلتے وقت زمین کے مرکز کی طرف

ہوتے ہیں اور امریکہ پاکستان کے بالکل دوسری طرف ہے کیونکہ کہتے ہیں کہ اگر لاہور میں ایک آٹھ دس ہزار میل گہرا کنواں کھودا جائے تو وہ ایک (سرنگ) Tunnel کی طرح دوسری طرف امریکہ میں جا نکلے گا یعنی اوپر نیچے کے یہ تصورات صرف زمین کے باسیوں کیلئے بھی جدا جدا ہیں تو پھر وہ اوپر والی ذات کس سمت میں ہے؟

دوستو یہ مسئلہ بہت اہم ہے بات یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں اسی دنیا میں موجود ہیں بلکہ دنیا کے ہر ایٹم کے اندر عرش بھی ہے اور کرسی بھی ہے اور اللہ جل جلالہ بھی ہے اور حجاب اللہ بھی ہے کیونکہ وہ ذات واجب الوجود ایسی ذات ہے کہ جس سے کوئی ذرہ خالی نہیں ہے اگرچہ لفظ سریت اس کے شایان شان نہیں ہے مگر سمجھانے کیلئے عرض کروں گا کہ وہ ذات واجب الوجود اس دنیا کے ہر ایٹم اور اس کے ہر برقیے میں سریت پذیر ہے اور اس کائنات کی یہ حیثیت ہے کہ جیسے کوئی اسفنج کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا سمندر کے پانی کے اندر تیر رہا ہو اور سمندر کا پانی اس کے چاروں طرف بھی ہو اور اس کے اندر بھی وہی موجود ہو بلا تشبیہ اسی طرح جب انسان وصال الی اللہ کا سفر شروع کرتا ہے تو اسے اپنی ذات سے باہر نہیں جانا پڑتا بلکہ وہ اپنی ذات کے اندر ہی اندر سفر کرتا ہے نہ کہ وہ پرواز کرتا ہے یا کسی خلائی شٹل پہ سوار ہو کر آسمانوں کی طرف جاتا ہے بلکہ وہ اپنے اندر جب سفر کرتا ہے اور اپنی ذات کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوتا ہے تو اسے ان حجابات سے سابقہ پڑتا ہے کیونکہ انسان کے اندر ہی اندر سب کچھ ہے

امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا أتحسب انك جرم صغیر یعنی تو خود کو

ایک چھوٹا سا کرہ سمجھتا ہے مگر تیرے اندر عالم اکبر لپیٹا ہوا ہے یعنی انسان کے اندر صاحب پردہ ذات جل جلالہ بھی ہے اور اس کا پردہ بھی موجود ہے

یہاں ایک بات کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آج لوگ حاضر و ناظر پہ بحث کرتے ہیں مگر ثابت تو یہ ہوتا ہے اللہ جل جلالہ اپنے پردے میں ہے اور پردہ ہے نورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تو اب کوئی یا تو اللہ جل جلالہ کو ہر جگہ رہنے سے روک دے ورنہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو وہاں رہنے سے کوئی روک ہی نہیں سکتا اب سب کی اپنی اپنی مرضی ہے کہ یا اللہ کو غیر حاضر مان لیں یا اس نور کو حاضر مان لیں یہ بات آپ خود سوچیں

دوستو اس کائنات کا جب انسان گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ انسان جو کچھ دیکھ رہا ہے اس کے در پردہ کئی دوسرے حقائق موجود ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اس کائنات میں جو اشیا موجود ہیں وہ دو طرح کے ہیں

ان میں سے کچھ محسوسی ہیں اور کچھ معقولی ہیں اس بات کو ہم ایک مثال سے دیکھتے ہیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کے تعامل سے پانی وجود میں آتا ہے ان کی ایک حجمی نسبت ہوتی ہے جسے ایچ ٹو او H_2O سے ظاہر کیا جاتا ہے یعنی پانی کا ایک سالمہ یا مالیکیول آکسیجن کے ایک اور ہائیڈروجن کے دو ایٹموں (عناصر) سے بنتا ہے اور جب یہ اس نسبت سے ملتے ہیں تو پانی ہو جاتا ہے عام آدمی اس بات کو نہیں جانتا مگر ایک کیمسٹ Chemist کے ذہن میں پانی کا فارمولا ہوتا ہے اس لئے وہ یہ جانتا ہے کہ پانی دو گیسوں کا وجودِ خارجی ہے لیکن عوام کہیں گے کہ پانی ہی ایک حقیقت ہے بلکہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور جب

کوئی ان سے کہے کہ پانی کا وجود غیر حقیقی ہے تو وہ کیسے مانیں گے کیونکہ وہ تو اسے پیتے ہیں نہاتے ہیں دیکھتے ہیں ان کی زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے لیکن یہ پانی بالذات حقیقت نہیں ہے اگرچہ ظاہر میں پانی معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا قیام گیسوں کے ایک خاص تناسب پر ہے مگر کیمیا دان جانتا ہے کہ حقیقی چیز پانی نہیں ہے وہ دو گیسیں ہیں جن کے عناصر سے یہ پانی وجود میں آیا ہے

اب آپ حکما و علما سے پوچھیں کہ گیسوں اور پانی میں سے کونسی علمی اور معقول چیز ہے ؟اور کونسی محسوس و مشہود چیز ہے؟

کیونکہ پانی اختراعی چیز ہے اس لئے سب کو یہ کہنا پڑے گا کہ پانی معقول چیز ہے اور گیسوں کے عناصر محسوس چیز ہیں پانی دو گیسوں کا وجودِ خارجی ہے

اب آپ دیکھیں کہ ان میں سے ایک چیز حجاب ہے اور ایک محجوب ہے یعنی ایک چیز پردہ ہے اور دوسری چیز صاحب پردہ ہے یہاں آپ دیکھیں کہ پانی پردہ ہے اور عناصر صاحب پردہ ہیں اس میں محجوب ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ جو چیز غیر حقیقی ہے وہی حقیقی چیز کا پردہ بنی ہوئی ہے یعنی پانی خود اپنی حقیقت کا حجاب ہے

اس بات سے آپ نے دیکھا ہے کہ وجودِ حقیقی کا خود اس کا وجود خارجی کس طرح پردہ ہوتا ہے بلا تشبیہ اسی طرح جو حجاب اللہ اکبر ہے وہی اپنی حقیقت مطلقہ کا حجاب ہے

اس حجاب کو اور محجوب ذات کے مقام کو جب دیکھنے والے دیکھتے ہیں تو انہیں تین طرح کے مدرکات دریافت ہوتے ہیں یعنی ان کے عقائد تین حصوں میں بٹ جاتے ہیں مثلاً

(1) جو سمجھتے ہیں کہ اصل تو صاحبِ حجاب ہے اس لئے حجاب کی نعوذ باللہ کوئی اہمیت نہیں ہے یہ خوارج (خارجی) ہوتے ہیں

(2) جو سمجھتے ہیں کہ حجاب کی ایک علیحدہ حقیقت ہے اور صاحب حجاب کی علیحدہ حقیقت ہے اور یہ دو متضاد حقیقتیں ہیں یہ عامی لوگ ہوتے ہیں

(3) جو سمجھتے ہیں کہ یہی حجاب ہی صاحبِ حجاب ہے اس کے اندر کوئی دوسری ذات موجود نہیں ہے ان کی سوچ یہی ہوتی ہے کہ چلو بیٹا تم پانی پیو پیاس بجھاؤ نہاؤ عیش کرو تمہیں اس سے کیا غرض ہے کہ اس میں کتنے ایٹم ہیں اور اس کے سالمے کیسے بنے ہیں ...... یہ نصیری ہوتے ہیں

لیکن یہ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ اگر یہ آکسیجن اور ہائیڈروجن والی حقیقت باطنیہ نہ ہوتی تو پانی کہاں ہوتا؟ کیونکہ پانی تو اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا اور جو لوگ صرف حقیقت باطنیہ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اگر یہ پانی نہ ہوتا تو وہ کیسے زندہ رہتے ان کی زندگی کا دارومدار تو اسی پانی پر ہے کوئی انسان صرف آکسیجن اور ہائیڈورجن کے سیلنڈر پی کر تو زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ حقیقت باطنیہ سے ہم بلاواسطہ استفادہ تو کر ہی نہیں سکتے جس چیز کا تعلق خود ہماری ذات سے ہے وہ تو اس حقیقتِ باطنیہ کا وجود خارجی وظاہری ہی ہے

حقیقت یہ ہے کہ پانی کے وجود کیلئے اور اس کی بقا کیلئے حقیقت باطنیہ کا وجود واجب و لازم ہے اور ہماری بقا اور وجود کیلئے حقیقت ظاہر یہ یعنی پانی کا وجود واجب ہے اسی لئے نصب حجت اللہ پر واجب ہے

مختصر یہ کہا جا سکتا ہے ان کی ضرورت اللہ جل جلالہ ہے اور ہماری ضرورت یہ

مظاہرالٰہی وحجابات وحدت ہیں

تو دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ انسان جب خالق کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہے تو سب سے پہلا پردہ خود اس کی اپنی ذات ہوتی ہے اور اس طرح جب وہ پردے ہٹانا شروع کر دیتا ہے تو ایک مقام ایسا آتا ہے کہ جہاں سارے پردے ختم ہو جاتے ہیں تو وہاں ذات حق کے سامنے صرف ایک ہی پردہ رہ جاتا ہے اور وہ پردہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ہے اور یہ حقیقت وہ ہے کہ جہاں چہاردہ معصومین پنجتن پاک اور باقی نوری خاندان پاک صلوات اللہ علیہم اجمعین کے امتیازیات اور انفرادی تعینات معدوم ہو جاتے ہیں اور وہاں وہ ایک ذات ہو جاتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا جیسے سارے قطرے سمندر میں ذاتی تشخص باقی نہیں رکھتے اسی طرح اس مقام حقیقت حجتیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں کلنا واحد بن جاتے ہیں ہاں زمین پر جو اس کا عکس منعکس ہوتا یا اس کا مؤثر جو کائنات کو متاثر کرتا ہے وہ زمانے کے امام کا ہوتا ہے ہر دور میں زمانے کے امام ہی حجاب اللہ الاکبر ہوتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ہم چاند دیکھتے ہیں وہ ماہ رمضان کا چاند ہے ہم روزے رکھ رہے ہیں پھر شوال کا چاند دیکھا تو عید کر لی اب یہ خیال کریں کہ انتیس ماہ رمضان کو ہم چاند پر اتر گئے اور ایک ہفتہ وہاں رہے کیا وہاں بھی یہ تعینات ہیں کہ یہ رمضان کا چاند ہے یہ شوال کا ہے؟ وہاں تو ایک ہی چاند ہے جو کبھی ڈوب نہیں سکتا اس کا ڈوبنا نکلنا بال کی طرح باریک ہلال ہونا اور بھرپور جوانی کے کمال پہ بدر ہونا یہ سب اہل زمین کیلئے ہے اس کی ذات میں یہ باتیں نہیں ہیں اسی طرح انوارالٰہی کے سارے تعینات زمینی ہیں وہاں حقیقت حجتیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

میں ان کا کوئی تعین نہیں ہے اور ان کا جو تعین زمینی ہوتا ہے اس میں ساری دنیا پہ زمانے کے امام کا حکم چلتا ہے جیسے ماہِ رواں کے اعمال ہوتے ہیں اور یہی حجاب اللہ الاکبر ہوتا ہے اور اس دور میں حجاب اللہ الاکبر ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں اب ہمارے سارے معاملات انہی کی ذات پاک سے وابستہ ہیں کیونکہ یہی اللہ جل جلالہ کے حجاب دوراں ہیں اور ہمارے حاکم زمانہ ہیں اور ہمارے جملہ اعمال کا اور تکالیف شرعی کا تعلق ان سے ہے

﴿ کیفیتِ پردہ ﴾

دوستو یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جتنے بھی پردے ہوتے ہیں وہ Two Dimensional (دو پہلو دار) ہوتے ہیں ان کا ایک رخ صاحبِ پردہ کی طرف ہوتا ہے اور ایک رخ باہر کی طرف ہوتا ہے اسی طرح اس نور اول کے دو پہلو ہیں ایک صاحبِ پردہ ذات کی طرف ہے اور ایک مخلوق کی طرف ہے ان کی ذات کا جو پہلو ذات واجب کی طرف ہے اس سے کوئی بھی واقف نہیں ہوسکتا ہاں جو پہلو مخلوق کی طرف ہے اس سے ہر قسمی مخلوق اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کر سکتی ہے مگر ان کے باطن کو اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور دعویٰ کرتا بھی ہے تو کذاب ہے

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب بھی کوئی کسی صاحبِ پردہ سے بات کرتا ہے یا اسے مخاطب کرتا ہے تو اسے رخ ہمیشہ پردے کی طرف کرنا پڑتا ہے

دیکھئے آپ کسی بادشاہ سے ملنے جاتے ہیں اور وہاں جا کر دیکھا تو اس نے پردہ لگا رکھا ہے اور اس کے غلام آپ کو بتاتے ہیں کہ جس سے آپ ملنے آئے ہیں وہ اس

پردے میں ہے اور وہیں سے آپ کی بات بھی سنے گا اور آپ کا مسئلہ بھی حل کرے گا اب آپ نے اسے جھک کر سلام کرنا ہے تو کس طرف منہ کر کے کریں گے؟ اس سے بات کرنا چاہیں گے تو کس طرف منہ کر کے بات کریں گے؟ صاف ظاہر ہے آپ کا رخ اس پردے کی طرف ہی ہوگا بلا تشبیہہ وہ بادشاہ لازوال اپنے حجاب اللہ الاکبر میں مخفی ہے اور فرماتا ہے جو بات کرنا ہے یہیں سے کرو

اسی لئے ہمیں اپنا رخ حجاب اللہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف ہی رکھنا ہوگا اگر جھکنا چاہیں گے تو انہی کی طرف جھکنا ہوگا اسی لئے وجودِ حجت کو قبلہ ٔروحانی کہا جاتا ہے کیونکہ انہیں اگر نہ جھکیں تو اللہ جل جلالہ کو جھکا جا ہی نہیں سکتا اور جوان کو جھکے بغیر اللہ جل جلالہ کو جھکتے ہیں وہ غیر اللہ کو جھک رہے ہیں

اسی لئے تو دشمن کے بارے فرمایا گیا ہے کہ اس کا عمل اس طرح ہے کہ صل او زنا صام او سرق یعنی وہ نماز پڑھے یا زنا کرے برابر ہے وہ روزہ رکھے یا چوری کرے ایک جیسا ہی ہے

قرآن مقدس میں کفار کے بارے میں فرمایا گیا ہے

كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ

یعنی ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ کفار آج کے دن اپنے رب سے حجاب میں ہیں

بعض لوگوں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ کفار اس دن اللہ سے حجاب میں ہوں گے

دوستو بات یہ ہے کہ اللہ کا سب سے بڑا عذاب جو ہے وہ یہ ہے کہ کسی سے اس کا رب حجاب میں ہو جیسا کہ ادعیہ میں یہ مضمون دیا گیا ہے

الھی و سیدی و مولای و ربی صبرت علیٰ عذابك و کیف اصبر علیٰ فراقك

یعنی اے میرے اللہ اے میرے مولا اے میرے سردار اے میرے رب میں تیرے عذاب پر تو صبر کر سکتا ہوں مگر میں تیرے فراق پہ کیسے صبر کروں

یعنی سب سے بڑا عذاب ہے ہی اپنے رب سے حجاب میں ہونا اور کفار کے بارے میں یہ مستقبل کی بات نہیں ہے بلکہ اسی دنیا کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ اپنے رب سے حجاب میں ہیں یعنی یہی اللہ کا سب سے بڑا عذاب ہے کہ جس میں وہ مبتلا ہیں اگر اسے ہم ایک اور طرح سے بیان کریں تو وہ یوں ہوگا کہ کفار ہیں ہی وہی جو اپنے رب کی زیارت سے محروم ہیں اور یہی اللہ کا سب سے بڑا عذاب ہے

اب یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس دنیا میں اگر عذاب جاری ہے تو احساس اذیت کیوں نہیں ہوتا ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کا ایک پاؤں سُن کر دیا جائے اور پھر اس کے پاؤں پر آگ رکھ دیں تو اسے احساس اذیت نہیں ہوگا آپ دیکھیں گے کہ وجہ اذیت بھی موجود ہوگی اور اذیت بھی نہیں ہوگی بس اسی طرح اہل باطل کی یہ زندگی ایک سن شدہ عضو معطل جیسی ہے اور انہیں اس حیاتِ دنیا کی لذتوں نے سن کر دیا ہے ہاں جب اس دنیا کی ساری لذتیں ان سے جدا ہو جائیں گی تو پھر عذاب میں کوئی مانع نہ رہے گا تو پھر وہ اس عذاب کو کماحقہٗ محسوس کریں گے اور پھر وہ فراق کے جہنم میں ابدالآباد تک سلگتے تڑپتے رہیں گے

دوستو ہمیں بھی اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم اپنے رب یعنی اپنے امام زمانہ اور پاک

خاندان علیہم الصلوات و السلام سے محجوب تو نہیں ہیں؟ کیا ہمیں ہمارے مالک کی زیارت کا شرف حاصل ہے؟

کیونکہ اللہ کی زیارت نہ تو اس دنیا میں ہوسکتی ہے اور نہ اس آخرت کی دنیا میں نہ جنت میں اگر ہمیں اللہ کا دیدار ہونا ہے تو وہ ہمارے زمانے کے امام کی شکل میں اگر ہمیں اللہ کی زیارت ہونا ہے تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی صورت میں ہونا ہے اب ہم خود دیکھیں کہ کیا ہمیں یہ زیارت نصیب ہے؟ اگر نہیں ہے تو کیا ہمیں ان کے فراق کی اذیت بھی میسر ہے یا نہیں؟ اگر ہمیں زیارت بھی نصیب نہیں اور اس فراق کی اذیت بھی حاصل نہیں تو پھر ہمیں اپنے ایمان کا از سرنو جائزہ لینا چاہیے کہ کیا وہ ابھی تک باقی بھی ہے یا نہیں؟

ہماری تو یہ دعا ہے کہ اب وہ زمانہ جلدی آئے کہ جب سارے مومنین اور عرفا کو تجلیات الٰہی کی بارش میں زندگی گزارنے کا موقع نصیب ہو ہر دن روزِ ایمن ہو اور ہر شب شبِ طور ہو اور ہم سب اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات میں اللہ کے انوار کا مشاہدہ کریں اور ان کے آخری لختِ جگر کے روپ میں اللہ کا دیدار کریں اور ہجر و فراق کی یہ بے چین راتیں مسرت کی عید میں بدل جائیں اور اس دنیا پر محمد آل محمد علیہم السلام کا ظاہر بظاہر راج و حکومت ہو اور باطل کی حکومتوں کا قلع قمع ہو جائے

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے تشنگانِ مآء معینؑ

اس سے قبل ہم شہنشاہ کائنات واجب فی الموجودات مالک زمانہ کی ذات الٰہی الصفات دائم البرکات علیہ الصلوات و السلام کے کچھ اسمائے مدبرات کے بارے میں بات کر چکے ہیں اور آج اس منزل کی طرف چلتے ہوئے ایک اور مرحلہ سامنے ہے یعنی ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے جو اسمائے مبارکہ ہیں ان میں سے ایک اسم مبارک ہے

''قسط'' عجل اللہ فرجہ الشریف

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ لفظ''قسط'' کی لسانیاتی کیفیت کیا ہے؟ اور اس کے لغوی و اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

دوستو جو لوگ علم الالسنہ (لسانیات) سے تھوڑا سا بھی مس رکھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیگر زبانوں کی طرح عربی بھی اپنے گرد و نواح میں بولی جانے والی زبانوں کی یلغار سے متاثر ہوئے بناں نہیں رہ سکی اس لئے عربی میں %25 فی صد الفاظ قدیم زبان عبرانی کے ہیں اور %10 فی صد الفاظ قدیم متروک زبان سریانی کے ہیں اور بہت سے الفاظ رومن اور فارسی کے ہیں جنہیں عربوں نے معرب کر لیا تھا یعنی عربی میں بدل لیا تھا ان کے اسی عمل میں لفظ قسط بھی عبرانی سے عربی میں داخل ہوا تھا عبرانیوں میں ناپ تول کا ایک وزن تھا جسے صاع کہا جاتا تھا جو 154 تولے کے برابر تھا یعنی 1796.22 گرام کے مساوی تھا اس کے نصف حصے کو قسط کہا جاتا تھا یعنی ایک قسط 77 تولے یا 898.11 گرام کے برابر تھا اور یہی قسط لکڑی کا ایک پیمانہ تھا جیسے گندم تولنے والے لکڑی کا ایک "ٹوپہ" بنا لیتے ہیں اسی طرح عموماً جنس اسی قسط کے پیمانے سے تولی جاتی تھی اور اس طرح گنا جاتا تھا کہ یہ ایک قسط یہ دوسری قسط یہ تیسری قسط اسی سے ہر اس چیز کو جو یک مشت نہ ملے اس کے ملنے کے عمل کو اقساط کہا جاتا تھا یعنی یہ چیز قسطوں میں لی یا دی جائے گی سرائیکی سمجھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اجناس کو تولا نہیں جاتا تھا بلکہ اس کے لئے مخصوص لفظ تھا "منڑن" یعنی تولنے میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ تولنے کیلئے ایک وزن ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھا جاتا ہے اور اس کے مقابل جنس تولی جاتی ہے کہ یہ اتنے کلو ہے اتنے من ہے وغیرہ اگر تولنے کی بجائے ایک پیمانہ بنا لیا جائے یعنی ایک ایسا برتن بنا لیا جائے جو کسی وزن کے برابر کا ہو تو اسے سے گن کر جو چیز دی جائے اسے منڑن کہا جاتا ہے اور اسی طرح قسط تولنے کا نہیں "مُنڑنے" کا ایک پیمانہ

تھا اور عربی میں اس کے لئے مکیال کا لفظ مخصوص تھا

اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسر المیزان

اس آیت سے ایک یہ بات سامنے آتی ہے کہ قسط میزان سے متعلق معیاری ایک رویے کا نام ہے معیاری رویہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی بھی چیز پر اچھے یا برے ہونے کا جو حکم لگاتا ہے وہ اس کے معیاری رویے سے ہوتا ہے جیسا کہ انسان جب کسی کے سامنے بولتا ہے تو اس کی بات یا صدق ہوتی ہے یا کذب یعنی کلام کے معیار کو تولنے کے بعد یہ دو معیاری رویے ہمارے سامنے آتے یعنی ہر چیز میں اچھائی برائی کا تصور موجود ہے اسی طرح اس کی اچھائی کا جو رویہ ہوتا ہے اس کا بھی ایک نام ہوتا ہے اور اس میں برائی کا جو رویہ ہوتا ہے اس کا بھی ایک نام ہوتا ہے اسی طرح اوزان کے معاملے میں بھی اچھائی اور برائی کا معیاری پیمانہ ہوتا ہے اور اس میں بھی اچھائی اور برائی کا تصور موجود ہوتا ہے اور ان کے اپنے اپنے نام بھی موجود ہیں جیسا کہ انسان جب تولتا ہے تو اس میں یا تو درست کام کرتا ہے یا پھر غلط کام کرتا ہے اس میں کمی بیشی کرتا ہے اگر اوزان کے معاملے میں کوئی کمی بیشی ہو تو اسے خسر یا خسارا کہا جاتا ہے اور اگر ماپ میں یعنی کسی برتنی پیمانے کے حساب سے تولنے میں کمی بیشی کی جائے تو اسے طف کہتے ہیں اور اگر دونوں کے معاملے میں کوئی کمی بیشی نہ ہو تو پھر اسے قسط کہا جاتا ہے

کیونکہ قسط عربی کا ذاتی لفظ تھا ہی نہیں اس لئے یہ لفظ کئی معنی کے دروازوں پر ٹھوکریں کھاتا رہا ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قسط کا پیمانہ صاع کا پورا پورا نصف تھا اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے عربوں نے اسے انصاف کے معنی میں بھی استعمال کرنا

شروع کر دیا اس طرح اس کے معنی عدل وانصاف کے بھی ہونے لگے
کافی دیر بعد یہ لفظ ایک اصطلاح کی شکل اختیار کر گیا اور اس کے اصطلاحی معنی تھے
معاشرتی معاملات میں اپنے غیر کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو اپنے لئے پسند کیا جائے
،، یعنی حسنِ سلوک کرنا جو بات اپنے لئے پسند نہ ہو وہ کسی دوسرے کیلئے روا نہ رکھی
جائے جو رویہ اپنے لئے جائز نہ سمجھے وہ دوسرں کیلئے بھی جائز نہ سمجھے جیسا کہ کلام
مقدس میں ہے

اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُ الْمِیْزَان ()

جب لین دین کا معاملہ ہو تو میزان کو اس طرح استعمال کرو جیسا کہ اپنے لئے پسند
کرتے ہو یعنی کوئی بھی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اسے چیز تول کر دیتے ہوئے
ڈنڈی مارے اور مال کم تول کر دے پھر اسے بھی دوسروں کو مال کے تولنے میں کمی
نہیں کرنا چاہیے بس اسی طرح جملہ معاملات میں دوسروں کے ساتھ اپنے جیسا رویہ
رکھنا اور اپنے جیسا سلوک کرنا ہی قسط کہلاتا ہے

اس کی وضاحت کیلئے ایک واقعہ پیش کرتا ہوں کہ شہنشاہ انبیا حبیب کبریا صلی الله علیه و
آلہٖ وسلم کی بارگاہ میں ایک جاہل بدو آیا اور اس نے آکر دور سے انہیں بے ادبانہ
انداز میں صرف نام سے پکارا اور عرض کیا کہ کیا آپ ہی ہیں جو فرماتے ہیں کہ زنا
کرنا جائز نہیں ہے جبکہ یہ سارے عرب میں مدتوں سے رائج ہے؟

اس کی اس بات سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جوش میں آگئے اور تلواریں نکال
لیں اس پر آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے انہیں روکا اور اس بدو کو اپنے پاس
بلایا اور فرمایا اے بھائی کیا تو یہ پسند کرتا ہے کوئی تیری لڑکی یا بہن کے ساتھ زنا

کرے؟ (کیونکہ عرب کے غیور لوگ تو اپنی لڑکیوں کو صرف اس لئے پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے کہ انہیں اپنی لڑکی کسی کے عقد میں بھی نہ دینا پڑے)

اس بدو نے عرض کی اگر کوئی میری لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے تو میں اس کی گردن اڑا دوں

شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ساتھ تو زنا کرنا چاہتا ہے کیا وہ کسی کی بہن اور بیٹی نہیں ہے؟ ہاں اگر تو اپنی بہن اور لڑکی کسی کو برائے زنا دے سکتا ہے تو پھر تجھے بھی اجازت دینے پر غور کیا جا سکتا ہے یہ سن کر وہ قدموں میں گر گیا اور معافی بھی مانگی اور کلمہ بھی پڑھ لیا

بس اسی طرح اپنی عمرانی زندگی Social Life کے معاشرتی معاملات میں دوسروں کے ساتھ اپنے جیسا سلوک کرنا قسط کہلاتا ہے اور قسط کی ضد ہے ُجور‘‘ یعنی ہر خود غرضی اور غیر مساویانہ سلوک کرنا جور کہلاتا ہے اور جور سے خالق نے روکا ہے اور قسط کا امر فرمایا ہے جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے

وَاَقْسِطُوا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُ الْمُقْسِطِیْن

فرمایا اے لوگو تم قسط سے کام لو کیونکہ اللہ قسط سے کام لینے والوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور جور کے معنی ہیں کسی کو اس کے مقام سے گرا دینا کیونکہ انسان خود غرضی کر کے دوسرے کے مقام اور حق کو بھول جاتا ہے اور اسے اس کے مقام سے محروم کر دیتا ہے اس لئے اسے جور کہتے ہیں اور کسی کو اس کا مقام دینا قسط ہے

خالق نے کلامِ مقدس میں فرمایا ہے کہ

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتَابِ وَ الْمِیْزَانِ لِیَقُومُ

النَّاسَ بِالْقِسْطِ ( )

فرمایا ہم نے رسولوں کو بینات کے ساتھ ارسال فرمایا ہے اور ان کی معیت میں کتاب و میزان کو صرف اسی لئے نازل فرمایا تھا کہ لوگوں میں قسط کو قائم کیا جا سکے یعنی اللہ نے رسولوں کو بھیجنے کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو حسنِ معاملات کا درس دیں اور ایک صالح اور پرامن معاشرہ تشکیل پائے

آپ محولہ بالا آیت کو ایک مرتبہ پھر دیکھیں خالق کائنات نے انبیا علیہم السلام کو تین چیزیں عطا فرمائی ہیں ( ) معجزات بینات ( ) کتاب وجودی ( ) میزان

ان چیزوں کے عطا فرمانے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے یہ لوگوں کو قسط کے ساتھ قائم کر سکیں

اب ہم اس بات پر غور کریں کہ اللہ جل جلالہ نے انبیا کو مبعوث بھی فرمایا انہیں اس ظالم دنیا میں پر صعوبت زندگی گزارنے کی زحمت بھی دی اور انہیں کتاب اور میزان اور معجزات سے صرف اس لئے نوازا کہ لوگ قسط کے ساتھ قائم ہوں

اگر ہم بھی اس آیت کا وہ مفہوم لیں کہ جو عمومی طور پر لیا جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہی انبیا و رسل علیہم السلام کی آمد کی وجہ صرف انسان کو آپس میں ایک جیسا سلوک کرنے پر آمادہ کرنا تھا معجزات ملے تو اس لئے کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ غیر مساویانہ رویہ نہ رکھے کتاب ملی تو وہ بھی اسی لئے کہ کوئی کسی کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک نہ کرے میزان کو ان کی معیت میں نازل کیا گیا تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ انسان اپنے جیسے کسی دوسرے انسان کے ساتھ معاملات دنیا میں غیر عادلانہ برتاؤ نہ کرے

ایک تو یہ مفہوم تھا جو اخذ کیا جاتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیا ورسل علیہم السلام کی تخلیق اور بعثت کا مقصد ہی انسان کی معاشرتی اصلاح کرنا تھی اگر انسان کی اصلاح مقصود نہ ہوتی تو گویا انبیا کو خلق ہی نہ فرمایا جاتا

اب ہمارے سامنے دو باتیں آ گئی تو ان کا تجزیہ بھی کرتے چلیں وہ یہ ہے کہ جب ہم اس عالمِ انسان کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں جو چیز آج تک نہیں ہوسکی وہ یہی قیام قسط ہی ہے کیونکہ باقی باتیں تو تھوڑی بہت نظر آتی ہیں مگر جو انبیا کی تخلیق کا مقصد بتایا جاتا ہے وہ یہاں پورا ہوتا نظر ہی نہیں آیا یعنی ان کی ساری محنت رائیگاں گئی ہے نعوذ باللہ

بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ اللہ جل جلالہ ہی نے انہیں اس کام کیلئے خلق فرمایا تھا پھر انہیں قیام قسط کے سارے وسائل فراہم کئے اور پوری کوشش کی کہ یہ بدمزاج انسان اپنے ہی معاملے میں سلجھ جائے اور ایک پرامن سوسائٹی قائم کرلے مگر اس کی ساری کوششوں کے باوجود سب کچھ ہوگیا مگر جس چیز پر سارا زور دیا گیا تھا وہ مقصد پورا نہ ہوا

اس نظریے سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ انبیا ورسل علیہم السلام کی تخلیق کی علتِ غائی بدکردار انسان ہیں ظالم انسان ہیں کہ جو آپس میں امن کو قائم نہیں رکھتے

اب یہاں یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ علت ہمیشہ مفضول ہوتی ہے اور علت غائی افضل ہوتی ہے یعنی میں نے زیورات کیلئے ایک سیف Locker بنوایا ہے تو اس سیف کے بنانے کی علتِ غائی زیوارت ہیں کہ جن کے لئے وہ بنایا گیا ہے اس لئے وہ

زیورات سے ادنیٰ ہے اور زیورات اس سے اعلیٰ ہوتے ہیں اگر اسی طرح ہم دیکھیں تو انبیا کو ظالم انسانوں کیلئے بنایا گیا تو اس سے وہ نعوذ باللہ ان سے افضل ہو جائیں گے

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ انبیا کی بعثت کی وجہ قیام قسط ہی ہے مگر قسط کے معنی کیا یہی ناپ تول درست کرنا ہی ہیں؟

کیا لوگوں میں اخلاقی مساوات پیدا کرنا ہی مقصدِ تخلیقِ انبیاء علیھم السلام تھا؟

یہ تو سارے علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اخلاقی قدریں اچھی چیز ہیں مگر نجات کیلئے تو ایمان کی ضرورت ہے ایمان کے بغیر تو کوئی نیک عمل منظور ہی نہیں ہوتا

اخلاقیات کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ انسان کو انسان کے شر سے بچاتی ہے بشرطیکہ اس پر پوری طرح سے عمل کیا جائے ورنہ اس کی اور کوئی افادیت نہیں ہے ہاں اس کی افادیت مشروط ہے اور اس کی شرط ایمان ہے اور جو چیز کسی دوسری چیز سے مشروط ہو وہ اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہوسکتی کہ انبیاعلیھم السلام کی بعثت جیسے عظیم امر کو اس کی وجہ بنا دیا جائے

بات صرف انبیا ورسل علیھم السلام تک محدود نہیں ہوتی بلکہ جب ہم اسمائے الٰہی کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں ہمیں اللہ جل جلالہ کا ایک اسم مبارک ُمقسط'' نظر آتا ہے یعنی قسط قائم فرمانے والا

جب ہم دنیا کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس حوالے سے ہمیں مکمل طور پر مایوسی ہوتی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا ورسل علیھم السلام جس کام کیلئے مبعوث ہوئے اور اللہ جل جلالہ نے بھی اپنی پوری کوششیں کی ہیں مگر اس دنیا کے لوگوں میں نہ تو ناپ تول

درست فرما سکا ہے اور نہ ہی انبیا کی محنت کا کوئی اثر ہمیں اس دنیا پر نظر آتا ہے اور انسانیت پہلے سے بھی بدتر ہوتی جارہی ہے

اب اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ یا تو یہ اسم مبارک اللہ کا نہیں ہے (نعوذ باللہ) یا پھر ہم جس بات کو قسط سمجھتے ہیں وہ قسط نہیں ہے بلکہ قسط کوئی اور چیز ہے

اب ہم اس قسط کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں مگر اپنی عقل سے نہیں بلکہ وحی والہام کی روشنی میں دربار رسالت مآب ہے اس میں اصحاب بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک صحابی عرض کرتے ہیں کہ آقا ذوالقرنین کا واقعہ کیا ہے؟ اور اسے ذوالقرنین کیوں کہتے ہیں؟ اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

اس پر فرمایا کہ جناب ذوالقرنین اپنے زمانے کے نبی تھے انہیں حکم ہوا کہ اپنی قوم کو ہدایت فرمائیں جب انہوں نے اعلان حق کیا تو قوم ان کے خلاف ہوگئی مگر وہ اسی طرح دعوت حق میں مصرورف رہے پھر ان کی قوم نے فیصلہ کیا کہ انہیں شہید کردیا جائے

ایک دن جب وہ تبلیغ میں مصروف تھے تو ایک شقی نے ان کے سر پہ تلوار سے ضرب لگائی اور وہ ضرب ان کے سر کے داہنی طرف لگی اور وہ شہید ہوگئے لوگوں نے انہیں دفن کردیا مگر ایک زمانے کے بعد وہ اس دنیا پر پھر ظاہر ہوئے اور انہیں دوبارہ حکم ہوا کہ اس قوم کو دینِ حق کی دعوت دیں وہ دوبارہ ان لوگوں میں تبلیغ کرنے تشریف لے گئے اس قوم نے پھر دیکھا تو پہلے حیران ہوئے مگر آخر میں دوبارہ وہی فیصلہ کیا اور انہیں شہید کرنے کا پروگرام بنایا پھر ایک شقی کو تیار کیا اور اس نے جا کر ان کے

سر پہ تلوار کا وار کیا اس مرتبہ ان کے سر کی باہنی طرف ضرب لگی

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اس مقام پر پہنچے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا فیکم من ھو علیٰ سنتہ آپ لوگوں میں بھی ایک ذات ایسی موجود ہے کہ جن کے سر اطہر پر دو مرتبہ ضرب چلائی جائے گی یعنی امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ ان کے سر اطہر پہ بھی دو مرتبہ ضرب لگی تھی ایک میدان خندق میں جو عمرو ابن عبدود ملعون نے لگائی تھی اور دوسری مرتبہ ابن ملجم ملعون نے ضرب لگائی تھی

اس کے بعد فرمایا جب وہ شہید ہو گئے تو اللہ نے انہیں سہہ بارہ اس دنیا میں بھیجا اور انہیں مشرق و مغرب کی حکومت عطا فرمائی اور انہیں ذوالقرنین اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے سر پہ جہاں جہاں ضرب لگی تھی وہاں اللہ نے دو نشانات پیدا کر دیئے تھے جو سینگوں کی طرح تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ یقین کر لیں کہ یہ وہی جناب ہیں کہ جنہیں شہید کیا گیا تھا (عربی میں قرن سینگ کو کہتے ہیں اور قرنین اس کا تثنیہ ہے) اس کے بعد فرمایا

ان اللہ تعالیٰ سیجری سنتہ فی القائم عجل اللہ فرجہ الشریف من ولدی ( )

فرمایا اللہ ان کی سنت کو ہمارے لخت جگر عجل اللہ فرجہ الشریف میں جاری فرمائے گا اور انہیں بھی روئے زمین کی حکومت حاصل ہو گی کوئی مقام ایسا نہ ہو گا کہ جہاں جناب ذوالقرنین نے قدم نہ رکھا ہو مگر ہمارے شہنشاہ بیٹے کے قدم وہاں پہنچیں گے کوئی دشت صحرا کوئی پتھر بھی ایسا نہ ہو گا کہ جہاں ان کے قدم نہ پڑیں گے یعنی پوری دنیا ان کے زیر قدم ہو گی

یظھر اللہ عزوجل لہ کنوز الارض و معادنھا وینصر ہ بالرعب فیملاالارض بہ عدلا و قسطا کما ملئت ظلما و جورا ()

فرمایا پرودگار عالم ان کے لئے ساری زمین کے خزانے ظاہر فرمائے گا اور اس زمین کے سارے معدنیات وخزائن ان کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے اور اللہ ان کی نصرت رعبِ الٰہی سے فرمائے گا اور ان کے ذریعے اس دنیا کو عدل وقسط سے بھر دیا جائے گا جیسا کہ وہ ظلم اور جور سے بھری ہوئی ہوگی

اس میں فرمایا گیا ہے وہ زمانہ قسط آخری زمانہ ہے کہ جس وقت شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور وخروج ہوگا اس دور کے قیام قسط کیلئے اللہ نے انبیا ورسل کو بینات ومعجزات عطا فرمائے اور انہیں یہی فرمایا گیا تھا کہ تمہیں آخری دور میں حکومت الٰہیہ کے قیام کیلئے پوری جدو جہد کرنا ہوگی اسی بات کو کئی احادیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جیسا کہ ارشاد ہے کہ

المھدیؑ عجل اللہ فرجہ الشریف من ولدی و تکون لہ غیبۃ و حیرۃ تضل فیھا الامم یاتی بذخیرۃ الانبیا علیھم السلام فیملوھاعدلا و قسطا کما ملئت جورا وظلما ()

فرمایا امام آخرالزمان ہمارے لخت جگر ہوں گے اور ان کے لئے غیب اور حیرت کا زمانہ ہے کہ جس میں بہت سے لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور جب وہ خروج فرمائیں گے تو اللہ ان کے لئے اپنے پاس ذخیرہ شدہ انبیا ورسل کو لائے گا اور وہ ان کی نصرت کریں گے اور اس زمین کو قسط وعدل سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح یہ زمین ظلم وجور سے معمور ہوگی

یعنی اس روز انبیا کے معاملے میں لیقوم الناس بالقسط کی تفسیر ظاہر ہوگی کیونکہ اس دن کے قیامِ قسط کا انہیں حکم ہوا تھا نہ کہ ان کے اپنے اپنے زمانے میں
اسی طرح اس حکومت الٰہی اور قسط اللہ کے قیام کیلیئے صرف انبیا ورسل ہی نے نہیں آنا بلکہ آئمہ ہدیٰ صلوات الله علیهم اجمعین نے بھی تشریف لانا ہے کیونکہ ہم زیارتوں میں بار بار انہیں قوامون بالقسط کے لقب سے ملقب کرتے ہیں اور اپنی طرف سے نہیں بلکہ ان کی تعلیم فرمادہ زیارتوں میں انہیں قوامون بالقسط کہتے ہیں یعنی قسط کو قائم فرمانے والے اور قسط کا قیام ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے زمانے میں ہونا ہے تو لازماً وہ جب بھی تشریف لائیں گے تو حکومت الٰہی کے قیام میں ان کے ساتھ تمام انبیاء علیهم السلام بھی بھرپور حصہ لیں گے
دوستو حقیقت یہ ہے کہ یہ قیام قسط وعدل جو ہے وہ اس دنیا میں ہونا تو ہے مگر وہ زمانۂ آخر میں ہونا ہے کیونکہ یہ اسم مبارک ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا ہے ان کے زمانے میں زمین اپنے خزانے اگل دے گی اور وہ ان خزانوں کو اپنی رعایا پہ اس طرح تقسیم فرمائیں گے کہ جیسا کہ احادیث میں بیان ہوا ہے
یفیض المال حتیٰ لایقبله یعنی وہ اس طرح مال تقسیم فرمائیں گے کہ کوئی مال لینے والا ہی نہ ہوگا پھر وہ اپنی پوری حکومت میں اعلان فرمائیں گے کہ کوئی ہے جسے مال کی ضرورت ہو؟
اس وقت ایک شخص آئے گا اور عرض کرے گا کہ مجھے مال کی ضرورت ہے اس پر آپ فرمائیں گے ہمارے خازن کے پاس جاؤ وہ شخص جب خازن کے پاس جائے گا تو وہ انہیں خزانوں کے دروازے کھول دیں گے اور فرمائیں گے کہ جتنا مال اٹھا

سکتے ہو لے جاؤ

وہ آدمی مال اٹھا لے گا اور راستے میں اسے خیال آئے گا کہ وہ اس مال کو کیا کرے گا کیونکہ اس کے پاس تو پہلے ہی سب کچھ موجود ہے پھر یہ حرص کیسا ہے؟

وہ یہ سوچ کر واپس آئے گا اور عرض کرے گا کہ مجھے اس کی مال کی ضرورت نہ تھی میں نے تو یونہی یہ مال طلب کرلیا تھا اب میں یہ مال واپس کرنے آیا ہوں

اس وقت حکم ہوگا کہ ہم نے تو یہ مال عطا فرما دیا ہے اب دیا ہوا مال واپس لینا ہمارے شایان شان نہیں ہے تو وہ شخص منتیں کرے گا مگر مال وزر واپس نہ لیا جائے گا اور وہ اس مال کو راستے میں کسی جگہ چھوڑ کر چلا جائے گا

اس کے بعد فرمایا کہ ان کے خروج کے وقت ان کی نصرت رعب الٰہی سے ہوگی

اس کے ضمن میں فرمایا گیا تھا کہ جب آپ کا لشکر تیار ہوگا تو آپ اپنے علم پاک کو کھولیں گے جس کا نام ام الحصلات ہےاس کے کھلتے ہی ملکوت جمع ہو جائیں گے اور ان کے لشکر کا رعب و ہیبت تین ماہ یا تین سال کی مسافت تک چھا جائے گا

اس کے بعد ان کی ابد الاباد کی حکومت کا آغاز ہوگا اور اس دور میں جنت جیسا پر امن زمانہ ہوگا شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیئیں گے ایک ساتھ رہیں اور ان کے وجود ذی جود سے قسط اللہ کا قیام ہوگا اس لئے ہمیں یہ دعا کرنا چاہیے کہ اب وہ زمانہ جلدی آئے اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں یہ دنیا امن کا گہورہ بن جائے اور خاندان تطہیر علیھم الصلوات و السلام کی خوشیوں سے زمین و آسمان مسرور ہو جائیں

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

هو الذى ارسل رسله بالهدىٰ و دين الحق ليظهر ه علىٰ دين كله ولوكره المشركون ()

اے سمندر نوشانِ عرفان

آپ کو یاد دہانی کروانا مناسب نہ ہوگا کہ ہم کس موضوع پہ مسلسل گفتگو کر رہے ہیں آج کا جو موضوع ہے وہ قدرے عجیب ضرور لگے گا مگر صاحبانِ علم وعرفان کیلئے ایک نئے باب کا اضافہ بھی ہوگا

ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کا ایک اسم مبارک ہے

''الرسول'' عجل الله فرجه الشريف

عام طور پر جو رسول کا ایک عمومی تصور پیش کیا جاتا ہے یہ اسم مبارک اس کے سامنے

ایک عجیب چیز نظر آتا ہے اس لئے مناسب ہوگا میں لفظ رسول کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں عرض کرتا چلوں

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ لغت کیا کہتی ہے دوستو رسول کے لغوی معنی ہیں قاصد وفرستادہ اور لفظ رسول کے شرعی یا اصطلاحی معنی ہیں اللہ کا بھیجا ہوا نبی

حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کلام الٰہی کا تعمق سے جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان معانی سے بھی زیادہ وسعتوں کا ادراک ہوتا ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ نے بنیادی طور پر رسولوں کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

(1) رسول آفاقی

(2) رسول انفسی

ایک رسول وہ ہوتا ہے کہ جسے آفاقی رسول کہتے ہیں

آفاقی رسول

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آفاقی رسول کیا ہوتے ہیں؟

آفاقی رسول وہ ہوتے ہیں کہ جنہیں شرعی اصطلاح میں رسول کہا جاتا ہے اور وہ انبیا سے بھی افضل ہوتے ہیں

دوستو آفاقی رسولوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں

(1) رسول کلی وحقیقی

(2) رسول جزوی ومجازی

رسول کلی وحقیقی تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں مگر جزوی ومجازی رسولوں کی آگے پھر دو قسمیں ہوتی ہیں

(1) تشریعی (2) تکوینی

تشریعی رسول وہ ہوتے ہیں کہ جو امورِشرع پر مامور ہوتے ہیں ان کا کام ہوتا ہے شریعت کو بیان کرنا اوران کی بھی دوقسمیں ہوتی ہیں

(1) رسول بشری (2) رسول ملکی

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ

یعنی اللہ بعض ملکوت میں سے اور بعض لوگوں میں سے رسول منتخب فرماتا ہے

اس آدم کی اولاد میں سے جو بشری رسول ہیں ان کی کل تعداد تین سو تیرہ ہے اور انبیا کی تعداد اسلامی نقطہ نظر سے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور عیسائیت کے نقطہ نگاہ سے ایک لاکھ چوالیس ہزار ہے

اور جو تشریعی ملکی رسول ہوتے ہیں وہ ان ملکوت کو کہا جاتا ہے کہ جو انبیا و رسل کیلئے امورشرعی لاتے ہیں

اس کے بعد ہیں تکوینی رسول ان کے بارے میں عرض کروں گا کہ تکوینی رسول وہ ہوتے ہیں کہ جو کائنات کے تکوینی امور پر مامور ہوتے ہیں گویا وہ اللہ عزوجل کے اسسٹنٹ Assistant ہوتے ہیں اس کے معاون کار ہوتے ہیں وہ نظام عالم کو سنبھالے ہوئے ہوتے ہیں یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ تکوینی رسولوں کی بھی دو قسمیں ہیں

(1) رسول ملکی (2) رسول معنوی

رسول ملکی وہ ہوتے ہیں کہ جنھیں اس دنیا میں کسی تکوینی کام کا بیڑا سونپا جاتا ہے جیسا

کہ سورۂ مریم (سلام اللہ علیھا) میں ہے کہ جناب جبریلؑ تشریف لائے تو وہ ڈر گئیں تو انہوں نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کروایا

قال اِنَّمَا اَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِاَ هَبَ لَكِ غُلاماً ذَكِيّاً

انہوں نے فرمایا کہ میں تو تمہارے رب کا رسول ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو ایک پاکیزہ شہزادہ عطا کروں

پھر انہوں نے جناب مریم سلام اللہ علیھا کے گریبان میں پھونک ماری اور چند ساعت میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوگئی اور یہ امر عادی نہ تھا بلکہ 'کن' کے امر سے کام ہوا اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ رسولِ تکوینی تھے

جو رسول تکوینی ومعنوی ہیں وہ سارے معصومین صلوات اللہ علیھم اجمعین ہیں یہ بھی آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ امور تکوین کے جو بھی رسول ہوتے ہیں جب وہ ظاہر ہوتے ہیں تو ہمیشہ اس نوع کے جامے میں ظاہر ہوتے ہیں کہ جس نوع کے پاس انہیں بھیجا جائے اس لئے بشر کے سامنے وہ جامۂ بشری میں ظاہر ہوتے ہیں چاہے وہ رسول ملکی ہوں یا معنوی جب تک وہ خود آگاہ نہ کریں انہیں کوئی نہیں پہچان سکتا جیسا کہ جناب جبریلؑ کو والدۂ جناب عیسیٰ سلام اللہ علیھا نہ پہچان سکیں اس پہ مزید بات آگے ہوگی

انفسی رسول

دوستو میں نے ابتدا میں کہا تھا کہ بنیادی طور پر رسولوں کی دو اقسام ہوتی ہیں ایک آفاقی رسول ہوتے ہیں اور دوسرے انفسی رسول ہوتے ہیں اس سے قبل جتنی بات ہوئی ہے وہ آفاقی رسولوں کے بارے میں ہوئی ہے اب یہاں یہ بھی بتا دوں کہ

انفسی رسول کیا ہوتے ہیں؟ دیکھئے کلام الہی میں آیا ہے کہ

وَ لَقَد مَنَّ اللَّهُ عَلَى المُؤمِنِينَ اِذ بَعَثَ فِيهِم رَسُولاً مِن اَنفُسِهِم يَتلُوا عَلَيهِم آيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيهِم وَ يُعَلِّمُهُمُ الكِتَابَ وَ الحِكمَةَ وَ اِن كَانُوا مِن قَبلُ لَفِى ضَلالٍ مُّبِين

یقیناً مومنین پر یہ اللہ کا احسان عظیم ہوتا ہے کہ جب وہ ان کے نفسوں میں ایک رسول کو مبعوث فرماتا ہے جو ان پر آیات الہی کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ بھی کرتا ہے پھر انہیں علم کتاب عطا کرتا ہے اور حکمت بھی بخشتا ہے اور اس سے قبل وہ ضلال مبین میں ہوتے ہیں

اب اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے آپ انفس و آفاق کو سمجھیں انسان جب اس کائنات پر غور وفکر کرتا ہے تو اسے اس کائنات میں ایک کائنات نہیں بلکہ دو کائناتیں نظر آتی ہیں پہلی کائنات وہ ہے جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہے جسے ہر آدمی کائنات کہتا ہے دوسری کائنات وہ ہے جو اس کے من کے اندر کی کائنات ہوتی ہے جس کے بارے میں امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا تھا کہ تمہارے اندر بھی ایک عالم اکبر چھپا ہوا ہے بہ الفاظ دیگر ایک کائنات خارجی ہے جو انسان کے باہر ہے جسے وہ بصارت سے دیکھ سکتا ہے اور ایک کائنات اس کی داخلی کائنات ہے کہ جسے وہ بصارت سے نہیں دیکھ سکتا بلکہ وہ بصیرت سے دیکھی جاسکتی ہے جو کائنات انسان کے باہر کی کائنات ہے یعنی اس کی خارجی کائنات ہے اسے آفاق کہا جاتا ہے اور جو اس کی من کے اندر کی کائنات ہے اس کی داخلی کائنات ہے اسے انفس کہا جاتا ہے اس لئے اللہ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں اپنی

آیاتِ انفسی بھی دکھاؤں گا اور آیاتِ آفاقی بھی دکھاؤں گا یعنی اللہ کی مظاہرہ گاہیں دو ہیں ایک یہ ہمارے باہر کی کائنات اور دوسری ہمارے اندر کی مظاہرہ گاہ ہے اس لئے اللہ کی طرف سے جو رسول مبعوث ہوتے ہیں وہ ان دونوں کائناتوں کے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں کئی رسول آفاقی ہوتے ہیں اور کئی رسول انفسی ہوتے ہیں یہ بھی ہے کہ انسان کے جو آفاقی رسول ہوتے ہیں وہ اتنے زیادہ مؤثر نہیں ہوتے بلکہ سب سے زیادہ مؤثر انفسی رسول ہوتا ہے اسی لئے آپ دیکھیں کہ اللہ نے مومنین کے بارے میں فرمایا کہ اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے مومنین کے نفسوں میں ایک رسول مبعوث فرمایا ہے یعنی جو ذات خود فرماتی ہے کہ کسی پر اگر کوئی احسان کرو تو اس احسان کو مت جتلاؤ مگر اللہ جل جلالہ کو اپنے اس احسان پر کتنا بڑا فخر ہے کہ وہ اس احسان کی ناقدری کے خوف سے خود جتلا رہا ہے کہ یہ میرا عظیم احسان ہے کہ میں نے مومنین کی من کی دنیا میں ایک انفسی رسول مبعوث فرمایا ہے

اس آیت کے بارے میں عام مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ذکر ہے حالانکہ یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ جو آفاقی رسول ہوتے ہیں وہ جب مبعوث ہوتے ہیں تو وہ کفار و مشرکین کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوتے ہیں مگر انفسی رسول ہمیشہ مومنین میں مبعوث ہوتے ہیں کیونکہ رسول انفسی کی بعثت کیلئے ایمان پہلے سے شرط ہے ورنہ اس کی بعثت نہیں ہوتی

آفاقی رسول آتے ہیں تو عقلی دلائل اور معاشرے کے مشاہدات کے حوالے سے بات کرتے ہیں مظاہر فطرت کے حوالے سے بات کرتے ہیں جبکہ انفسی رسول کی تبلیغ خارج کی کسی چیز کے حوالوں پر مبنی نہیں ہوتی

حقیقت یہ ہے کہ عقلی دلائل سے کسی کو لاجواب کیا جا سکتا ہے اسے قائل کیا جا سکتا ہے مگر عقلی دلائل سے کسی کو عارف نہیں بنایا جا سکتا سچ تو یہ ہے کہ ایمان کے رسوخ کیلئے انفسی رسول کا مبعوث ہونا لازم ہے

جب بھی کسی انسان کے اندر کی دنیا میں ایمان کی جوت جلانا ہوتی ہے تو اللہ اس انسان کے اندر انفسی رسول کو مبعوث فرماتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک انفسی رسول من کی دنیا میں مبعوث ہو کر اپنی تبلیغ نہ کرے کسی آفاقی رسول کی تبلیغ اثر ہی نہیں کرتی کفار پر کسی نبی اور رسول کی تبلیغ کیوں بے اثر ہوتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے ان کے من میں کسی انفسی رسول کو مبعوث نہیں فرمایا تھا

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ یہاں بعثت سے مراد یہ نہیں ہے کہ باہر سے کوئی چیز اندر میں داخل کی جاتی ہے بلکہ آیت بتا رہی ہے کہ انفسی رسول انسان کے اندر ازل سے موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ شخص پہلے سے مومن ہوتا ہے مگر ایمان کا رسوخ وظہور اس میں نہیں ہوتا کیونکہ آیت کے الفاظ یہ ہیں

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيهِم

یعنی اللہ کا یہ احسان عظیم ہے کن لوگوں پر؟ مومنین پر

یعنی ایمان پہلے سے موجود ہے کہ جب ازل میں فرمایا گیا تھا الست بربکم؟ تو اس وقت اس میں ایمان رکھ دیا گیا تھا اور یہاں تو اس رسول انفسی کو باہر سے نہیں لانا بلکہ اندر سے ہدایت کیلئے مبعوث و بیدار کرنا ہے اور یہی احسان ہے اور یہ دراصل رسولِ ازل صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ظل و پرتوِ نور ہوتا ہے

اس لئے یہ ازلی ہے اور یہی سب سے بڑا ہادی ہے یہ آفاقی رسول سے زیادہ مؤثر

ہدایت فرماتا ہے کیونکہ آفاقی رسول انسان کے نفس کو متاثر نہیں کرسکتا ہاں جو انفسی رسول ہوتا ہے وہ من کے اندر عشق کی جوت جگاتا ہے اور عقل سے ماوریٰ دنیا دکھاتا ہے ہدایت وہی ہوتی ہے کہ جو اندر سے ہو ورنہ باہر کی کوئی ہدایت کسی کو مومن کامل نہیں بنا سکتی ہاں جس کے اندر انفسی رسول مبعوث ہو جاتا ہے اور وہ اندر سے بیٹھ کر تلاوتِ آیات کرتا ہے تو انسان کا تزکیہ نفس ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اس تزکیہ کے ثمرات میں اسے علم کتاب اور حکمت حاصل ہوتی ہے اور وہ انسان کے اندر عقلی دلائل سے بحث نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ عقل اور عقلی دلائل میں کوئی بھی معلم الملکوت سے نہیں جیت سکتا اس لئے وہ عشق کے دلائل لاتا ہے اور عشق کی ایک دلیل ہی اس کے سارے دلائل برباد کر دیتی ہے

انفسی رسول کا کام ہے عشق و مؤدت جگانا اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عشق و مؤدت رجاستِ شیطان سے ہمیشہ پاک و محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ شیطان انہیں نجس یا رجس آلود نہیں کرسکتا اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر عشق و مؤدت میں رجاست و نجاست کا ذرا بھر شائبہ بھی ہوتا تو اللہ اجر رسالت مؤدت کو قرار نہ دیتا کیونکہ آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین پر آیت تطہر وارد ہوئی ہے اور وہ بتا رہی ہے کہ ان سے رجس کو اللہ نے ہمیشہ سے دور رکھا ہے

محبت جو مؤدت کا ادنیٰ درجہ ہے اس کے نجس ہونے کا احتمال تھا اس لئے اسے اجر رسالت قرار نہیں دیا گیا بلکہ مؤدت کو اجر رسالت قرار دیا ہے اور یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مؤدت عشق کا ادنیٰ درجہ ہے اور شیطان کی رسائی الفت اور محبت تک ہے مؤدت اور عشق کے آسمانوں پر اس کا داخلہ ہمیشہ سے بند رہا ہے اور اگر کوئی شیطان اس

آسمان میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو نورِ الہی کا کوئی شہابیہ اسے برباد کردیتا ہے

خالق نے کلام مقدس میں بار بار ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے رسولا من انفسھم کسی جگہ فرمایا رسولا منکم یا رسولا منھم یافیکم وغیرہ یعنی ہم نے ان کے نفسوں میں رسول مبعوث فرمایا یا تم میں سے یا ان میں سے وغیرہ ان الفاظ کو دیکھتے ہوئے کچھ لوگوں کو اشتباہ ہوا ہے کہ اس سے مراد شہنشاہ انبیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں اور پھر اس اشتباہ پر انہوں نے اپنے ایک عقیدے کی عمارت بھی کھڑی کردی اور ایسے آیات کو وحدتِ نوع پر دلیل کے طور پر پیش کردیا یہاں وہ جناب مراد نہ تھے۔ بلکہ انفسی رسول مراد تھے نہ کہ آفاقی جب مراد ہی درست نہیں ہے تو دلیل خود بخود باطل ہو جاتی ہے اور اس طرح جو لوگ فیھم یا من انفسھم سے یا من انفسکم سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ہم سے تھے ان لوگوں کو اشتباہ ہوا ہے یا پھر وہ عمداً دشمنی کر رہے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے الفاظ میں اکثر مقامات پر اس رسول انفسی کا ذکر ہے کہ جو مومنین کے اندر مبعوث ہوتا ہے

میں نے اپنی ایک کتاب میں منکم منھم کے بارے میں ایک باب قائم کیا تھا اور ان کے دعوے کو درست فرض کے اس پہ بحث بھی کی تھی اور ثابت کیا تھا کہ اگر ان کا دعویٰ درست بھی مان لیا جائے تو بھی وحدت نوع کا نظریہ درست نہیں ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اصل مبلغِ دین رسولِ انفسی ہوتا ہے اور وہ بہت اہم ہوتا ہے وہی من انفسھم ہوتا ہے فیکم فیھم منکم منھم ہوتا ہے

اور اسے ہر آفاقی رسول اس دنیا میں آکر مبعوث نہیں فرما سکتا بلکہ وہ رسول یہ کام

کرتا ہے کہ جو کلی و حقیقی رسول ہوتا ہے اور یہ آپ جان چکے ہیں کہ کلی رسول صرف اور صرف شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے پھر ان کی نیابت کی وجہ سے آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات و السلام بھی معنوی رسول ہوتے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ رسالت تکوینی کے دو شعبے ہیں ایک رسول ملکی اور دوسرا رسول معنوی ہوتا ہے

رسول معنوی و تکوینی ہر زمانے کا حجت ہوتا ہے اس لئے وہ تکوینی امور پر متصرف ہوتا ہے یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہمہ پہلو رسالت کے حامل ہیں یعنی وہ کلی رسول بھی ہیں اور تکوینی و معنوی رسول بھی ہیں اور آفاقی رسول بھی ہیں اور ان کے پاس جملہ آئمہ اطہار علیہم الصلوات و السلام سے ایک اضافی عہدہ بھی ہے یعنی وہ تشریعی رسول بھی ہیں اس لئے جتنے آئمہ اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین دنیا میں منصب حجت پر آئے وہ ان کی شریعت کے ماتحت رہے اور ان کی شریعت قیامت سے بعد تک بھی جاری رہنا ہے مگر ہر حجت زمانہ معنوی رسول بھی ہوتا ہے اور انفسی رسول کو وہی مبعوث فرماتا ہے

جب تک کسی کے اندر انفسی رسول مبعوث نہیں ہوتا کماحقہٗ ہدایت نہیں پا سکتا کیونکہ کسی کے ایمان کیلئے صرف آفاقی رسول کافی نہیں ہوتا جیسا کہ بصارت ہو یا بصیرت دونوں کیلئے داخلی اور خارجی لوازمات ضروری ہیں جیسے ایک شخص کیلئے بینا ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ دیکھنے کیلئے خارجی روشنی کا ہونا لازمی ہے اور اسی طرح دیکھنے کیلئے صرف خارجی روشنی کا ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ بینا ہونا ضروری ہے اسی طرح اندر کی روشنی کو خارجی روشنی ہی بیدار کرتی ہے

انسان حقائقِ لطیفہ کو باہر سے نہیں سمجھ سکتا اس کے لئے اسے بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے

باہر کی تبلیغ شنیدہ ہی ہوتی ہے اس میں دیکھنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی کیونکہ باتیں کوئی چیز دکھا نہیں سکتیں ہاں من کا رسول جب نفس میں بیدار ہوتا ہے تو انوار الٰہی کا من میں مشاہدہ بھی کروا دیتا ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ کتابی علم اور تقلیدی اسلام کچھ بھی نہیں یہ تو سنی سنائی باتیں ہیں کیونکہ یقین تو پانے سے ملتا ہے سنی سنائی باتوں پر اکتفیٰ کرنے والوں کی دولت ایمان شیطان بہت جلد غارت کر دیتا ہے میدانِ علم میں کوئی شیطان سے نہیں جیت سکتا اس لئے دولت علم و عقل ہمیشہ شیطان کی زد میں رہتی ہے آپ دیکھیں بڑے بڑے عقل منداور بڑے بڑے علما ہی شیطان کے آلہ کار بن جاتے ہیں ہاں جس کے من میں انفسی رسول عشق کی جوت جگا دیتا ہے اور وہ اندر سے تبلیغ کا کام شروع کر دیتا ہے تو پھر شیطان کی کوئی چال اسے گمراہ نہیں کرسکتی یہی عشق ہی مؤدت ہے جو پاک و پاکیزہ دولت ہے کہ جو شیطان کی دست برد سے پاک ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر اس دولتِ مؤدت و عشق کے نجس ہونے کا کوئی خطرہ ہوتا تو اجر رسالت اسے قرار نہ دیا جاتا کیونکہ صاحبانِ تطہیر سے ہر رجس دور ہے اس لئے ان کے لئے وہ اجر قرار دیا گیا کہ جو کبھی بھی رجس آلود نہیں ہوسکتا

دوستو قرآن کریم کی ایک ایک آیت کے ستر ستر ہزار معنی ہوتے ہیں بلکہ ایک ایک لفظ کے اتنے ہی معنی بیان ہوئے ہیں اسی طرح ایک آیت ہے کہ جس کے ظاہری معنی بھی بجا ہیں مگر اس کے باطنی معنی ہمیشگی کے حامل ہیں ارشاد ہے

یـاَیُّهَـا الذِینَ آمَنُوا لا تَرفَعُوا اَصوَاتَکُم فَوقَ صَوتَ النَّبِیِّ وَلا تَجهَرُوا لَهٗ

بِالقَولِ کَجَھرِ بَعضَکُم بِبَعضٍ اَن تَحبَطَ اَعمَالُکُم وَ اَنتُم لا تَشعَرُون ()

اس آیت کے ایک معنی تو زمانۂ سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک محدود ہیں یعنی وہ یہ ہیں کہ اے ایمان والوتم اپنے نبی کی آواز مبارک سے اپنی آواز بلند نہ کرو اور نہ ہی ان سے اس لہجے میں کلام کرو جیسا کہ تم آپس میں جائز رکھتے ہو کہیں ایسا نہ ہو تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں شعور تک نہ ہو

اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے من کے اندر کے رسول کے احکام کی سرتابی نہ کرو کیونکہ اس کی نافرمانی بھی ایک طرح سے اس سے اپنی آواز بلند کرنے کے مترادف ہے اور اسی سے تمہارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں

انسان کے من کے اندر جو رسول ہے وہ ایک طرح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا نمائندہ ہوتا ہے گویا وہ نہیں بولتا بلکہ شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی کلام فرماتے ہیں اس لئے وہ جن جن چیزوں سے روکتا ہے ٹوکتا ہے وہ انہی کے نمائندے کی حیثیت سے ٹوکتا ہے اب اگر اس آواز سے اپنی آواز بلند کر لی تو پھر اعمال خیر برباد ہو جائیں گے اور شعور تک نہ ہوگا

وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم

اللہ ان لوگوں پر عذاب کرنے والا نہیں ہے کہ جن کے اندر آپؐ جناب موجود ہیں

اس آیۂ مبارکہ کے معنی یہ لئے جاتے ہیں کہ جس جماعت میں آپ موجود ہوں انہیں اللہ عذاب نہیں دیتا جب کہ آیات سے ثابت ہے اللہ نے کفار سے جنگ کی وجہ بھی یہی فرمائی کہ قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم یعنی ان سے جنگ کرو کیونکہ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دینا چاہتا ہے

اسی طرح مختلف جنگوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے کفار کوتلوار کے عذاب سے معذب فرمایا حالانکہ جس جنگ میں کفار اور مومنین ہوتے تھے ان دونوں لشکروں میں آپؐ موجود تھے اور عذاب بھی آیا

کچھ لوگوں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ جس امت میں آپ موجود ہوں انہیں اللہ عذاب نہیں دیتا مگر قرآن گواہ ہے کہ حارث بن نعمان فھری جیسے کئی لوگ معذب ہوئے امت کے کئی لوگ مسخ بھی ہوئے بات صرف اتنی تھی کہ ترجمہ کرنے والوں کو" فیھم " کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی ورنہ آیت میں فیھم کے معنی ہیں کہ جن لوگوں کے اندر آپؐ موجود ہیں جن کے من کے اندر آپؐ سما گئے ہیں انہیں اللہ عذاب نہیں دیتا حقیقت یہ ہے کہ انفسی رسول ان کی ذات اقدسؐ ہی کا ایک پرتو ہوتا ہے اس لئے اس کی موجودگی دراصل شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی موجودگی ہی ہوتی ہے کیونکہ وہ حجتِ زمانہ کا نمائندہ ہوتا ہے اور حجت زمانہ وہی ہوسکتا ہے جو شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا نائب ومختیارکلی ہو

معنوی رسول

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معنوی رسول کیا ہوتا ہے؟

دوستو دنیا میں انسان کی ہدایت کیلیۓ جتنے انبیا ورسل علیہم السلام تشریف لائے وہ اللہ کے نمائندے تھے مگر حقیقتاً وہ سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نمائندے تھے کیونکہ نبی ورسول حقیقی وکلی وہی جناب ہیں

اب یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اللہ کا جو نمائندہ آتا ہے اس کی کئی صفات ہوتی ہیں یا حیثیتیں ہوتی ہیں اس کی ایک حیثیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا ہے اور

اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ عالمِ غیب کی خبریں دیتا ہے اللہ، ملکوت ، جنت ، قبر، حشر قیامت ، دوزخ وغیرہ کے اخبار پیش کرتا ہے اس لئے اسے نبی بھی کہا جاتا ہے یہ تو آپ کو بتایا جاچکا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا یہ بھی ہے کہ لفظ نبی نبا سے مشتق ہے نبا کا عام طور پر خبر کے لفظ سے ترجمہ کیا جاتا ہے مگر ان کے مابین فرق ہے

خبر و نبا میں یہ فرق ہے کہ خبر ہمیشہ عالمِ محسوس سے تعلق رکھتی ہے اور نبا عالمِ غیر محسوس سے متعلق ہوتی ہے

یہ بھی عرض کردوں کہ اسلام کی رو سے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آئے اور عیسائیت کی رو سے ایک لاکھ چوالیس ہزار نبی آئے مگر ان میں سے رسول صرف تین سو تیرہ 313 ہی تھے یہ بھی ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا اسی طرح ہر نبی ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا

ان تین سو تیرہ رسولوں میں سے اولی العزم سات 7 یا نو 9 رسول تھے اور ان میں سے صاحب شریعت صرف پانچ 5 رسول تھے اور ابدی و کلی شریعت صرف ایک شہنشاہ کی ہے

یہ بھی عرض کردوں کہ اللہ کے نمائندوں کے بھیجنے کا کوئی واحد مقصد نہیں ہوتا جیسا کہ ایک بادشاہ کئی لوگوں کو کئی کاموں کیلئے بھیجتا ہے مثلاً

کچھ عطا کرنے کیلئے' کچھ لینے کیلئے' کچھ شریف شہریوں یا رعایا کی حوصلہ افزائی کیلئے' برے لوگوں کو ڈرانے کیلئے' اپنے تازہ بہ تازہ احکامات سے آگاہ کرنے کیلئے' اپنی نصرت یا مدد کے بلانے کیلئے غرض سینکڑوں مقاصد ہو سکتے ہیں اسی طرح ماضی میں

جتنے نمائندگانِ الٰہی آئے وہ مندرجہ بالا کاموں کیلئے ہی ارسال فرمائے گئے مگر ایک رسول کے بارے میں فرمایا

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ...... (سورہ توبہ 33)

یعنی اللہ وہی تو ہے کہ جس نے اپنے رسول کو دو چیزیں دے کر بھیجا ھدیٰ اور دینِ حق تا کہ وہ (ادیان پر نہیں) پورے کے پورے دین پر غالب و ظاہر ہو جائے چاہے مشرکین اس سے کتنی ہی کراہت کیوں نہ کریں

یہ آیت تین مقامات پر نازل ہوئی ہے سورۂ توبہ اور سورۂ الصّف میں بعینہٖ اسی طرح آئی ہے مگر سورہ الفتح میں ولو کرہ المشرکون کے الفاظ کے بجائے ہے وکفیٰ باللہ شھیدا ہے کہ اللہ اس کی گواہی کیلئے کافی ہے

باقی جتنے رسول آئے ہیں ان کے بارے میں ہے وہ ہدایت کیلئے آئے ہیں بشیر و نذیر بن کر آئے ہیں اور انہیں صرف پیغام پہنچانے تک محدود رکھا گیا تھا تا اینکہ سرور انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی فرمایا دیا وما علینا الا البلاغ ہمارا کام صرف پیغام پہنچانا ہے اسی طرح فرمایا کہ ہم دین کسی پر مسلط فرمانے نہیں آئے اور نہ ہی کسی کے ذمہ دار ہیں اور جملہ انبیاعلیھم السلام کا یہی ماٹو Motto تھا کہ لا اکراہ فی الدین کہ دین میں جبر نہیں ہے

مگر اس رسول کے ذکر کے ساتھ اللہ جل جلالہ یہ نہیں فرماتا کہ اس کے آنے بعد بھی کسی کو دینی آزادی ہوگی کہ دین کو قبول کرے یا نہ کرے اور ان آیات میں صرف خبریں سنانے اور احکام بتانے کی بات بھی نہیں ہو رہی ہے بلکہ عملی غلبہ اور اظہار کی

بات ہورہی ہے کیونکہ یہ رسول تشریعی نہیں ہے کہ جس کا کام شریعت اور دین کا بیان کرنا ہوتا ہے بلکہ یہ رسول معنوی وتکوینی ہے کہ جس کا کام نفاذ ہی نفاذ ہوتا ہے اور اس کی رسالت سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رسالت کا ظل ہوگی اوران کی ذات سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی جزوذات ہوگی مگران کے مابین یہی فرق ہے کہ وہ تشریع تک پابند تھے یہ ان کے دین کو کامل فرمانے والے ہیں اور تکمیل کیلئے چاہے جوبھی کرنا پڑے گا یہ کریں گے یہ رسول کون ہیں؟ یہ ہیں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اور رسول ان کے قرآنی اسمائے مبارکہ میں سے ایک ہے

آپ تاریخِ تبلیغ دیکھیں اورقرآن کریم کا بغور جائزہ لیں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا ورسل تشریف لائے سب میں ایک بات مشترک تھی وہ یہ ہے کہ ان کا Motto ماٹو تھالا اکراہ فی الدین یعنی دین میں کوئی جبرنہیں ہے جو دین قبول کرے کرے اگر نہ کرے تو نہ کرے کیونکہ کام اتمام حجت تھااللہ کا پیغام پہنچانا تھاما علینا الا البلاغ سے آگے وہ کچھ نہیں کرسکتے تھے کیونکہ ان پر یہ پابندی تھی کہ انہوں نے آگے کچھ نہیں کرنا ہے شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی یہی کچھ فرمایا ہمارا کام تم تک دین پہنچانا ہے اس سے آگے ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے ہم نے سارے لوگوں کی نجات کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا

مگراس رسولِ حق عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ یہاں تو غلبہ ہی غلبہ ہے اظہار ہی اظہار ہے اور دین کا نفاذ ہی نفاذ ہے یہاں تو مجبوراً سب کوراہ راست پرآنا پڑے گا ورنہ جہنم جانا پڑے گا ان سے اس دنیا میں رہنے کا حق چھین لیا جائے گا کیونکہ جواس دور میں حق کو قبول نہیں کرے گا تو اسے اس دنیا

میں رہنے کا کوئی حق رہے گا ہی نہیں

دوستو اس بات پر بھی غور کریں کہ یہاں لفظ استعمال ہوا ہے لیظھرہ یہاں لیغلبہ نہیں فرمایا گیا اس کی وجہ بھی بیان کیئے دیتا ہوں کہ اظہار اور غلبے میں یہ فرق ہے کہ غلبے کی صورت میں فریقِ مخالف دب جاتا ہے شکست مان لیتا ہے مگر اس کا وجود باقی رہتا ہے جیسا کہ دو پہلوان آپس میں کشتی لڑتے ہیں ایک غالب آ جاتا ہے اور دوسرا شکست کھا جاتا ہے اس میں ایک فیصلہ تو ہو جاتا ہے مگر اس میں مخالف کا وجود باقی رہتا ہے یعنی مخالف پہلوان سامنے موجود رہتا ہے اس کا وجود باقی رہتا ہے مگر اظہار میں فریقِ مخالف کا وجود ہی نہیں رہتا جیسا کہ سورج جب ظاہر ہوتا ہے تو اس کے اظہار کے ساتھ ہی تاریکی کا وجود ہی معدوم ہو جاتا ہے اور اندھیرے کا وجود ہی نہیں رہتا اسی طرح اللہ نے اس رسولِ حق عجل اللہ فرجہ الشریف کو بھیجنے کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے کہ لیظھرہ علی الدین کلہ یعنی پورے کے پورے دین پر اسے ظاہر کیا جائے

اس آیت میں آپ غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ سارے دینوں پر اسے غلبہ بخشا جائے گا بلکہ فرمایا یہ ہے کہ سارے دین پر اسے اظہار دیا جائے گا یہاں دین کے جمع ادیان نہیں لایا گیا بلکہ واحد کا صیغہ لایا گیا ہے یعنی دین اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے جناب آدم سے لے کر خاتم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک دین ایک ہی ہے اور اس کا نام ہے اسلام ہاں جو اس کے علاوہ ہے وہ دین نہیں بے دینی ہے

ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف نے بے دینی کا تو پہلے ہی خاتمہ کر دینا ہے کیونکہ جب آپ تورات کے الواح ظاہر فرمائیں گے تو یہود میں سے تیس ہزار سے زیادہ لوگ ان پر ایمان لائیں گے اور ان الواح کا ظہور بھی اس لئے فرمائیں گے کہ دیکھو دین ایک ہے اس کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو جو حق پرست عیسائی ہوں گے وہ بھی دائرہ اسلام میں آ جائیں اور سمجھ جائیں گے کہ اللہ کا دین ایک ہی ہے سارے دینوں کے جو اہل حق ہوں گے انہیں ایک دین پر لایا جائے گا ہاں ایک مسئلہ پھر بھی رہے گا کہ اہل اسلام میں جو دین کے حصے بخرے ہو چکے ہیں ان کا بھی خاتمہ فرمانا لازم ہوگا اور ان کے زمانے میں اسلام ایک دین ہوگا اور اس دین پر آپ ظاہر و غالب ہوں گے یعنی اسلام میں بھی وہی دین باقی رہے گا جو ان کا دین ہوگا اور جو ان کے مخالفوں کا اسلام ہوگا وہ بے دینی شمار ہوگا جس کا انجام جہنم ہوگا اور اس کے لئے بھی ان کی طبعی موت کا انتظار نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں فوراً ان کے اصلی ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے گا اور اس طرح دین کامل کیا جائے گا

یہاں ایک اشتباہ کو رفع کرنا بھی ضروری ہے بعض لوگ کہتے ہیں آخری حج کے بعد مقام خم غدیر پہ اعلان ولایت ہوا اس کے اعلان کے بعد فرمایا گیا

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً...... (سورہ مائدہ 3)

آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل فرما دیا ہے اور میں نے تم پر اپنی نعمت کو کامل فرما دیا ہے اور میں تمہارے لئے دین اسلام پر راضی ہو گیا ہوں یعنی میں نے تمہارا دین اسلام قرار دے دیا ہے

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کوئی کہہ سکتا ہے کہ دین تو وہاں مکمل ہو گیا تھا اب اس کی مزید تکمیل کی کیا ضرورت ہے؟

ایسی سوچ رکھنے والے لوگ وہی ہیں کہ جو احکام فقہ کو ہی دین سمجھتے ہیں

ان مہربانوں کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش کروں گا کہ کیا احکام دین مکمل فرما دئے گئے تھے؟

اگر آپ کا دعویٰ درست ہے تو پھر اجتہاد کا دروازہ کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟

کیونکہ چاروں آئمۂ فقہ کا زمانہ ایک صدی بعد کا ہے یہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد یہ اجتہاد کی اور مجتہدین کی کیا ضرورت تھی؟

یہ اجتہاد کی مسند بتا رہی ہے کہ دین مکمل نہیں ہوا تھا

یہ آئمۂ فقہ کا آپس میں جو اختلاف ہے یہ بھی بتا رہا ہے کہ دین ناقص حالت میں موجود ہے

اور اس بات سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا کہ ہمارے پاس جو احکامِ فقہ ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ منطقہ حارہ سے آگے کوئی حکم نفاذ پذیر نہیں ہوتا مثلاً

قطبین پہ چھ ماہ کی رات ہوتی ہے چھ ماہ کا دن ہوتا ہے وہاں ماہ رمضان کے احکامات کیا ہوں گے؟ کیا کسی حدیث میں ان کے بارے میں کوئی بات موجود ہے؟

جدید دور کے مجتہدین نے اگر چہ قیاس کے ذریعے ان مسائل پہ بات کی ہے مگر پھر بھی خلا اور چاند ستاروں پر نماز و روزے کے احکام تو ابھی دریافت بھی نہیں ہوئے

کیا اس صورت میں بھی ہم دینِ اسلام کو کامل سمجھیں گے؟

صاف ظاہر ہے کہ یہ دین ابھی تک نامکمل و ناقص ہے اور اللہ نے تو آنے والے

رسول کے ذریعے کامل دین کو اظہار و غلبہ دینا ہے نہ کہ اس ناقص دین کو پوری زمین پر رائج و نافذ فرمانا ہے

کئی لوگ ممکن ہے ختم نبوت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہیں کہ کیا یہ تصور ختم نبوت کے منافی تو نہیں ہے؟

میں ان کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ اللہ نے شہنشاہ انبیاصلی الله علیه و آلہٖ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا ہے خاتم المرسلین نہیں فرمایا اور یہ بھی ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف تشریعی رسول نہیں ہیں کہ کوئی نئی شریعت لائیں گے بلکہ وہ معنوی رسول ہیں جو کہ شہنشاہ انبیاصلی الله علیه و آلہٖ وسلم کی شریعت ہی کو کامل طور پر نافذ فرمائیں گے

ویسے تو ہر دور میں اسلام کے نفاذ کی بات ہوتی رہی ہے مگر حقیقی اسلام نافذ ہو ہی نہیں سکا ہاں انہوں نے دین لانا نہیں اسی کو کامل کر کے نافذ فرمانا ہے جو باتیں اور جو احکام و روایات اور راویوں کی نظر ہو چکے ہیں اور رواۃ احادیث ان کی ناسمجھیوں کی وجہ سے متنازعہ ہو چکے ہی ان کو رسول اکرم صلی الله علیه و آلہٖ وسلم کی منشا و مقصد کے مطابق پیش کر کے نافذ کیا جانا ہے اس لئے ختم نبوت کا جو تصور یا عقیدہ ہے وہ حق ہی رہتا ہے اور اسے اس سے کوئی ذق نہیں پہنچتی

دوستو یہاں یہ بھی واضح کرنا ضروری لگتا ہے کہ ہدیٰ کیا ہے؟ کیونکہ ہمارے آخری رسولِ حق عجل الله فرجه الشريف کے بارے میں ہے کہ

هُوَ الَّذِیٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُ بِالۡهُدَی وَدِيۡنِ الۡحَق

یعنی ایک تو وہ ہدیٰ اپنے ساتھ لائیں گے اور دوسری چیز ہے دین الحق کہ ان دو چیزوں ہی کو اظہار و غلبہ حاصل ہوگا؟

جب کسی شخص نے باب الحوائج شہنشاہ معظم امام موسیٰ کاظم علیہ الصلوات و السلام کی بارگاہ میں یہ آیت تلاوت کی اور اس کی تفسیر چاہی

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدَى……(سورہ طہ 82)

قال موسیٰ ابن جعفر علیهما الصلوات و السلام الیٰ ولایتنا

فرمایا کہ ہدیٰ ہماری ولایت کی طرف رہنمائی کا نام ہے

یعنی ان کے احکامات میں جو چیز اولیت کی حامل ہے وہ ولایت محمدؐ وآل محمدؐ علیھم الصلوات و السلام ہے

آیت کا آخری حصہ ہے ولو کرہ المشرکین اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین کون ہیں؟

بس اتنا عرض ضرور کروں گا کہ و لو کرہ المشرکین میں ان لوگوں کا ذکر ہے کہ جو امر ولایت میں غیر کو شریک سمجھتے ہیں

فرمایا یہ جا رہا ہے کہ مشرکین ولایت چاہے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ کریں وہ رسولِ حق عجل الله فرجه الشريف اپنا دین نافذ کر کے رہیں گے

اب وقت ہے ہم مل کر یہ دعا کریں کہ اب اللہ کا دین اس دنیا پر جلدی نافذ ہو اور آخری رسولِ حق عجل الله فرجه الشريف کی حکومت اس دنیا پر جلدی ظاہر ہو

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجعمين من يوم الازل الى يوم الدين

لَو اَنَّ لِی بِقُوَّةٍ اَو اٰوِی اِلیٰ رُکنِ الشَّدِید (۸۰) هود

اے صرّافانِ دُر ھائے عرفان

عرفان ایک ایسا قطرۂ ابرِ نیساں ہے جو صدفِ ذہن کی سطحِ فکر پر آنے کا انتظار نہیں کرتا عرفان ایک ایسی بے نیاز حقیقت ہے جو قطرہِ نیساں کے منتظر صدف کے کھلے ہوئے دہن کو شرف بخشتی ہے اور صدف کے دہن کھولنے تک کے انتظار کی زحمت کو بھی گوارا نہیں کرتی اس لئے عرفان و معرفت کے حصول کے لئے انسان کو ہمہ وقت تیار رہنا چاہیئے تا کہ ہر فقرہ دُرجِ فکر میں جِلا پا کر گوہرِ مراد بن جائے

عرفان کی منزل کو حاصل کرنا ہر انسان کی آخری خواہش رہی ہے کیونکہ عرفان کی ترقی ہی انسان و انسانیت کی ترقی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ کچھ لوگوں نے سفرِ عرفان

مادیت سے شروع کیا ہے کچھ لوگوں نے نفسانیت سے اور کچھ لوگوں نے روحانیت سے یہ سفر شروع کیا ہے

غرض انسان تحقیق و تدقیق کے میدان میں ہمہ وقت مصروفِ جوالان ہے جس طرح مغربی دنیا مادی ترقی کر رہی ہے مگر یہ ترقی بھی اسی منزل کی طرف ایک سفر ہے جو روحانیت کی منزلِ مقصود ہے روحانیت بھی اس منزل کی راہی ہے کہ اسے حاصل کرے کہ جو اس کائنات میں (قوتِ واحدہ) ہے اور مادیت بھی اس مبدۂ قوت کو تلاش کر رہی ہے جو من حیث الکل ایک وحدت ہے اور جو نا قابلِ تقسیم ہونے کے باوجود پوری کائنات میں سرایت پذیر ہے ایک عجیب بات یہ ہے کہ کفر و اسلام باوجود اختلافِ عقائد و نظریات ایک ہی سمت میں سفر کر رہے ہیں جو جہاں تھا وہیں سے اس نے سفر شروع کر دیا اور منزل کی طرف قدم بڑھانے لگا اور یہ منزل عرفاء کے نزدیک منزلِ معلوم ہے اور غیر عارف کے لئے منزلِ نا معلوم

مگر عجیب بات یہ ہے کہ منزل بھی غیر معلوم ہے اور سفر بھی مسلسل و متصل ہے اس کی وجہ لاشعوریت نہیں بلکہ یہ سفر شعوری طور پر صرف جذبۂ استفہام و حیرتِ طفلی کے پیشِ نظر جاری ہے یعنی انسان اپنی فطری جستجو کے پیشِ نظر آگے بڑھ رہا ہے یہی فطری تجسس ہے جس کے ماتحت انسان مختلف مراحل کو عبور کر رہا ہے یہ فطرت کا کرم ہے کہ جو ایک اندھے بھکاری کو لاشعوری طور پر کسی کریمؐ کے درِ دولت کی طرف رواں دواں رکھے ہوئے ہے

یہ تو حقیقت ہی ہے کہ سمت کا درست ہونا منزل کو قریب کر دیتا ہے

جہاں انسان کا مخفی طور پر یہ سفر ایک خاص منزل کی طرف جاری ہے وہاں اس کے

کچھ ظاہری اسباب و علل بھی ہیں جو اس سفر کو صرف قائم ہی نہیں رکھے ہوئے بلکہ اس میں مسلسل تیزی بھی پیدا کر رہے ہیں اس کا اعتراف اسی منزل کے ایک اہم مسافر کی زبان سے اس طرح ہوتا ہے کہ جب مشہور مغربی سائنس دان سر آئزک نیوٹن سے سائنسی ترقی کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا ہم جب کسی نا معلوم کو معلوم کر کے تجربات سے گزارتے ہیں تو دس نا معلوم ایسے ہوتے ہیں جو دائرہ معلوم کو چھو لیتے ہیں پھر ہم جب ان نا معلوموں میں سے کسی کو معلوم کر کے تجربات سے گزارتے ہیں تو پھر اس ایک نا معلوم سے دس نا معلوم اور معلوم کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں تو اسی طرح ہر نا معلوم دس سے ضرب کھاتا چلا جاتا ہے اور یہ اس طرح پھیلتا چلا جاتا ہے کہ اس کے اختتام کا گمان تک محال ہو جاتا ہے

اس بات کو اس طرح مزید واضح کیا جا سکتا ہے کہ جب سائنس آنکھ کھولتی ہے تو سامنے ایک بند دروازہ نظر آتا ہے اب اس دروازہ کو کھولنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ کھلتا ہے تو اس کے پیچھے دس اور بند دروازے نظر آتے ہیں پھر جب ان دس میں سے ایک دروازے کو کھولا جاتا ہے تو اس کے پیچھے مزید دس بند دروازے نظر آتے ہیں اور اس طرح یہ سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے اور آتشِ شوق بڑھتی چلی جاتی ہے اور انسان کی فطری جستجو کو مشغلۂ عقدہ کشائی میسر آتا رہتا ہے یہی بند دروازوں کو کھولنے کا عمل سائنسی ترقی کہلاتا ہے ترقی کا یہ سفر ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک کے سفر کا نام ہے جو لمحہ بہ لمحہ طے ہو رہا ہے

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح یہ دروازے بڑھتے جا رہے ہیں اسی طرح ایک مقام پر آ کر یہ دروازے سمٹنا شروع ہو جائیں گے اور ان بند دروازوں کے پیچھے بالآخر

ایک ایسا دروازہ ضرور آئے گا جس کے پیچھے کوئی کریمؐ جلوہ افروز ہوگا اور وہ ان جوئندگانِ ہستی کو خزانۂ مراد سے مالامال کردے گا فی الحال دروازوں کو کھولنے کا عمل جاری ہے اور یہی سفرِ ترقی ہے

اب ایک مثال سپردِ قلم کرتا ہوں کہ آج سے برسوں پہلے ایک صاحبِ جستجو کو ایک بند دروازہ نظر آیا اس نے اسے کھولنا چاہا تو وہ دروازہ برسوں کی محنت کے بعد مشکل سے کھلا تو اس نے لوگوں کو بتایا کہ ہر مادی چیز چھوٹے چھوٹے ذرات پر مبنی ہے یہ ذرات خوردبینی ذرات کہلاتے ہیں اور انہیں انگلش میں Molecules کہتے ہیں یہ اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ایک سوئی کے ناکے سے کروڑوں گزر سکتے ہیں اگرچہ ہر چیز کے Moecules ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں مگر ان کی جسامت میں تھوڑا ہی فرق ہوتا ہے کیونکہ ہر مرکب کے Molecules رنگ جسامت وزن شکل اور ساخت میں جداگانہ ہیں مگر پھر بھی وہ اتنے ہی چھوٹے ہوتے ہیں کہ انہیں خوردبین Microscope کے بغیر دیکھنا محال ہوتا ہے ہوا کے Molecules اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ وہ انسان کے ایک سانس کے ساتھ عربوں کی تعداد میں پھیپھڑوں میں پہنچ جاتے ہیں اب یہ دروازہ تو دکھانے والے نے دکھا دیا اب پوری سائنسی دنیا نے انہیں کھولنے کی کوشش شروع کردی اب مادے کی تین حالتوں یعنی (ٹھوس مائع اور گیس) کے Molecules کی مختلف حالتوں کو پرکھا جانے لگا اب معلوم ہوا کہ مائع اور ٹھوس کے Molecules میں کیا فرق ہے گیس اور مائع کے Molecules میں کیا فرق ہے ان پر حرارت کا کیا اثر ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اس طرح دس بند دروازے اور سامنے آگئے یعنی Molecules کی دریافت کے بعد

ان کی باہمی کشش دریافت ہوئی پھر کشش کا پیمانہ ٹھوس مائع اور گیس میں جدا گانہ ملا پھر Molecules میں حرکت دریافت ہوئی پھر اس حرکت کو مادے کی تین حالتوں پر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھوس کے Molecules مائع سے کم حرکت کرتے ہیں اور مائع کے گیس سے کم متحرک ہوتے ہیں پھر باہمی کشش کی زیادتی کو حرکت کی کمی کا باعث قرار دیا گیا پھر Molecules کے مابین فاصلوں کو دیکھا گیا اور فاصلوں کو گیس سے مائع اور مائع سے ٹھوس میں کم پایا گیا پھر کشش کی کمی کو فاصلوں کے بڑھنے کا باعث قرار دیا گیا پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ مادے کے Molecules کی شکل تینوں حالتوں یعنی (ٹھوس مائع گیس) کی صورت میں بھی ایک رہتی ہے پھر یہ حقیقت سامنے آئی کہ مادہ جب ٹھوس ہوتا ہے تو اس میں شکل اور حجم باہمی کشش کی وجہ سے برقرار رہتے ہیں اس لئے ٹھوس کو توڑنا قوت مانگتا ہے مگر مائع میں حجم تو برقرار رہتا ہے مگر باہمی کشش کی کمی کی وجہ سے شکل برقرار نہیں رہتی چاہے جس شکل کے ظرف میں ڈالو اسی کی شکل میں ڈھل جاتا ہے کیونکہ باہمی کشش کی کمی اور باہمی فاصلہ کی زیادتی کی وجہ سے مادہ شکل برقرار نہیں رکھ سکتا اور جب یہ گیس کی صورت میں ہو تو باہمی کشش برائے نام رہ جاتی ہے اور Molecules کا باہمی فاصلہ بہت بڑھ جاتا ہے

اس لئے یہاں مادہ نہ تو شکل برقرار رکھ سکتا ہے اور نہ حجم پھر اس کے بعد Molecules پر حرارت کے اثرات کا جائزہ لیا گیا تو یہ ثابت ہوا کہ حرارت سے Molecules میں حرکت بڑھ جاتی ہے اور اس طرح مادے کا آخری درجہ حرارت بھی سامنے آیا اور اس کی مطلق صفر کو معلوم کیا گیا جو منفی 273 ڈگری سنٹی گریڈ تھی

یعنی اگر کسی مادے کو 273 ڈگری سنٹی گریڈ منفی تک سرد کیا جائے تو Molecules کی حرکت رک جاتی ہے گو عملی طور پر سائنس کسی جسم کو منفی 273 ڈگری سینٹی گریڈ تک نہیں لے جاسکتی مگر پھر بھی یہ صفر مطلق کہلاتی ہے ہاں اس دور میں کئی سیارے ایسے دریافت ہوئے ہیں کہ جن کا درجہ حرارت لاکھوں سینٹی گریڈ مائینس ہے مگر اس دنیا میں فی الحال کسی چیز کو مطلق صفر تک نہیں لایا جاسکا

یہ تھا وہ پہلا دروازہ جو کھلا اور اس کے اندر دیکھئے کتنے بند دروازے اور تھے اس ایک دروازے کے کھلنے سے جو کئی دروازے سامنے آئے ان میں سے Molecules کی کیمیاوی ترکیب بھی تھی اب اس دروازے کو کھولنے کی کوشش ہونے لگی اور جب یہ دروازہ کھلا تو پتہ چلا کہ ہر Molecule کئی باریک ترین عناصر سے مل کر بنا ہے اسے ایٹم Atom کا نام دیا گیا اب یہ بات سامنے آئی کہ ایٹم Atom مادہ کا سب سے چھوٹا ذرہ ہے جو نا قابلِ تقسیم ہے اور نظر بھی نہیں آ سکتا یہ کتنا چھوٹا ہوتا ہے اس کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک گرام ہائیڈروجن میں گیس کے اتنے ذرے ہوتے ہیں کہ اگر ہم انہیں ہندسوں میں ظاہر کرنا چاہیں تو ہمیں 6 کے ساتھ 23 صفریں لگانا پڑیں گی

اب یہ دروازہ کیا کھلا کہ ایک نئی اور پراسرار دنیا کھینچ کر سامنے آ گئی ایٹم کے راز کھلنے لگے کیمسٹری Chemistry کی دنیا آباد ہوگئی نئی کائنات مل گئی ایک سو گیارہ 111 کے قریب ایلیمنٹ Elemints یعنی بنیادی عناصر تلاشے گئے ان کی دریافت پر سائنس نے اعلان کیا کہ یہ کائناتِ بسیط بنیادی طور پر ایک سو گیارہ سے زیادہ اقسام کے عناصر Atomes سے بنی ہوئی ہے اور انہی کی کیمیاوی ترکیب سے ہر

چیز وجود میں آ گئی ہے اور اس طرح کیمسٹری کے ریاضیاتی فارمولے وضع ہو گئے یعنی H_2O سے مراد یہ ہے کہ ایک ایٹم آکسیجن کا اور دو ایٹم ہائیڈروجن کے مل کر ایک Molecule بنائیں تو یہ پانی کا Molecule ہو گا یعنی پانی میں یہی دو عناصر کارفرما ہیں

اسی طرح مختلف ایٹموں کے مختلف تناسب سے مختلف اشیاء عالمِ وجود میں آئیں یہ ایک دروازہ کیا کھلا کہ ہزاروں سربستہ راز سامنے مسکرانے لگے شاہدِ حقیقت بے نقاب ہو کر رہ گیا

اس ناقابلِ تقسیم ذرے نے پوری کائنات کے Elemints عناصر کو سمجھنے کا شعور دے دیا مگر یہ خود ایک بند دروازہ رہا لیکن حیرتِ طفلی اس بات پر بھی غور کرنے لگی کہ آخر یہ کس چیز سے بنا ہے؟ اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟

اس میں کون سی چیز فعال و کارفرما ہے؟ آخر یہ کس چیز سے بنا ہے اور یہ دروازہ کھلنے کا نام کیوں نہیں لیتا؟

آخر سائنس کی تین پشتوں کی محنت نے اپنا اثر دکھایا اور اس ناقابلِ تقسیم ذرے کو توڑ دیا گیا اور یہ دروازہ کیا ٹوٹا کہ انسان کی آنکھیں اس کی چکا چوند سے خیرہ ہو گئیں منزل کی طرف جو سفر بڑی سست رفتاری سے جاری تھا اس میں بڑی تیزی آ گئی اس دروازے کے اندر جھانک کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک مرکزہ Nucleus ہے الیکٹرون Electron ہیں کہ جن میں منفی Negetive چارج ہے پھر ان میں حرکت اور رفتار دریافت ہوئی Electron کا بہت ہی کم وزن ہوتا ہے یعنی اس کے باقی دو اجزاء جو ایٹم میں ہیں یعنی Proton پروٹان اور

Neutron نیوٹران سے یہ ایک ہزار آٹھ سو بیالیس 1842 گنا کم وزن کا حامل ہوتا ہے ایک ایٹم کے درمیان نیوکلس Nucleus ہوتا ہے جو مرکز ہے گویا یہ نظامِ شمسی کا ایک بہت ہی چھوٹا سا ماڈل Modle ہے نیوکلس Nucleus (مرکزہ) مرکزی سورج ہے اور الیکٹرون نیوٹران اور پروٹان یہ نظامِ شمسی کے سیارے ہیں جو مرکز کے گرد چکر لگاتے ہیں ان سیاروں میں ایک برقی چارج Electric Charge ہوتا ہے

منفی برقی چارج دوسروں کو باہر دھکیلتا ہے (اپنے سے دور کرتا ہے) اور مثبت اپنی طرف کھینچتا ہے یہ جاذبہ اور دافعہ کی کشمکش ان ذرات کو مربوط کیئے رہتی ہے جیسے ایک آدمی کے پاس ایک لاٹھی ہو اور دوسرا آدمی اس کی طرف بڑھنا چاہتا ہے تو لاٹھی والا اس کے سینے پہ لاٹھی رکھ کر اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرا شخص سینے سے لگی لاٹھی کی پرواہ نہیں کرتا اور اس شخص کے قریب آنے کی پوری کوشش کرتا ہے

اندر والے کی باہر آنے کی کوشش اور باہر والے کی اسے اندر نہ آنے دینے کی سعی ان دونوں میں اعتدال پیدا کرتی ہے دونوں ادھر ادھر گھومتے ہیں مگر ٹکراتے نہیں اور نہ ہی ایک دوسرے سے دور جا سکتے ہیں تو جو باہر آنے کی قوت ہے یہ مثبت Positive چارج ہے اور جو اندر دھکیل رہا ہے یہ منفی Negetive چارج ہے تو الیکٹرون Electron میں منفی چارج ہے یہ ذرے کے باہر والے حصہ پہ ہوتے ہیں اور اندر والے حصہ میں پروٹان Proton ہوتے ہیں اور ان پر مثبت چارج ہوتا ہے اور جو نیوٹران Neutron ہوتے ہیں جن پر کوئی چارج نہیں ہوتا

ہر پروٹان کے مقابلے میں ایک دھکیلنے والا الیکٹران ہوتا ہے جو تعدیل پیدا کرتا ہے وہ مرکز کے گرد گھوم تو سکتے ہیں مگر نہ مرکز سے دور جا سکتے ہیں اور نہ ہی قریب آ سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر ایٹم میں الیکٹرون اور پروٹان کی تعداد برابر ہوتی ہے مگر نیوٹران کی تعداد میں اختلاف ہوسکتا ہے کیونکہ نیوٹران میں کوئی چارج نہیں ہوتا یہی مادی ترقی کی ایک اہم منزل ہے جہاں آ کر راہ روانِ سائنس نے تھوڑا سا دم لیا (نیل بوہر Nail Bhohar اور پاسچر Poscher وغیرہ) نے ایٹم کے ماڈل بنائے

لیکن منزل تو وہ ہے جس کے بارے میں انسان حتمی طور پر کہہ سکتا ہے کہ ہر ایٹم میں فعال قوت یہ ہے اس فعال قوت کی تلاش ہی اصل منزل ہے باقی تو یہ سب سنگِ میل ہیں منزل نہیں اور یہی مسئلہ یہاں پہنچ کر بھی باقی رہتا ہے

اب کسی نے اعلان کر دیا کہ ایٹم کی فعال قوتیں تین نہیں بلکہ دو ہیں اور نیوٹران Neutron کا کوئی فعل نہیں کیونکہ اس پر کوئی چارج نہیں ہے اب اس اعلان کرنے والے کو نوبل پرائز Nobel Prize ملا مگر عرفاء کو قدرے خوشی ہوئی کہ چلو تثلیث کا جوا تو گلے سے نکلا

اب اس ایٹم کو توڑنے کی کوششیں ہونے لگیں سب جانتے تھے کہ یہ دروازہ کب تک بند رہ سکتا ہے سب نے کہا اس کے پیچھے چھپی ہوئی فعال قوت کی نقاب کشائی لازمی ہے

ایک دن اچانک ایٹمی پلانٹس میں نیوکلیائی فشن Nuclei Fision کا مظاہرہ ہوا ایک چھوٹے سے ذرے کو جب ڈسٹرب Disturb کیا گیا تو وہ ایسا مشتعل ہوا کہ

قیامت برپا کردی گویا پھر موسیٰ علیہ السلام نے ربِ ارنی کہہ دیا ہے اور یہ چھوٹا سا ذرہ طور کی طرح دمک اٹھا جب ایٹم کے ٹوٹنے کا زنجیری عمل مشاہدے میں آیا تو انسان مبہوت رہ گیا یہ صرف نور ہی نہیں بلکہ اس میں قیامت کی ہیبت ناکیاں بھی چھپی بیٹھی ہیں اس میں تابکاری اثرات اور قیامت کے مناظر جانے کیا کیا بھرا ہوا ہے سائنس یہاں پہنچ کر ایک دوراہے پر آ کھڑی ہوئی جہاں سے ایک ایک راستہ حیاتِ جاوید کا نکلتا ہے اور دوسرے راستے کی منزل مماتِ ذلت ہے

جب ایٹم کا دروازہ توڑا گیا تھا تو پہلے چار دروازے نظر آئے تو ثابت ہوا کہ کائنات کی فعال قوت چار قوتوں پر مبنی ہے مگر پھر ایک کی نفی ہوگی پھر دوسرے کی مگر پھر بھی دوئی کا تصور قائم رہا مگر یہ دوئی کہاں تک قائم رہتی سامنے پھر ایک بند دروازہ نظر آیا قریب جا کر دیکھا تو یہ بند دروازہ ایک نہیں بلکہ بارہ تھے اب اس میں سے ایک دروازے کو کھولنے کی کوشش ہوئی تو سائنس نے کہا یہ کیا ہے؟ جواب ملا (زیٹا) قیاس آرائیاں ہونے لگیں کہ زیٹا اس چھوٹے سے نظامِ شمسی کا ایک اہم کرہ ہے غالباً یہی ایٹم کا اصل سرمایہ ہے

اصل قوت کا سرچشمہ زیٹا ہے؛ اصل فعال قوت زیٹا ہے؛ ایٹم کی ازلی اکائی زیٹا ہے اور جو دیگر بارہ عدد ذروں میں خود کو چھپائے بیٹھا ہے اب سائنس اس دروازے پر دستک دے رہی ہے زیٹا ایک سربستہ راز ہے ایک پراسرار کائنات ہے اب یہاں آ کر کچھ قدم رکے ہیں گویا ایک طویل سفر کے بعد دوشیزہِ ترقی کچھ دیر ستانے کے لئے بیٹھ گئی ہے

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ Absolute Nothing (عدم مطلق) نام کی کوئی

چیز نہیں ہے اس لئے پھر یہ سفر جاری ہوا اور پروٹان میں فعال قوت کی تلاش شروع ہوئی اور ادھر اے این اے اور ڈی این اے پر تحقیقات ہوئیں اور کوارڈز Quartz کا نظریہ سامنے آیا اور اس کے بعد ایک یونی فائیڈ فیلڈ Unified Field دریافت ہوا اور اس کا Network System سامنے آیا اور سب کو اس بات کو ماننے پر آمادہ کرلیا گیا کہ اس کائنات میں جو قوت فعال Active ہے وہ متعدد نہیں وہ قوت ایک ہی ہے

دوستو وہ سفر جو لاشعوری طور پر مرکزِ کائنات کی طرف جاری ہے اسے منزل کو ضرور پانا ہوگا کیونکہ ایٹم کا ہی نہیں بلکہ کائنات کا ایک ہی مرکز ہے اور وہی فعال قوت ہے اور وہی منزلِ مراد ہے جسے حاصل کرنا انتہائے عقلِ بشر ہے یہ بھی خیال رہے کہ مرکز صرف اور صرف ایک ہی ہوتا ہے کائنات کی وحدتِ تکوینی بتا رہی ہے کہ مرکز ایک ہے قوت ایک ہے جو کائنات میں برسرِ عمل ہے جہاں مرکز کا تصور پیدا ہو جاتا ہے وہاں دوئی کا تصور معدوم ہو جاتا ہے اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ مرکز کو تصور تو کیا جاسکتا ہے مگر اس کا حواس و مدرکات سے ادراک کرنا محال ہے مرکز کسی بھی محیط کا ہو اس کا ادراک محال ہے اور ادراک سے اس کا اَبعَد ہونا مسلم ہے مثلاً آپ ایک دس فٹ قطر کا دائرہ لگائیں اس کا مرکز قائم کریں جو کئی انچ پر مبنی ہوگا پھر وہ نقطہ جو کئی انچ قطر کا ہے اس کا بھی ایک مرکز ہے وہ مرکز ایک ملی میٹر کا ہوگا پھر اس کا بھی ایک اپنا مرکز ہوگا جو ایک پین کے نقطہ کے برابر ہوگا اب اس مرکزی نقطے کو خوردبین Microscope سے دیکھیں گے تو اس کا بھی ایک مرکز ہوگا جو انتہائی باریک ہوگا تا اینکہ ایک انتہائی حساس خوردبین جو کئی کروڑ گنا بڑا کر کے دکھا

سکتی ہوتو اس سے دیکھتے جائیں اور مرکز سمٹتا چلا جائے گا تا اینکہ مرکز سمٹتا سمٹتا اتنا سمٹے گا کہ وہ محیط میں گم ہو جائے گا اور اس کا صرف تصور ہی ہو سکے گا ادراک ناممکن ہو گا اسی طرح اس دائرہ ممکنات میں جب انسان غور کرے گا تو ایک غیر مرئی مرکز موجود ماننا پڑے گا جو حواس و مدرکات سے بہت دور ہونے کے باوجود خود کو تسلیم کروا رہا ہو گا اور یہ تسلیم کرنا عین عقلی ہو گا نہ کہ مذہبی کیونکہ مرکز کی شان ہی یہی ہے کہ وہ ادراکِ عالم سے اجل وارفع وابعد ہو اور غیر مرئی ہو غیر محسوس ہو اور مرکز کی عظمت یہ ہے کہ ادراک سے ارفع وابعد ہوتے ہوئے انتہائی سمٹنے کے باوجود محیط میں ایسا گم ہو کہ لامکاں ہو جائے اور محیط کا ہر درجہ اس کے گرد گھومتا ہوا نظر آئے یہ مادی ترقی جس منزل کی طرف محوِ خرامِ ناز ہے وہ وہی مرکزِ کائنات ہے جو محیط میں گم ہے

ملکوت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائنس نے جن چیزوں کا ادراک کیا ہے اور جنہیں فعال قوتیں سمجھ رہی ہے یہ کیا چیز ہے؟ یہ منفی اور مثبت چارج سے عامل اس ذرات کی دنیا میں جو چیز موجود ہے وہ کیا ہے؟

ایک نظریہ یہ ہے کہ خالق نے ان چھوٹی چھوٹی طاقتوں کو ملکوت کا نام بخشا ہے کیونکہ ملکوت جمع ہے ملکہ کی

خالق نے کائنات کے ہر ایٹم کو ایک ملکہ بخشا ہے جو اس سے افعال کا صدور کرواتا ہے افعال کا یہ صدور ہمہ وقت نہیں ہوتا مگر ملکہ اس طاقت کو کہا جاتا ہے جو ذرات کے نفس میں قائم و راسخ رہتی ہے ایک ذرے سے لے کر کائنات تک ہر چیز میں

ملکوت کا وجود ثابت ہے انسان ہو یا حیوان ذوالعقول یا غیر ذوالعقول کی تخصیص نہیں ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ ان ملکوت کو اظہار کا موقعہ نہ دیا جائے کیونکہ ان ملکوت سے اظہارِ افعال انہیں متحرک کرنے ہی سے ہوتا ہے جیسے ایک بھکاری کا سوال سوئی ہوئی سخاوت کو جگا دیتا ہے اور ملکہ ٔسخاوت سے فعل سخاوت صادر کرواتا ہے یا جیسے کسی دشمن کا چیلنج سوئی ہوئی شجاعت کو بیدار کر دیتا ہے اسی طرح یہ ملکوت پوری دنیا میں موجود ہیں تو سہی مگر انہیں محرک کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح ایک ایٹم کو متحرک کیا جاتا ہے یا ڈسٹرب Disturb کیا جاتا ہے تو وہ فوراً مشتعل ہو جاتا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ کائنات ملکوت سے چھلک رہی ہے؟ دیکھئے ارشاد قدرت ہے

اَوَلَم یَنظُرُوا فِی مَلَکُوتِ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِن شَیئٍ ...... الخ

یہاں کفار سے فرمایا جا رہا ہے کہ کیا انہوں نے ملکوتِ ارض وسما کا مشاہدہ نہیں کیا ہے اب یہاں اگر ملکوت سے مراد فرشتے ہوتے تو کفار کو نظر کب آتے تھے یہ کفار تو کفار ہیں فرشتے تو مومن کو بھی نظر نہیں آتے نتیجہ یہ ہوا کہ اس آیت میں ملکوت سے مراد فرشتے نہیں بلکہ وہ طاقتیں ہیں جو کائنات میں کارفرما ہیں

اس آیہ کریمہ میں ایک لفظ ہے (ما) جو ہمیشہ غیر ذوالعقول کیلئے آتا ہے جبکہ ذوالعقول کے لئے (من) آتا ہے یعنی یہ وہ ملکوت ہیں جو غیر ذوالعقول ہیں اور جنہیں اپنا وجدان بھی حاصل نہیں یہ ملکوتِ ارض وسما غیر ذوالعقول ہیں اور ان کے پیچھے ایک دست قدرت ہمیشہ کارفرما رہتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

فَسُبحَانَ الَّذِی بِیَدِہٖ المَلَکُوتِ کُلَّ شَی

اسی طرح ایک اور جگہ فرمان ہے کہ کل من بیدہ ملکوت کل شی یعنی یہ ملکوت دستِ غیب کے ماتحت ہوتے ہیں اور جب جناب ابراہیم علیہ السلام نے کائنات کی فعال قوتوں کے مشاہدے کا تقاضہ کیا تو اللہ نے ان کا مشاہدہ کروایا اور فرمایا کہ

وَکَذٰلِكَ نُرِیٓ إِبْرَاهِیمَ مَلَکُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ

جیسا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے بھی ان ملکوت کا مشاہدہ فرمایا تھا جو ارض و سما میں موجود ہیں یہاں بھی ملکوت سے مراد وہی (ملکے) ہیں نہ کہ فرشتے کیونکہ فرشتے کیلئے عربی میں لفظ (ملك) موجود ہے اور اس کی جمع ہے(ملٰئیکه) اور ملکوت ملکہ کی جمع ہے جو نفوس ذرات میں موجود ہیں

سترہویں صدی عیسوی کے فلسفی Leibnitz کو جب ان ملکوت کا تھوڑا سا ادراک ہوا تو اس نے ان کا نام موناد Monads رکھا جس کے معنی ہیں احدات یا اکائیاں وہ کہتا تھا کہ اصل حقیقت ان واحدات کی ہے نہ کہ ان سے ترکیب شدہ مرکب کی اور یہی واحدات موجودِ حقیقی ہیں

میرا مقصد یہ نہیں کہ میں اس کے فلسفہ کی تائید کروں کیونکہ اس کا غیر ترقی یافتہ فلسفہ قابلِ قبول نہیں ہے مگر یہاں تک اس کا بلا ہدایت وحی پہنچ جانا واقعی کمال ہے کیونکہ قرآن ترجمانِ وحی ہے ہم اس کے حوالے سے ان ملکوت اور ان اولین اکائیوں اور واحدات کو سمجھتے ہیں اور سائنس نے اپنے عمل و تجربات و تجزیات کے کندالوں سے اس حقیقت کو کھود نکالا ہے اور مزید کوشش میں مصروف بھی ہے کہ اس راز کے رخ سے نقاب اٹھا دیا جائے کہ ان ملکوت کے پیچھے وہ کون سا ہاتھ ہے جو کارفرمائے

واحد ہے

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انہیں جس آخری کڑی کا حصول ہونا ہے وہ خداوندِ کائنات کے علاوہ ہی کوئی ذات ہوسکتی ہے آج سائنس کہتی ہے کہ ہم خدا کو بھی لیبارٹری سے حاصل کریں گے لیکن یہ ناممکنات سے ہے کیونکہ محیطِ کلی کا ادراکِ کلی یا جزی محال ہے جیسا کہ مشہور ماہرِ اخلاقیات ڈاکٹر مل Mile کا قول ہے کہ ''یہ بات تو مسلم ہے کہ اللہ کی ذات سے انکار کرنا کفر ہے مگر اسے ثابت کرنا کہ ''وہ ایسا ہے'' یہ بھی اس سے کم کفر نہیں ہے یعنی ادراکِ ذاتِ صمد محال ہے لازماً سائنس ایک ایسی قوت تک پہنچے گی کہ جو واحد الاصل ہوگی اور اسی کے تفضّل سے کائنات میں ہر ایٹم باقی ہے اور اسی کا نور ہی کائنات کا بقا ہے اور وہی اللہ کی بلا واسطہ تخلیق ہے

اب سائنس تو نہ جانے کب اس راز کو حاصل کرے مگر زبان وحی والہام نے فرمایا کہ اگر حجت کا وجود کائنات میں نہ ہوتا تو زمین کب کی فنا ہوچکی ہوتی

ثابت ہوا کہ بقائے عالمِ ہست وجودِ حجت ہے اور نورِ حجت علیہ الصلوات و السلام ہی واحد الاصل نور ہے کہ جس میں دوئی کا تصور نہیں ہے اور اسی کا نام یداللہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں ارض وسما کے ملکوت ہیں موجودات میں اللہ کی جاری وساری قوت یہی نور ہے اسی لئے ارشاد ہے کہ چند کلمات خزانۂ جنت میں سے ہیں ان میں سے ایک ہے

لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلّا بِاللّٰه

یعنی حول وقوت صرف اور صرف اللہ کی وجہ سے ہے قوتِ کل ذاتِ صمد ہے کیونکہ جن ملکوت کا جناب ابراہیم علیہ السلام نے مشاہدہ کیا تھا وہ یہ طاقتیں ہیں اور ان کے پیچھے

جو اصل قوت ہے وہ نوریتِ حجت علیہ الصلوات و السلام ہے کیونکہ اس نور کے چودہ مظاہر سے دوئی کا تصور قائم کرنا ایسا ہے جیسے سمندر کے امواج وقطرات وغیرہ کو پانی کا غیر ثابت کرنا

(بارخ اسپنوزا) جس جوہر کا ادراک حاصل کرتا ہے وہ یہی نوریت ہے۔فضل بن شاذان کی کتابِ غیب میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب جناب ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں سے پردہ اٹھایا گیا تو اس نے عرش کی جانب نظر کی اور انوار کا مشاہدہ کیا اور اللہ نے ان انوار کا تعارف بھی کروایا

وہ انوار حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور آئمہ اطہار علیہم الصلوات و السلام کے انوارِ مقدسہ تھے ان میں جو پاک نور سب سے زیادہ روشن اور واضح تھا اس کے متعلق استفسار کیا تو ارشاد قدرت ہوا کہ یہ نورِ حجت ابن الحسن العسکری عجل اللہ فرجہ الشریف ہے یہ وہ ہیں جو اپنے دوستوں اور شیعوں سے غائب رہنے کے بعد ظہور فرمائیں گے یعنی یہاں اللہ کے اس ارشاد کی تائید ہوتی ہے کہ فرمایا تھا

وَكَذَلِكَ نُرِىٓ إِبۡرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضِ ...... (سورہ انعام 75)

یہاں بھی ثابت ہوتا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح ملکوت کا مشاہدہ کیا تھا وہاں واحد الاصل قوت کا بھی مشاہدہ ہوا تھا یہی وہ قوت ہے جو کائنات میں فعال ہے اس نوریت کا مشاہدہ صرف جناب ابراہیم علیہ السلام تک ہی محدود نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام نے اس کا مشاہدہ کیا ہوا تھا

اگر اصل قوت کا انہیں ادراک نہ ہوتا تو اس قوت کی پناہ نہ چاہتے جیسا کہ جناب لوط علیہ السلام کا ایک قول کلام الہٰی میں موجود ہے کہ

لَوْ أَنَّ لِى بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِىْ إِلَى رُكْنٍ شَدِيْدٍ......(سورہ ہود 80)

یہ فقرہ کب زبان سے جاری ہوا؟ اس وقت جب کہ ان کے پاس دو فرشتے مہمان کی صورت میں آئے اور ان کی اہلیہ نے قومِ لوط علیہ السلام کو مہمانوں کے ورود کی اطلاع دی تو پوری قوم نے خانۂ لوط علیہ السلام کو گھیر لیا اور تقاضہ کرنے لگے کہ اپنے مہمان ہمارے حوالے کرو؛ جب قومِ لوط علیہ السلام نے حصار تنگ کیا تو اللہ کے نبی نے خود کو بے بس محسوس کیا تو حسرت سے کہا کاش میرے ساتھ قوت ہوتی اور میں رکن شدید کی پناہ حاصل کرسکتا انہوں نے جونہی یہ فقرہ زبان سے ادا فرمایا تو فرشتوں نے کہا تم کیوں گھبراتے ہو ہم بھی اسی سرچشمہ قوت کے فرستادہ ہیں تم خود کو اس قوت کی پناہ میں سمجھو

اب کسی کو یہ خیال آ سکتا ہے کہ ہم تفسیر بالرائے سے کام لے رہے ہیں تو آیئے ذرا بارگاہِ امامت سے یہی مسئلہ پوچھتے ہیں

امام صادق علیہ الصلوات و السلام سے کسی نے یہی بات عرض کی اور اس آیت کی تفسیر چاہی تو فرمایا قوت سے مراد ہمارا قائمؑ عجل اللہ فرجہ الشریف ہے اور رکنِ شدید سے مراد ان کے تین سو تیرہ پاک اصحاب ہیں

(بحوالہ اکمال الدین شیخ صدوق - تفسیرِ قمی - منتخب الاثر وغیرہ)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام صادق علیہ الصلوات و السلام کو تو یہ علم تھا کہ ہمارا نور واحد الاصل ہے پھر چودہ پاک کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ قوت کا سرچشمہ آخری امام علیہ الصلوات و السلام کو فرمایا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بجا ہے کہ یہ نور واحد الاصل ہے اور سرچشمہ قوت ہے مگر اس

کا اظہار آخری نورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ہونا ہے ان کا دور اظہارِ قوت کا دور ہے باقی خاندان پاک علیھم الصلوات و السلام نے تو ہمیشہ مظلومیت کو برائے امتحانِ امت پسند فرمایا ہے جب بھی کسی مومن نے آئمہ اطہار علیھم الصلوات و السلام سے خروج کرنے کی گذارش کی ہے تو فرمایا گیا کہ وہ ہم نہیں ہیں بلکہ ہمارا آخری فرزند ہے ہماری قوت کاملہ کا اظہار اس کے دور میں ہوگا

یہ سوال صرف ایک ذات سے نہیں ہوا بلکہ تقریباً ہر امام علیہ الصلوات و السلام سے ہوتا رہا ہے اور یہی جواب ملتا رہا ہے کیونکہ اظہارِ قوت انہی جناب عجل اللہ فرجہ الشریف کے دور کیلئے مخصوص ہے اسی لئے فرمایا تھا

قال القوۃ القائم علیہ الصلوات و السلام و عجل اللہ فرجہ الشریف و الرکن الشدید اصحابہٖ ثلثمأته و ثلثه عشر رجلاً (تفسیر قمی)

یعنی وحی والہام کی روشنی میں جملہ انبیاء علیھم السلام اس قوت کاملہ کا ادراک کر چکے تھے اور یہی وہ نورِ رجعت علیہ الصلوات و السلام ہے جو اس کائنات میں اللہ کی قدرت و قوت کا مظہر ہے تبھی تو بابِ خیبر کے اکھاڑنے پر جب کسی نے حیرت کا اظہار کیا تو امیرِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا کہ وہ تو میں نے قوتِ جسمانی سے نہیں بلکہ قوت ربانی سے اکھاڑ پھینکا تھا

آفاقی قوت کا حامل ہونا خاصہ ٔولایت ہے اور یہی تدبر و تصرف فی الآفاق کی بنیاد ہے ایک ہی شب میں پوری دنیا کے نظام کو درست کرنا عقل تسلیم نہیں کرسکتی مگر جب قوتِ مطلقہ کا تصور آجائے تو پھر تعجب نہیں ہوتا

سائنس لاکھ ترقی کرے مگر سطحِ شمس تک رسائی محال ہے اور وہاں کی حرارت اور جہنم

کے اٹھتے ہوئے طوفانوں میں باقی رہنا محال ہے اگر وہاں کوئی باقی رہ بھی جائے تو کششِ ثقل سے قدم اٹھانا سیال آتش کے سمندروں میں تیرنا یہ امرِ محال ہے مگر جس ذات پاک نے اعلانِ خروج ہی سورج کی سطح سے کرنا ہے وہ اصل قوتِ کائنات کے حامل نہیں تو کون ہیں؟ اسی لئے خالق نے کلامِ مقدس میں اس شہنشاہِ یزداں اجلال عجل الله فرجه الشريف کو ایک نام قوۃ عجل الله فرجه الشريف عطا فرمایا ہے

آؤ سارے مل کر دعا کریں کہ ہمیں وہ روزِ سعید دیکھنا جلدی نصیب ہو کہ جس دن شہنشاہ یزداں اجلال عجل الله فرجه الشريف اپنی قوت الھیہ کا مظاہرہ فرما کر اس دنیا پر حکومت الھیہ کا قیام فرمائیں گے اور اس کے بعد باطل کا نام تک نہ رہے گا اور اس دنیا پر اللہ کی خالص عبادت جاری ہو جائے گی اور اس دور میں سارے غم و آلام کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ دور محمد و آل محمد علیھم الصلوات و السلام کی مسرتوں کا دور ہوگا خانۂ توحید و رسالت میں مسرتوں کی بارش برستی ہوگی اور خالق ہمیں وہ دن جلدی دکھائے

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجك و صلوات اللہ علیك و علیٰ آبائك الطاهرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجة الله فی العالمین عجل الله فرجه الشریف و آبائه المعصومین و امهاته الطاهرین الطیبین صلوات الله علیهم اجمعین و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

اے ابنائے سبیلؑ اللہ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم ایک عرصے سے اپنے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ پہ روشنی ڈال رہے ہیں اور آج جو اسم مبارک ہمارے سامنے ہے وہ ہے

السبیلؑ عجل اللہ فرجہ الشریف

عمومی طور پر سبیل اور طریق کے معنی ایک ہی لکھے جاتے ہیں مگر ان کے درمیان فرق ہے طریق کے لغوی طور پر کئی معنی ہیں مثلاً

() راستہ () شاہراہ () نیکی کا راستہ () چارۂ کار () ذریعہ () دین وعقیدہ میں نکالا گیا راستہ () وسیلہ () پانی کی دھار () آنسو کا بہاؤ () گندم کی بالی [خوشہ] ()

ہر امرِ خیر مثلاً حج و زکوٰۃ () قابلِ اخذ حق () جواب دہی [باز پرس] () حجت و برہان وغیرہ وغیرہ

السَّبِيلُ الطَّرِيقُ الَّذِي فِيهِ سُهُولَةٌ وَ جُمعُهُ سُبُلٌ ()

عمومی طور پر جو معنی کیئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ سبیل اس راستے کو کہتے ہیں کہ جس سے کوئی سہولت ہو اور اس کی جمع ہے ''سبل''

وَ يُستَعمَلُ السَّبِيلُ لِكُلِ مَا يَتَوَصَّلَ بِهٖ شَيءٌ خَيراً كان اَو شَراً ()

صاحبان اصطلاحات لکھتے ہیں کہ سبیل کا لفظ ہر اس چیز کیلیئے استعمال ہوتا ہے جو کسی دوسری چیز تک واصل کرنے والی ہو وہ چیز چاہے خیری ہو یا شری وہ سبیل ہی کہلاتی ہے

دوستو انسان جن چیزوں کا قصد یا ارادہ کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں

() مرئی [دیکھی جا سکنے والی] و مادی

() غیر مرئی [نہ دیکھی جا سکنے والی] و غیر مادی

دیکھیئے انسان کسی شہر کے جانے کا قصد و ارادہ کرتا ہے تو اس کی منزل یعنی وہ مقصودہ شہر ایک حسی و مرئی [دیکھی جا سکنے والی] چیز ہے اسی طرح انسان کسی نیکی کا یا کسی بلند باطنی مقام کا ارادہ کرتا ہے یا کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو یہ چیزیں غیر مرئی یعنی نظر نہ آنے والی ہیں

جب انسان کسی منزل کی طرف سفر کرتا ہے چاہے وہ مرئی ہو یا غیر مرئی تو اس کیلیئے اسے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے

اس میں اگر منزلِ مقصود دیکھی جا سکنے والے ہو تو اس کا راستہ بھی دیکھا جانے والا

ہوتا ہے جیسے کہ انسان کسی شہر کی طرف سفر کرتا ہے تو اس کا راستہ ایسا ہوتا ہے جو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اسی طرح اگر منزلِ مقصود غیر مرئی یعنی ظاہری آنکھوں سے نہ دیکھی جاسکنے والی چیز ہو تو اس کا راستہ بھی ظاہری آنکھوں سے نظر نہ آسکنے والا ہوتا ہے جیسا کہ خیر کا راستہ ، نیکی کا راستہ ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا

جو چیزیں غیر مرئی منازل کا درجہ رکھتی ہیں ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں

() مقاصدِ خیری () مقاصدِ شری

یہ خیری و شری دراصل انسان کے مقاصد کا نام ہوتا ہے اور ان مقاصد کے حصول کیلئے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے وہ طریقہ وہ Process ایک راستہ ہوتا ہے یعنی کوئی آدمی سیاست میں کامیابی کیلئے کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے تو اسے بھی کامیابی کا راستہ کہا جاتا ہے اسی طرح جب کسی نیکی کے حصول کیلئے کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے مثلاً اسے حاصل کرنے کیلئے کچھ خرچ کرتا ہے یا کوئی قربانی دیتا ہے تو گویا وہ اس راستے پہ کچھ خرچ کر رہا ہے

اب یہاں راستہ تو غیر مرئی ہے مگر اس پر ہونے والا عمل ایسا ہے جو دیکھا جاسکتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کرو یعنی اللہ کے راہ میں جہاد کرو ہم اس جہاد کو دیکھ رہے ہوتے ہیں مگر وہ راستہ ہم سے پوشیدہ ہوتا ہے کیونکہ مقاصد ہمیشہ فکری و ذہنی ہوتے ہیں اس لئے وہ راستہ ہونے کے باوجود نظر نہیں آتے اس پر مزید بات کی جاسکتی ہے مگر یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے اپنے مقصد کی طرف آتا ہوں

سبیلؐ اللہ

اس سے قبل جو وضاحتیں ہوئی ہیں وہ عمومی تھیں اب ہم ایک اور طرف آتے ہیں کہ جب انسان کی منزل وہ ذات ہو کہ جو مقصودِ کائنات ہے یعنی اللہ جل جلالہ کی ذات واجب الوجود- تو اس کی طرف جو راستے جاتے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں () سبیل فکری وذہنی () سبیل ظاہری وحقیقی

سبیلِ فکری و ذہنی

اس کے بارے میں بہت سے آیات ہیں کہ جن کی تفسیر میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ ہماری وِلایت ہے جیسا کہ فصدوا عن سبیل لله کی تفسیر امام محمدؐ باقر علیه الصلوات و السلام سے جب دریافت کی گئی کہ وہ کون سی سبیل ہے کہ جس کے سامنے مشرکین رکاوٹ بنتے ہیں؟

قال عن وِلایة علیؐ علیه الصلوات و السلام

فرمایا وہ امیر المومنین علیه الصلوات و السلام کی ولایت ومحبت ہے

ایک اور مقام پہ جب امام محمد باقر علیه الصلوات و السلام سے سوال ہوا کہ غیر لوگ جس سبیل وطریق سے روکتے ہیں وہ کیا ہے؟

قال یعنی السبیل علیاً علیه الصلوات و السلام ولا ینال ما عند الله الا بالولایته

فرمایا جس سبیل وراستے سے وہ روکتے ہیں وہ امیر المومنین علیه الصلوات و السلام کی ولایت ہے اس کے بعد فرمایا کہ جو کچھ انسان اللہ جل جلالہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے

اسے ہرگز نہیں پا سکتا جب تک ولایت کا حامل نہ ہو

جناب جابر بن یزید جعفی نے امام محمد باقر علیہ الصلوات و السلام سے لئن قتلتم فی سبیل الله کی تفسیر پوچھی تو

قال سبیل الله علی علیہ الصلوات و السلام و ذریتہٖ و من قتل فی سبیلھم و فی ولایتھم قتل فی سبیل الله و من مات فی ولایتھم مات فی سبیل الله ( )

فرمایا اس سے مراد شہنشاہ معظم امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کا راستہ ہے یعنی جو لوگ ان کے راستے میں شہید ہوتے ہیں یا ان کی ولایت کی وجہ سے شہید ہوتے ہیں وہ شہید فی سبیل اللہ ہیں اور جو ان کی محبت میں وفات پاتے ہیں وہ فی سبیل اللہ فوت ہوتے ہیں

اس سے یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ سبیل کا فکری ٹریک Track ولایت ہے یعنی انسان خود کو راہِ حق پر شمار کر ہی نہیں سکتا جب تک اقرارِ ولایت نہ کرے

یہ تو میں پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ ولایت کے اقرار کے معنی ہیں اقرارِ عبدیت و غلامی کرنا غدیر خم پہ جو اعلان ہوا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ تمہاری گردنوں کے مالک ہیں یہ مولا ہیں اور باقی سب ان کے عبد ہیں غلام زادے ہیں کیونکہ خمس و زکوٰۃ کے بارے میں آیات پہلے آ چکے تھے اور لوگ ان پر عمل پیرا بھی تھے خمِ غدیر پہ تو یہ اقرار ہوا تھا تم ان کے غلام ہو چاہے خود خدمت لیں یا کسی کے ہاتھ بیچ دیں یا تمہاری اولاد کو بیچ دیں یا کسی کو بخش دیں اب تمہارا اپنی ذات پر کوئی حق ہی نہیں رہا

اس بات کو حارث بن نعمان فہری نے سمجھا اور یہی سوال آ کر بارگاہِ رسالت میں کیا کہ کیا یہ بھی اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ انہیں ہماری گردنوں پر سوار کر دیا جائے؟

اس پر آپؑ نے فرمایا ہاں ہمیں یہ بھی خالق نے فرمایا تھا کہ ان کی غلامی کا اقرار لیا جائے ، اس پر اس نے عذاب طلب کیا اور آسمان سے پتھر گرا اور وہ فی النار ہوا ولایت کا دل سے اقرار کرنا انتہائی مشکل کام ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ ہماری ولایت بھی امر صعب و مستصعب ہے [یعنی بہت دشوار امر ہے]
اب یہاں آپ کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ ہم بھی غور کریں کہ کیا ہم نے واقعی اقرارِ ولایت کیا ہوا ہے؟
کیونکہ جب ہم اپنا تجزیہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہمیں تو اس میں کوئی مشکل درپیش نہیں ہے اور ہم زبانی طور پر تو ان کی ولایت کا بھرپور اقرار کرتے ہیں اور ہمارا سینہ تنگ نہیں ہوتا اور ہمیں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی تو اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اقرارِ ولایت کے وہ معنی نہیں ہیں کہ جو ہم سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ خود کو کسی کا غلام کہنا بہت آسان ہے مگر اس کی غلامی کر کے دکھانا ایک انتہائی مشکل امر ہوتا ہے کیونکہ غلام تو کوئی ایک کام بھی اپنی مرضی سے نہیں کرسکتا بلکہ اس کا ہر کام اس کے مالک کی مرضی پر ہوتا ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنے آقا کے فرمان پر ایک لقمہ حرام بھی ترک کرنے پر تیار نہیں تو کیا ہم پھر بھی خود کو حاملِ ولایت سمجھنے میں حق بجانب ہیں آپ دیکھیں ماضی میں مالکان اپنے غلاموں کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے

جب جی چاہتا تھا کھانا دیتے تھے جب جی چاہتا تھا سونے دیتے تھے جب جی چاہتا تھا بیچ دیتے تھے اور بیچنے سے پہلے دو دو دن تک بھوکا رکھتے تھے تا کہ اس کا دو دن کا کھانا بچ جائے ان کے بیوی بچوں کو جسے چاہتے تھے بخش دیتے تھے یا انہیں بیچ دیتے

تھے

اب ہم خود سوچیں کہ اگر یہ پاک ذوات علیہم الصلوات و السلام ہمارے ساتھ یہی سلوک کریں تو کیا ہم پھر بھی ان کی محبت کا دم بھریں گے؟

تاریخ میں ایسے کئی واقعات دیکھنے میں آتے ہیں کہ دو سرداروں کا آپ میں مقابلہ ہوا ایک نے کہا کہ میرے بازوؤں میں زیادہ قوت ہے دوسرے نے کہا میرے بازوؤں میں زیادہ قوت ہے اس مقابلے میں ایک سردار نے اپنے غلام کو حکم دیا ذرا سامنے جا کھڑ و وہ سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور اس نے ایک نیزہ لیا اور پوری طاقت سے اس کے سینے کی طرف پھینکا وہ نیزہ اس کے سینے سے پار ہو گیا اس نے جا کر دیکھا کہ وہ سینے سے دوسری طرف کتنے انچ باہر نکلا ہے اس کے بعد دوسرے غلام کو حکم دیا کہ اب تم جا کر کھڑے ہو جاؤ وہ سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اس پر اس نے دوسرے سردار سے کہا اب تم نیزہ پھینکو میں بھی دیکھوں کہ اس کے سینے سے تمہارا نیزہ کتنے انچ پار ہوتا ہے تا کہ طاقت کا اندازہ لگایا جا سکے' اس پر اس نے بھی نیزہ پھینکا' اسی طرح ان کا فیصلہ ہونے تک کئی غلام اس طرح نشانہ بنتے رہے اور کسی غلام نے سامنے جانے سے انکار نہیں کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مالک کو یہ حق ہے کہ چاہے وہ اپنے کسی شوق کی تکمیل میں ہی سہی غلام کی جان لے لے تو کوئی ہرج نہیں ہے

اب ہم بھی سوچیں کہ ہمارے بیٹوں کو اگر اسی طرح ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہمارے سامنے کھڑا کر کے مارتے تو کیا ہم انہیں پھر بھی اپنا مالک تصور کرتے یا ان سے محبت کرتے؟ اگر نہیں کرتے یا نہ کر سکتے تو پھر ہم نے اقرارِ ولایت ہی نہیں کیا کیونکہ یہ امر صعب ہے

علامہ بہبہانی [یہ اپنے وقت کے مرجع تھے] میں ان کا ایک واقعہ بار بار دہراتا ہوں تاکہ ہمیں حقِ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی اہمیت معلوم ہو اور ہمیں اپنی محبت کو پرکھنے کا موقعہ بھی ملتا رہے وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے حرم اطہر نجف اشرف میں دورانِ خطاب یہ فرمایا کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت ایک گونا رحمت بھی ہے

یہ بات سن کر حرم اطہر میں موجود لوگ بگڑ گئے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ تو چاہتے ہیں نعوذ باللہ ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا خروج ہی نہ ہو بس پھر کیا تھا حرم اطہر میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور علامہ مرحوم کو بڑی مشکل سے جان بچا کر گھر پہنچنا پڑا اس دور میں حرمِ اطہر کا جو خادم ان کیلئے سجادہ بچھایا کرتا تھا وہ بھی بہت غصے میں تھا اس نے شام کو آ کر ان کا سجادہ ان کے گھر میں پھینکا اور جو زبان پہ آیا بکتا ہوا چلا گیا

رات کو اس خادم نے خواب دیکھا کہ شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اس کے گھر میں تشریف لائے ہیں اور اسے فرماتے ہیں کہ ہمارا خروج ہو گیا ہے اس لئے تم پہلے اپنی اصلاح کر لو وہ عرض کرتا ہے کہ جو آپ حکم دیں میں حاضر ہوں وہ جنابؑ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارا گھر تمہارا نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مالک فلاں شخص ہے یہ اسے واپس کر دو اسی طرح گھر کی ایک ایک چیز کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ بھی تمہاری نہیں ہے یہ بھی تمہاری نہیں ہے وہ بیان کرتا ہے کہ میں ایک ایک چیز دیتا گیا تا اینکہ آپ نے فرمایا کہ یہ جو تمہاری بیوی ہے یہ دراصل تمہاری رضاعی بہن ہے اس لئے تمہارا نکاح بھی درست نہیں اور یہ جو تمہارے بچے ہیں یہ بھی حلال زادے

نہیں ہیں اس لئے تم ہماری تلوار لے کر ان کی گردن اڑا دو جس وقت آپ نے یہ فرمایا تو وہ کہتا ہے کہ یہ بات مجھ سے برداشت نہیں ہو سکی اور میں نے غصے میں عرض کی کہ آپ میں تو ذرا برابر رحم نہیں ہے اور آپ تو مجھے نعوذ باللہ پاک خاندانؑ کے فرد ہی خیر نظر آتے ہیں

جس وقت میں نے یہ عرض کی تو اس وقت میری آنکھ کھل گئی

[یہ واقعہ بڑی تفصیل سے موجود ہے اور میں نے اس کا خلاصہ بیان کیا ہے]

دیکھئے دوستو ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہماری گردنوں کے مالک ہیں اور ہم تو ان کے غلام ہیں اور ہم نے اس حقیقت کو ابھی تک عملاً ثابت نہیں کیا ہے کہ ہم واقعی غلام ہیں یا آزاد ہیں

جناب مولوی ہدایت حسین [جو میرے چچا کا حکم رکھتے تھے] اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور مجتہد تھے اور مشرف بارگاہ بھی تھے وہ اپنا ایک واقعہ سناتے تھے وہ فرماتے تھے کہ ہم سندھ کے کسی دیہات میں مجلس پڑھنے تشریف لے گئے تو وہاں معلوم ہوا کہ یہاں ایک مجذوب مست رہتے ہیں اور وہ جو بات بھی فرما دیتے ہیں سو فی صد درست ثابت ہوتی ہے جسے دعا دیتے ہیں تو پوری ہو جاتی ہے جب ہم نے یہ بات سنی تو ان کی زیارت کا شوق ہوا اور ہم ان کی طرف چلے گئے اور وہ دریا کے کنارے کھلے میدان میں رہتے تھے جب ہم ان کے قریب گئے تو وہ ہمیں دیکھ کر کیچڑ میں جا گھسے تاکہ ہم ان کے مزید قریب نہ آئیں جب ہم ان کے قریب گئے تو ان سے عرض کی جناب ہم تو کسی دنیاوی چیز کیلئے نہیں آئے تھے بلکہ ہم تو اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے بارے میں کچھ دریافت کرنے آئے تھے یہ سن کر انہوں

نے ایک طنز آمیز قہقہہ لگایا اور اس کے بعد غصے سے بھری ہوئی نظروں سے ہمیں دیکھا اور فرمایا تم اپنا حلیہ دیکھو اپنا رہن سہن دیکھو بات چیت دیکھو کیا تمہارا بھی کوئی امام زمانہ ہوسکتا ہے تم تو اپنے امام زمانہ خود ہو جو کسی کا غلام ہوتا ہے کیا اس کا لباس و خوراک اسی طرح کا ہوتا ہے؟

اسی بات نے انہیں ایسا متاثر کیا کہ دن رات روتے رہے اور جب تک ان کا رابطہ اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف سے نہیں ہوگیا انہوں نے رونا بند نہیں کیا تھا

ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ولایت کا نام لینا آسان ہے عملی طور پر اسے ثابت کرنا کہ ہم واقعی اپنے زمانے کے امامؑ عجل الله فرجه الشريف کے غلام ہیں بہت مشکل ہے اور یہ امر صعب و مستصعب ہے اور یہی سبیل اللہ ہے کہ جس میں بستر پر مرنے والا بھی درجہ شہادت پر فائز ہو جاتا ہے

سبیلِ ظاہری و حقیقی

دوستو جو سبیل ظاہر و حقیقی ہے وہ ہر زمانے کا امام ہی ہوتا ہے کیونکہ وہی اللہ تک رسائی کا واحد ذریعہ ہوتا ہے اور وہی وہ ظاہری راستہ ہوتا ہے جو خلق سے خالق تک جاتا ہے کلام پاک میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں

قاتلوا فی سبیل الله () جاهد وا فی سبیل الله () انفقوا فی سبیل الله () هاجر وا فی سبیل الله

یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرو، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، اللہ کی راہ میں ہجرت کرو وغیرہ ان الفاظ سے مراد ہمیشہ ہر زمانے کا امام ہوتا ہے

آپ تفاسیر آئمہ اطہار علیهم الصلوات و السلام اٹھا کر دیکھیں تو کئی احادیث وخطبات و فرامین آپ کو ملیں گے کہ اصل سبیل اللہ امام وقت ہی ہوتے ہیں جیسا کہ جناب طارق بن شہاب کو امام وقت کے تعارف پر مبنی شہنشاہ امیر المومنین علیه الصلوات و السلام نے ایک خطبہ دیا تھا اور اس میں فرمایا تھا کہ

الائمة من آل محمدؐ السبیل الی الله و السلسبیل

یعنی محمد و آل محمد علیهم الصلوات و السلام میں سے جو بھی منصب امامت پر فائز ہوتے ہیں وہی سبیل اللہ بھی ہوتے ہیں اور سلسبیل بھی ہوتے ہیں امام محمد باقر علیه الصلوات و السلام نے فرمایا تھا کہ انـا الائمة هم السبیل الاقوام امام علیه الصلوات و السلام نے فرمایا ہم ہی وہ امام ہیں کہ جو اقوامِ عالم کیلئے اللہ کی سبیل ہیں

خطبه لؤلؤ میں جناب امیر المومنین علیه الصلوات و السلام نے فرمایا تھا

ان الائمة هم سبیل الارشاد ...... سبیل الهدیٰ

امام علیه الصلوات و السلام نے فرمایا کہ سارے آئمہ اطہار علیهم الصلوات و السلام سبیل اللہ بھی ہیں اور سبیلِ ہدایت ورشد بھی ہیں اسی طرح ہم زیارات میں عرض کرتے ہیں

انتم سبیل الاعظم و سبل الواضحه

اے اللہ کے انوار ازلیہ واولیہ علیهم الصلوات و السلام آپ ہی اللہ کی سب سے بڑی سبیل ہیں اور واضح راستے ہیں

اسی طرح کے بہت سے فرامین و احادیث موجود ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سبیل سے مراد ہر زمانے کا امام ہوتا ہے

امام محمد باقر علیه الصلوات و السلام کے سامنے جب سورۂ فرقان کے ان آیات کی

تلاوت ہوئی

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيراً()أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلاً مَّسْحُوراً()انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلاً ......(سورہ فرقان 9)

کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسے رسولؐ ہیں کہ جو کھانا بھی کھاتے ہیں اور گلیوں اور بازاروں میں تشریف لے جاتے ہیں ان پر کوئی ظاہراً فرشتہ نازل کیوں نہیں ہوتا کہ جو ان کے ساتھ ہوتا اور ان کی تصدیق کرواتا یا ان پر کوئی خزانہ نازل کیوں نہیں ہوتا یا ان کا کوئی ایسا باغ کیوں نہیں ہے کہ جس سے یہ میوے تناول فرماتے ظالمین کہتے ہیں کہ تم تو ایک مسحور شخص ہی کی اتباع کرتے ہو

یعنی کفار ظاہر کو دیکھتے ہوئے ایک بشر ثابت کرنے میں مصروف تھے عین اسی وقت خالق نے فرمایا انظر کیف ضربوا لك امثال آپ ان بدبختوں کو دیکھیں کہ انہوں نے آپ کو بشر ثابت کرنے کیلئے کیسی مثالیں تلاشی ہیں یہ فرما کر خالق نے اپنا فیصلہ سنایا ہے فضلوا فلا یستطعون سبیل ا یہ ملاعین گمراہ ہیں اور یہ کبھی بھی سبیل اللہ کی استطاعت نہ پائیں گے

امام محمد باقر علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا یعنی الی ولایۃ علیؑ علیہ الصلوات و السلام یعنی انہیں ہمارے جدا طہر کی ولایت کبھی بھی نصیب نہ ہوگی

یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ آپ اس آیت پر غور کریں اس میں اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہ کیسی کیسی مثال پیش کر رہے ہیں مگر اس میں جن چیزوں

کا ذکر ہوا ہے ان میں سے کوئی چیز دائرہ مثال میں نہیں آتی کیونکہ وہ ظالمین تو یہ کہہ رہے تھے کہ یہ رسول کھاتا کیوں ہے؟ پیتا کیوں ہے؟ گلیوں میں چلتا پھرتا کیوں ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں ہے؟ ان کے پاس خزانہ کیوں نہیں ہے؟ باغات کیوں نہیں ہیں؟ یعنی وہ اعتراض کر رہے تھے کوئی مثال نہیں دے رہے تھے

دوستو حقیقت یہ ہے کہ وہ کفار ان کے کھانے پینے کو دلیل بنا کر انہیں مثلِ بشر ثابت کرنا چاہتے تھے ان کے ظاہر کو دیکھ کر ان کے باطن کو بھی بشر کی مثل سمجھ رہے تھے اس پر خالق نے فرمایا اے میرے حبیب ازل صلی اللہ علیک و علیٰ آلک آپ دیکھیں یہ ملعون کیسے آپ کو بشر" مثلکم کہہ رہے ہیں سیدھا نہیں کہتے الٹے طریقے سے مثلِ بشر کہہ رہے ہیں اسی لئے ان لوگوں کے متعلق حکم دیا کہ اے اس طرح سے استدلال کرنے والو فوراً گمراہ ہو جاؤ اور تمہیں شہنشاہ معظم علیہ الصلوات و السلام کی وِلا کبھی بھی نصیب نہ ہو گی

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی آپ کو بشر ثابت کرنے کیلئے دلائل تلاش کرتا ہے تو اسے امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کی وِلا کبھی حاصل نہ ہو گی چاہے کوئی مجتہد ہی کیوں نہ ہو گا ساتھ ہی اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ وِلائے آل محمد علیہم الصلوات و السلام ہی سبیل اللہ ہے

اور اسی سورہ میں ایک اور آیت ہے کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سبیل سے مراد امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام ہی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيْلاً

اس دن ظالم افسوس کے مارے اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا ہائے افسوس میں

شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ سبیل کو چن لیتا

قال ابو جعفر علیہ الصلوات و السلام یعنی یا لیتنی اتخذت مع الرسول علیاً علیہ الصلوات و السلام

شہنشاہ معظم نے فرمایا اس ظالم سے مراد ایک خاص کافر ہے جو بروز قیامت اپنے دانتوں سے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس سے کہے گا ہائے کاش میں بھی شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کو چن لیتا یہاں سبیل سے مراد شہنشاہ معظم امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام ہی ہیں اور اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ کیا آپ ان منافقین کی ہدایت چاہتے ہیں کہ جنہیں اللہ نے ہلاکت کیلئے ان کے حال پر چھوڑا ہوا ہے و من یضل اللہِ فلن تجدلہ سبیلاً اور اللہ جنہیں حال پر چھوڑ دیتا ہے وہ کبھی بھی سبیل یعنی امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کو نہ پاسکیں گے

اسی طرح ایک اور جگہ پہ فرمایا گیا ہے

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ آمَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ ازْدَادُواْ كُفْراً لَّمْ يَكُنِ اللّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلاَ لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلا ......(سورہ نساء 137)

وہ لوگ جو ایمان لائے اس کے بعد انہوں نے کفر اختیار کیا اس کے بعد پھر ایمان لائے اس کے بعد پھر کفر اختیار کیا اس کے بعد انہیں مہلت نہ ملی اور ان کے کفر کو اور بڑھایا گیا اور اللہ جل جلالہ نہ ہی انہیں معاف فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پھر سبیل کی طرف ہدایت فرمائے گا

تفاسیر آئمہ اطہار علیہم الصلوات و السلام میں ہے کہ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے کہ جو لوگ

شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر ایمان لائے اس کے بعد واقعہ ثقیفہ میں کافر ہو گئے پھر زمانہ خلافت امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام میں ان پر پھر ایمان لائے مگر پھر وہ امام حسن علیہ الصلوات و السلام کی ولایت الٰہیہ سے انکار کر کے کافر ہو گئے اور اس کے بعد انہیں ان کے زمانے کے امام یعنی شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام کی معیت و نصرت نصیب نہیں ہوئی اس آیت میں سبیل سے مراد شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام ہیں کیونکہ ہر زمانے کے امام کا ایک قرآنی اسم مبارک سبیل بھی ہے اسی طرح ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے جو ایک سو بیاسی اسمائے مبارکہ ابتدائی طور پر کتب غیبت میں منقول ہیں ان میں سے ایک اسم مبارک سبیل عجل اللہ فرجہ الشریف بھی ہے اور آپ کے ادعیہ اور زیارات میں بھی یہ اسم مبارک متعدد بار آیا ہے کیونکہ سبیل اللہ مجسم ہیں یہ منزلِ توحید کیلئے وہ شاہراہ ہیں جو کبھی بھی مسدود نہیں ہوتی

اگر ہم لغوی معنی سے بھی استدلال کریں تو بھی اکثر معانی ان کی ذات کے کسی نہ کسی پہلوئے ہدایت کو واضح کرتے ہیں جیسا کہ سبیل کے پہلے معنی ہیں راستہ اگر ہم انہیں اس حوالے دیکھیں تو یہ شہنشاہ ہی وہ راستہ اور شاہراہ ہیں کہ جو خلق سے خالق تک متصل ہے

دوسرے معنی ہیں ''چارۂ کار'' اس لفظ کو حسی طور سمجھاتا ہوں

ایک آدمی جب کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس وقت اس کے سامنے ایک راستہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کسی بزرگ کے پاس جائے اور ان سے وہ مقصد حاصل کرے لیکن وہ ان کے پاس کسی وجہ سے جانا نہیں چاہتا اور ان سے بچ کر کسی اور ذریعے

سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن ایک مقام پر آخر اسے محسوس ہوتا ہے کہ اب اس کیلئے سارے راستے بند ہو چکے ہیں اور اس کے پاس ایک ہی چارۂ کار رہے کہ وہ ان کے پاس جائے ورنہ محرومی ہی محرومی ہے چارۂ کار کے معنی ہیں وہ راستہ جس کے سوا کوئی دوسرا راستہ موجود ہی نہ ہو

اس دور میں کافی لوگ ہیں جو اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف سے بچ بچا کر اللہ جل جلالہ تک جانا چاہتے ہیں اللہ نے انہیں سبیل کا نام دے کر واضح فرما دیا ہے کہ میرے پاس آنے کا کسی کیلئے ان کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہے کوئی چاہے یا نہ چاہے اسے انہی کے در اطہر پر آ کر ہی میری ذات ملے گی ورنہ نہیں

وَ يُستَعمَلُ السَّبِيلُ لِكُلِّ مَا يَتَوَصَّلَ بِهِ شَيء" خَيراً كان اَو شَّراً ()

صاحبان اصطلاحات لکھتے ہیں کہ سبیل کا لفظ ہر اس چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے کہ جو کسی دوسری چیز تک واصل کرنے والی ہو وہ چیز چاہے خیری ہو یا شری وہ سبیل ہی کہلاتی ہے

سچ تو یہ ہے کہ ابلیس بھی ایک سبیل ہی ہے جو انسان کو واصل جہنم کرتا اور حجت زمانہ بھی ایک سبیل ہی ہیں کہ جو انسان کو واصل باللہ فرماتے ہیں

سبیل کے ایک معنی یہ کئے گئے تھے

السَّبِيلُ الطَّرِيقُ الّذِى فِيهِ سُهُولَة" وَ جُمعُه' سُبُل"

سبیل اس راستے کو کہتے ہیں کہ جس میں سہولت ہو اور کی جمع ہے ''سبل''

اس دور میں کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف تک رسائی ناممکن ہے حالانکہ سبیل کہتے ہی اس راستے کو ہیں کہ جو سہل الحصول ہو اللہ کا نظامِ ہدایت دشوار

نہیں ہے اور نہ ہی مہنگا ہے کہ کوئی غیر آدمی اس تک پہنچ ہی نہ سکے یہ کوئی جدید دور کا موٹر وے نہیں ہے کہ جس میں داخلے کیلیئے بھاری رقم ٹیکس کے طور پر دینا پڑے گی اور اس میں وی آئی پی لوگوں کے سوا کوئی داخل ہی نہیں ہو سکتا حقیقت یہ ہے کہ یہ راستہ تو سب کیلیئے کھلا ہے

اس دور میں یہ پرچار کیا جا رہا ہے کہ ہمارا رابطہ اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف سے ہو ہی نہیں سکتا اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہم گنہگار ہیں اس لئے ہمیں نہ ان کی زیارت ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا رابطہ ہو سکتا ہے

دوستو حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں تو رابطے کیلیئے خصوصی رعایات رکھے گئے ہیں آپ ذرا ان سے رابطہ کر کے تو دیکھیں ہاں اگر آپ کی نیت ان کی نصرت اور اپنی ہدایت کی ہو گی تو اس میں دیر ہی نہیں لگے گی میرا ذاتی تجربہ ہے اس دور میں جب کسی گنہگار شخص نے طلب ہدایت کی ہے تو فوری رابطہ ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہادئ زمانہ ہیں اور ہدایت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہی گنہگار کو ہے جیسے ڈاکٹر کی سب سے زیادہ ضرورت سیریس مریض کو ہوتی ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس کے بارے میں عموماً (Comon Sense) کے سوالات میں سوال کیا جاتا ہے کہ ہسپتال میں سب سے اہم شخصیت کونسی ہوتی ہے تو اس کا درست جواب یہ مانا گیا ہے کہ اہم ترین شخصیت مریض ہوتا ہے اسی طرح اس اللہ کے نظام ہدایت میں [جو روحانی ہسپتال کا درجہ رکھتا ہے] اہم ترین شخصیت سب سے بڑا گنہگار ہی ہوتا ہے اور جب بھی وہ رابطے کی کوشش کرتا ہے تو اسے فوری First Aid پہنچ جاتی ہے اس لئے کسی کو اپنے گناہوں کی وجہ سے رابطے سے نہیں رکنا چاہیے کیونکہ

شرمندگی اوراس احساس ندامت کاایک آنسو لاکھوں برس کی عبادت پہ بھاری ہوتا ہے اس لئے ہمیں فوری طور پر رابطے کی کوشش کرنا چاہیے اوراس کیلئے سب سے بڑا عمل یا وظیفہ ہے گریہ وبکا آنسوؤں کو اپنا سفارشی بنائیں ندامت کوشفیع قرار دیں توبہ کو وسیلہ بنائیں ادب کوہمنوا کریں عشق ومؤدت کورہبر بنائیں اور یہ فصیلہ کرلیں کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف میرے لئے جودستورالعمل متعین فرمادیں گے میں مر جاؤں گا مگر اسے ترک نہ کروں گا یہ کرلیں اور پھر دیکھیں کہ کتنی جلدی آپ پر رحمت ِ کردگار کی بارش ہوجاتی ہے کیونکہ یہ ہیں ہی سبیل اللہ عجل اللہ فرجہ الشریف یعنی اللہ تک پہنچنے کا آسان ترین راستہ یہی ہیں

اب وقت ہے کہ ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی بارگاہ میں عرض کریں کہ وہ سارے عزاداروں ، ماتمداروں ،محبوں اور عاشقوں پر ہمیشہ نگاہ کرم رکھیں اوران میں سے کسی کو اپنی رحمت واسعہ سے محروم نہ فرمائیں اور ہمارے لئے اپنے راستے یعنی صراطِ مستقیم کوآسان فرمائیں اور یہ بھی دعا کریں کہ ان کے اجداد طاہرین علیہم الصلوات والسلام کے انتقام کا دن جلدی آئے اوران مومنین وعزاداروں اور ماتمداروں نوحہ خوانوں کو اپنی نصرت میں شامل فرمائیں

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿عجل اللہ فرجہ الشریف وصلوات اللہ علیہ﴾

الحمد للہ رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجة اللہ فی العالمین عجل اللہ فرجہ الشریف و آبائہ المعصومین و امہاتہ الطاہرین الطیبین صلوات اللہ علیہم اجمعین و لعنة اللہ علیٰ اعدائہم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

اے طالبانِ جامِ عرفان

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ پہ تشریحی گفتگو کر رہے ہیں اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے چھ سو اسمائے مبارکہ ہیں اور ہم بہت احتیاط سے قدم بڑھاتے ہوئے ایک ایک منزل سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی منزلِ مراد کی طرف بڑھ رہے ہیں اور آج ہمارے سامنے وہ اسم مبارک ہے کہ جو ہر زمانے کے امام کا مشترک ہوتا ہے یعنی ہر زمانے کا امام اس اسم سے موسوم ہوتا ہے اور وہ اسم مبارک ہے

المعروف عجل اللہ فرجہ الشریف

دوستو یہ بھی آپ کو بتانا ضروری ہے کہ اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے

اسمائے مبارکہ پہ میں ایک مجلس میں گفتگو کر رہا تھا تو آقائی و مرشدی دامت برکاتہ نے فرمایا یہ چھ سو اسمائے مبارکہ وہ ہیں جو ہم دریافت کر سکے ہیں ورنہ شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ کی حقیقی تعداد کسی کو معلوم ہی نہیں ہے وہ لا تعداد ہیں دوستو ہم جب بھی اپنے مالک زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے پاک کو صرفی Grammatically نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو کئی نام پاک ایسے ہیں جو فاعلی حالت میں ہیں اور کئی اسمائے پاک مفعولی حالت میں ہیں جیسا کہ اسم محسنؑ عجل الله فرجه الشريف ہے، داعیؑ عجل الله فرجه الشريف ہے، قابضؑ عجل الله فرجه الشريف ہے یہ سب فاعلی حالت میں ہیں اور اس طرح کے بہت سے اسمائے مبارکہ ہیں

اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے کئی اسمائے پاک فعلی حالت میں ہیں جیسا کہ عدلؑ عجل الله فرجه الشريف ہے، احسانؑ عجل الله فرجه الشريف ہے

اسی طرح کے بہت سے اسمائے مبارکہ ہیں اور ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کے کئی اسمائے پاک مفعولی حالت میں بھی ہیں جیسا کہ منصورؑ عجل الله فرجه الشريف ہے، منتظر عجل الله فرجه الشريف ہے، اسی طرح کے بہت سے اسمائے مبارکہ ہیں اور ان میں سے ایک اسم مبارک یہ اسم معروف عجل الله فرجه الشريف بھی ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معروف کے معنی کیا ہیں؟

دوستو معروف کی عمومی طور پر جو تعریف لکھی ہوئی وہ یہ ہے کہ

اَلمَعرُوفُ اِسم'' لِکُلِّ فِعلٍ یُعرَفُ بِالعَقلِ اَوِ الشَّرعِ حُسنُہ'

یعنی معروف ہر اس فعل کو کہتے ہیں جو شرعاً یا عقلاً مستحسن ہوا اچھا ہو یا خوبصورت ہو اس لئے ہر نیکی کو معروف کہا جاتا ہے کیونکہ یہ شرعاً اور عقلاً اچھی ہوتی ہے

اگر ہم عربی لغت کو دیکھتے ہیں تو اس میں معروف کے بہت سے دیگر معانی بھی ہیں مگر ان پہ گفتگو کرنا بات کو طول دینے کے برابر ہو گا اس لئے انہیں ترک کرتے ہوئے عرض کروں گا کہ عرفانیاتی نقطۂ نگاہ سے معروف کے جو مرادات بیان ہوئے ہیں وہ تین ہیں

(1) وِلائے آلِ محمد علیهم الصلوات و السلام

(2) حقِ امامِ زمانہ علیه الصلوات و السلام

(3) خود امامِ زمانہ علیه الصلوات و السلام

اس مجلس میں سارے مرادات پہ بحث نہیں ہو سکتی اس لئے صرف آخری پوائنٹ Point پہ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کیونکہ جن القابات سے ہر زمانے کے امام کو خطاب کیا جاتا ہے ان میں سے ایک یہی ہے کہ یا معروف فی السماء یعنی اے وہ ذات جو آسمانوں میں معروف ہے

جب ہم معروف ہونے کی وجہ دریافت کرتے ہیں تو وہ شہرہ آفاق حدیث ہمارے پیش نظر ہوتی ہے کہ جس میں فرمایا گیا تھا

مَن مَاتَ وَلَم يَعرِف اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَد مَاتَ مِيتَةً الُجَاهِلِيّة

جو مر گیا اور اسے اس کے زمانے کے امام کی معرفت کا حصول نہ ہوا تھا تو وہ ایسے مرا جیسے وہ جاہلیت کی موت مر گیا ہو

اس میں جہالت کی موت نہیں فرمایا گیا بلکہ جاہلیت کی موت قرار دی گئی ہے کیونکہ جہالت لاعلمی کا نام ہے اور جاہلیت کے معنی انکار کے ہیں یعنی وہ امام سے منکر ہو کر مرا ہے کیونکہ اسے اپنے زمانے کے امام کی معرفت و عرفان حاصل نہ تھے

دوستو معرفت و عرفان ایک فعل ہے اور جو اس فعل کا فاعل ہوتا ہے اسے عارف کہتے ہیں یعنی صاحبِ معرفت - اور جس کی معرفت حاصل کی جائے وہ مفعول معروف ہوتا ہے یعنی عارف و معروف کا تعلق معرفت کی وجہ سے ہوتا ہے

اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ معرفت کیا ہے؟

دوستو معرفت کی جو عام تعریف لکھی ہوئی ہے وہ ہے

اَلمَعرِفَۃُ وَالعِرفَانِ اِدرَاکُ الشّیءِ بِتَفکّر" وَ تَدَبّر" لِاَثرِہٖ وَ ھُوَ اَخَصُّ مِنَ العِلمِ وَ یُضَادُّہُ الاِنکَارِ

معرفت و عرفان کسی چیز کے آثار میں غور و فکر کر کے ادراک پانے کا نام ہے اور یہ علم سے بھی خاص و اخص ہے اور معرفت کی ضد انکار ہے

علم کی ضد جہل ہے عرفان کی ضد انکار ہے

اس تعریف میں آپ نے دیکھا ہے کہ معرفت کا حصول کسی کے آثار میں غور و فکر سے ہوتا ہے نہ کہ ذات میں غور و فکر کرنے سے

حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو ہم سے غائب ہو اور اس کے آثار موجود ہوں تو ان آثار میں غور و فکر کرنے سے اس چیز کو پہچاننا ہی معرفت ہوتا ہے اور معرفت کا تعلق بلا واسطہ ذات سے نہیں ہوتا کیونکہ جو ذوات ماورائے عقول ہیں ان کی معرفتِ ذات محال ہوتی ہے جیسا کہ ہمیں اللہ کی معرفت کا حکم فرمایا گیا ہے اور ہم کئی ادعیہ میں یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اللھم عرفنی نفسک یعنی اے اللہ جل جلالہ ہمیں اپنے نفس کی معرفت عطا فرما اس دعا کے باوجود سبھی لوگ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کی معرفتِ ذات تو محال ہے یہ نہیں کہ صرف ہمارے لئے بلکہ اللہ کی ذات کی معرفت تو اس کے اپنے

اسمائے صفات کو بھی نہیں ہے بلکہ اس کے اپنے اسم اعظم کو بھی اس کی ذات کی معرفت کا حصول نہیں ہوسکتا اگر وہ اسم اعظم بھی اس کے حریم ذات میں جھانک کر دیکھے تو آن واحد میں فنا ہو جائے

دوسری طرف ہم اس کی ذات کی معرفت کے حکم کو واجب سمجھ لیں تو پھر یہ تکلیف مالا یطاق کے برابر ہے یعنی ہمیں امر محال کو کرنے کا حکم واجب دیا گیا ہے اور اسے کوئی بھی صاحب علم درست نہیں سمجھتا اس لئے میں عرض کرر ہا تھا کہ معرفت کا تعلق ذات سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے آثار سے ہوتا ہے

جب ہمیں یہ حکم ہوتا ہے کہ تم اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات کو تو نہیں سمجھ سکتے ہاں ان کے آثار سے ان کی معرفت کو حاصل کرنا ہے حقیقت یہ ہے کہ پاک انوارِ الٰہیہ علیہم الصلوات و السلام کی ذات تو اللہ کا نورِ خالص ہے جس طرح اللہ کی ذات کسی کے عقل وشعور میں نہیں سما سکتی اسی طرح اللہ کے انوار ازلیہ علیہم الصلوات و السلام بھی کسی کے عقل میں نہیں سما سکتے اس لئے ان کی ذات میں غور وفکر کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کے آثار میں تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ تمہارے لئے انہیں پہچاننے کا صرف ایک ہی ذریعہ Source ہے اور وہ ان کے آثار ہیں کہ جن میں غور وفکر کر کے تم ان کی جزوی معرفت حاصل کر سکتے ہو

ان کی ذات کی معرفت کے بارے میں تو عرفائے عظام رضوان اللہ علیہم کا فرمان ہے کہ ''اعتراف عجز عن المعرفت '' ہی ان کی ذات کی حقیقی معرفت ہے یعنی ان کی ذات کی معرفت سے اپنے عاجز و قاصر ہونے کا اعتراف کرنا ہی عین معرفت ہے

دوستو اعتراف کا اور عرفان و معرفت کا مادہ ایک ہی ہے یعنی ''عَرَفَ'' اور اعتراف کے معنی اپنے قصور کو پہچاننا اور اعتراف کی ضد ''جحود'' ہے اور یہ انکار سے بدتر ہے قاصر ہونے کے باوجود اپنے قاصر ہونے کو تسلیم نہ کرنا جحود ہوتا ہے

اس بحث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ معرفت کا تعلق بلا واسطہ ذات سے نہیں ہوتا بلکہ آثار سے ہوتا ہے کیونکہ ذات کی معرفت محال ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آثار کے معنی کیا ہیں؟ کیونکہ جب تک آثار کے معنی کو نہیں سمجھیں گے اس میں غور و فکر نہ ہو گی اور آثار میں غور و فکر نہ ہو گی تو معرفت کا حصول نہ ہو گا

دوستو آثار کی جو تعریف رائج ہے وہ یہ ہے

اَثَرُ الشَّیءِ حُصُولُ مَایَدُلُّ عَلیٰ وُجُودِہٖ

ہر وہ چیز اثر کہلاتی ہے کہ جو دوسرے کے وجود پر دلیل ہو اسی لئے کہتے ہیں

اِنَّ الآثَارَ تَدُلُّ عَلَی المُؤَثَّرِ وَ البعرَۃُ تَدُلُّ عَلَی البَعِیرِ

یعنی آثار اپنے مؤثر پر دلیل ہوتے ہیں جیسا کہ اونٹ کا لید نا اونٹ کے وجود پر دلیل ہوتا ہے

اسے میں آسان کرنے کی کوشش کرتا ہوں دیکھئے ہمارے سامنے اس امام بارگاہ میں کئی بینر لگے ہوئے ہیں جب ہم ان بینرز کو دیکھتے ہیں تو ہمیں فوراً خیال آتا ہے انہیں لکھنے والا آخر کوئی تو ہے ہمارے سامنے کئی تصاویر لگی ہوئی ہیں یہ تصاویر دیکھ کر ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا شخص ضرور ہو گا جس نے یہ تصاویر بنائی ہوں گی بس اسی طرح سمجھیں کہ یہ تصاویر اور یہ بینر ایسے آثار ہیں کہ جن سے ہم ایک ان

دیکھے فنکار کو دریافت کر رہے ہیں معلوم کر رہے ہیں اور اس کے موجود ہونے کو محسوس کر رہے ہیں اسی طرح ہر صنعت اپنے صانع کی اور ہر فن پارہ اپنے فن کار کا اور ہر نشانِ قدم ایک مسافر کیلئے آ ثار کی حیثیت رکھتا ہے جب ہم صحرا میں کسی کے نشانِ قدم دیکھتے ہیں تو فوراً سمجھ لیتے ہیں کہ کوئی یہاں سے گزرا ہے اسی طرح جملہ آ ثار کسی ان دیکھے مؤ ثر کے وجود کا پتہ دیتے ہیں

اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ ہمیں جب پاک انوار الٰہیہ علیہم الصلوات و السلام کی معرفت کا حکم ہے تو ان کے آ ثار بھی موجود ہوں گے اور وہ آ ثار ہر زمانے میں ہوں گے' اب اس دور میں وہ آ ثار کیا ہیں؟

دوستو انوار اِلٰہیہ اَزلیہ علیہم الصلوات و السلام کے آ ثار تین طرح کے ہیں کہ جن سے انسان کو ان کی معرفت کا حصول ہوسکتا ہے

( ) یہ کائنات اور مافیھا سب کچھ انوار اِلٰہیہ کے آ ثار ہیں کیونکہ اسی نور کو فرمایا گیا تھا لولاك لما خلقت الافلاك یعنی یہ کائنات یہ ارض وسما ان کیلئے خلق ہوئی ہے تو انہی کے آ ثار میں سے ایک ہے

( ) یہ قرآن واحادیث وفرامین ومعجزات وکرامات بھی ان کے آ ثار ہیں ان میں غور کرنے سے بھی ان کی جزوی معرفت حاصل ہو جاتی ہے

( ) خود ان انوار ازلیہ اولیہ اِلٰہیہ علیہم الصلوات و السلام کے اجسادِ منور ابدانِ مروح یہ ظاہری جامہ ہائے بشری بھی ان کے آ ثار ہیں ان میں غور وفکر کرنے سے بھی ان کی جزوی معرفت کا حصول ہو جاتا ہے

لیکن یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ساری معرفت جزوی ہی ہوتی ہے کیونکہ ان کی کلی

معرفت کا حصول کسی کو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کو یہی فرمایا گیا تھا کہ آپ کو کوئی نہیں جانتا مگر ہم اور اللہ، اور ہمیں کوئی نہیں جانتا ایک آپؐ اور ایک اللہ جل جلالہ اور اللہ جل جلالہ کو کوئی نہیں جان سکتا ایک ہمؐ اور آپؐ یعنی ان کی کلی معرفت ان کی اپنی ذات تک محدود ہے یا پھر اللہ ہی ان کی حقیقت سے آشنا ہے ورنہ عالمِ خلق وامر میں سے کوئی بھی ان کی کلی معرفت کا حامل ہو ہی نہیں سکتا دوستو جب انسان کسی ان دیکھی چیز کی معرفت کا حصول چاہتا ہے تو اسے دو طرح کی معرفت سے سابقہ پڑتا ہے یعنی معرفت عامہ کی دو قسمیں ہیں

(1) معرفت بالمشابہہ (2) معرفت بالمشاہدہ

معرفت بالمشابہہ کیا ہے؟

معرفت بالمشابہہ وہ ہوتی ہے کہ جس میں ان دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی اشیا کی تشبیہات سے بیان کر کے سمجھایا جاتا ہے مثلاً

میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ نے کٹھل کا نام سنا ہے؟

آپ پوچھتے ہیں وہ کیا چیز ہے؟ یہاں سے اس کے تعارف کا آغاز ہوتا ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ ایک پھل بھی ہے اور ترکاری بھی ہے جس کا وزن ایک من تک ہوتا ہے

آپ پوچھتے ہیں وہ کس طرح کا ہوتا ہے؟

بس یہاں سے تشبیہات کا عمل شروع ہوتا ہے اور میں آپ کو اس کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ ''تربوز'' جیسا ایک گول گول پھل ہے اور اس کا درخت ''کھجور'' جیسا ہوتا ہے اس کا باہر کا رنگ ''کچے آم'' جیسا ہوتا ہے اس کی باہر والی جلد ''شفتالو'' کی

طرح یا ''کریلے'' کی طرح غیر ہموار ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ اب آپ نے دیکھا ہے
کہ میں نے اس ان دیکھی چیز کے کے تعارف کیلئے اس کی معرفت کیلئے کئی دیکھی
ہوئی چیزوں کے نام لئے ہیں جیسا کہ تربوز، کھجور، کچے آم، کریلا وغیرہ یہ سب
چیزیں آپ نے دیکھی ہوئی تھیں اس لئے ان کی تشبہات اور مثال سے میں نے
آپ کو اس کا تعارف کروایا ہے یہ اس کھٹل نام کی ترکاری و پھل کی معرفت
بالمشابہہ ہے کیونکہ میں نے اس کی مشابہہ چیزوں کی مثالوں سے اس کا تعارف
کروایا ہے

لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ معرفت چاہے کتنی ہی کامل کیوں نہ ہو ہمیشہ معرفت
ناقصہ کہلاتی ہے اس میں جو تعارف ہوتا ہے وہ ہمیشہ ناقص ہوتا ہے اور اگر یہ معرفت
کروانے والا خود ہی کامل نہ ہوگا تو وہ معرفت کے بجائے گمراہ کرے گا جیسا کہ ایک
لطیفہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے کسی مادرزاد اندھے سے کہا بھائی صاحب
آپ کھیر کھانا پسند کریں گے؟ اس نے کہا بھائی میں نے آج تک کھیر کبھی کھائی نہیں
آپ بتادیں وہ کیا ہوتی ہے؟ اس نے کہا بھائی وہ سفید سفید ہوتی ہے' اندھے میاں
نے کہا بھائی مجھے کیا معلوم سفید سفید کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا بھائی وہ بگلے کی سفید
طرح سفید ہوتی ہے' اندھے میاں نے کہا بھائی میں تو مادرزاد اندھا ہوں میں نے
کبھی دیکھا ہی نہیں ہے تو بگلہ کیسے دیکھا ہے تم ہی مجھے اس کے بارے میں بتادو' اس
نے اپنے ہاتھ کو کلائی سے موڑا اور اس اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مڑے ہوئے ہاتھ
پر رکھ کر کہا دیکھو بگلہ اس طرح ہوتا ہے یہ میرا ہاتھ اس کی چونچ کی طرح ہے اور یہ
میری کلائی اس کی گردن کی طرح مڑی ہوئی ہے اور یہ میرا بازو اس کی مکمل گردن کی

طرح ہے

اندھے میاں نے اس کی کلائی اور بازو پر ہاتھ پھیر کر حیرت سے پوچھا یہ تو بہت ٹیڑھی کھیر ہے تمہارے حلق سے کیسے گزر جاتی ہے؟ میرے حلق سے تو یہ نہیں گزر سکتی

دوستو یہ حقیقت ہے کہ معرفت بالمشابہہ میں تشبیہ دینے والے کا کامل ہونا ضروری ہے ورنہ یہ جہالت ہی بن جاتی ہے اور اگر کوئی تشبیہات میں کامل شخص کسی کو کسی چیز کی معرفت کروا بھی دے تو بھی وہ معرفت ہمیشہ ناقص ہی ہوتی ہے کیونکہ تشبیہات و استعارات کبھی بھی کامل ترجمان نہیں ہو سکتے

معرفت بالمشاہدہ کیا ہے؟

تعارف اور معرفت کی دوسری قسم ہے معرفت بالمشاہدہ یعنی وہ معرفت جو مشاہدے [اپنی آنکھوں سے دیکھنے] سے حاصل ہو اسے معرفت بالمشاہدہ کہا جاتا ہے

یہ بھی حقیقت ہے کہ مشاہدے کے کئی درجات ہوتے ہیں اور یہ ایک مسلمہ ہے کہ مشاہدہ جتنا کامل ہوگا معرفت اتنی کامل ہوگی اور مشاہدہ جتنا ناقص ہوتا جائے گا معرفت اتنی ہی ناقص ہوتی جائے گی

دیکھیئے ہم کئی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر ہماری آنکھوں کی یہ کمزوری ہے کہ یہ مشاہدۂ کامل کیلئے ایک مخصوص فاصلہ مانگتی ہیں اگر شاہد و مشہود میں فاصلہ کم یا زیادہ ہو جائے تو یہ درست مشاہدہ نہیں کر سکتیں جیسا کہ ہم چاند ستاروں کو دیکھتے ہیں تو وہ آنکھوں کے مطلوبہ فاصلے سے دوری کی وجہ سے ہمیں چھوٹے نظر آتے ہیں اور ہم چاند کو دیکھتے ہیں تو ایک چپاتی کے برابر نظر آتا ہے اور ستارے ہمیں جگنو جتنے نظر آتے ہیں اس کی وجہ مطلوبہ فاصلے سے دوری ہے

دوستو آپ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں آپ کی آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں مگر ان اپنی آنکھوں سے کہو ذرا یہ اپنی سیاہ پتلی کو دیکھیں ...... آپ اپنی آنکھوں کی سیاہ پتلی کو نہیں دیکھ سکتے کیونکہ یہ آنکھوں کے مطلوبہ فاصلے سے زیادہ قریب ہے اس لئے یہ نہیں دیکھ سکتی ہیں اسی طرح جو ذوات نحن اقرب اليه من حبل الوريد کے مصداق ہیں انہیں شدت وکمال قرب کی وجہ سے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں کیونکہ آنکھوں سے دیکھنے کیلئے ایک مخصوص فاصلے کی ضرورت ہوتی ہے اور جو چیز ان سے زیادہ قریب ہو یا زیادہ دور ہو آنکھیں درست مشاہدہ نہیں کر سکتیں

اسلام آباد کے ہمارے ایک دوست بتا رہے تھے کہ اسلام آباد میں آبپارہ کے قریب ایک مسجد ہے اس میں ایک مولوی صاحب امام جمعہ تھے ان کے سامنے ایک شخص نے ایک دن کہہ دیا کہ امریکی خلاباز مسٹر نیل آرم سٹرانگ چاند پر پہنچا اور کس طرح اس نے وہاں گاف کھیلی یہ سن کر مولوی صاحب بگڑ گئے اور آئندہ جمعہ کے خطبہ میں انہوں نے جو خطاب فرمایا تو اس میں یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ چاند پر کوئی انسان جا سکتا ہے تو وہ کافر ہے اور اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا ہے

یہ سن کر سارے لوگ پریشان ہو گئے کہ یہ تو کیپٹل ہے اس میں ساری دنیا کے سفیر رہتے ہیں اور ان کے سامنے یہ جاہلانہ باتیں اسلام کو اقوامِ عالم کے سامنے رسوا کریں گی اس لئے انہوں نے ایک وفد بنایا اور مولوی صاحب کے پاس چلے گئے اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کی کہ واقعی انسان چاند پر پہنچ چکا ہے جب سارے لوگوں نے بہت زور دیا تو انہوں نے فرمایا میں آپ کی بات پر یقین نہیں کر سکتا ہاں فلاں سیکریٹری صاحب نیک آدمی ہیں اگر وہ فرما دیں تو میں مان لوں گا یہ سن کر وہ

وفداس سیکریٹری صاحب کے پاس گیا اور انہیں ساری بات سنائی اور انہوں آ کر مولوی صاحب سے کہا مولوی صاحب واقعی انسان چاند پر پہنچ چکا ہے

یہ سن کر مولوی صاحب نے کہا آپ کہتے ہیں تو میں مان لیتا ہوں مگر وہ اس صورت میں کہ وہ چودہ کے چاند پر گیا ہوگا پہلی کے چاند پر تو اس کا باپ بھی نہیں جا سکتا کیونکہ وہاں تو وہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا

یہ بات ایک ناقص مشاہدے کی بڑی مثال ہے کیونکہ مشاہدے میں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ویسا ہی دیکھ رہا ہو کہ جیسا کہ مشہود چیز ہے اور یہی بات ہی مشاہدے کے کامل ہونے کی دلیل ہوتی ہے اور مشاہدہ کر لینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کا

درست ہونا ہی اصل چیز ہے جیسا کہ ہم کئی شعبدہ بازوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہاتھ میں رومال لے کر اڑاتے ہیں تو وہ رومال ہاتھ سے نکلتے ہی ایک کبوتر بن جاتا ہے اور اڑ جاتا ہے حالانکہ وہ کبوتر تو اپنی آستین سے نکالتا ہے اور رومال کو وہ غائب کر دیتا ہے

ایک ویڈیو کیسٹ تھی '' Wonderful World of magic '' اس میں کئی ایسے شعبدے دکھائے گئے تھے کہ انسان حیران ہو جاتا تھا کہ یہ اس نے کس طرح کر لیا ہے مگر وہ کوئی جادو نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ سب ہاتھ کی صفائی کا کام تھا مگر سب لوگ جو اس کا مشاہدہ کرتے تھے انہیں وہ مشاہدہ بھی اصل حقیقت کو نہیں سمجھنے دیتا تھا یہ ساری ناقص مشاہدے کی مثالیں ہیں میں اسی لئے عرض کر رہا تھا کہ معرفت کیلئے مشاہدے کا کامل ہونا لازم ہے ورنہ معرفت کامل نہ ہو سکے گی

اللہ کے انوارِ ازلیہ واولیہ علیہم الصلوات و السلام کے آثار وشواہد کا جب بھی کوئی مشاہدہ کرتا ہے تو وہ ہمیشہ ناقص ہوتا ہے ہاں اس کے درجات ہوتے ہیں مگر کلی مشاہدے

کے طور پر وہ مشاہدہ ناقص ہوتا ہے

کیونکہ جن لوگوں نے تئیس سال تک آپ ؐ کے پیچھے نمازیں پڑھیں آپ ؐ کی معیت میں رہے سفر وحضر میں ساتھ رہے وہ بھی ناقص مشاہدے کی بھینٹ چڑھ گئے اور ہمیشہ معرفت سے محروم رہے کیونکہ وہ مشاہدہ تو کر رہے تھے مگر وہ مشاہدہ ناقص تھا بلا غور وخوض وتفکر وتدبر تھا دوسری طرف ایک ایسا شخص ہے کہ جو یمن میں بیٹھا ہے اور مشاہدۂ آثار میں محو ہے ظاہراً اس نے کبھی بھی شہنشاہ انبیا صلی الله علیه و آلهٖ وسلم کی زیارت نہیں کی ہے مگر جب ایک تئیس سال پیچھے نمازیں پڑھنے والا ان سے کہتا ہے کہ افسوس ہے کہ آپ نے اپنے مالک کی زیارت نہیں کی ہے تو وہ چیں بہ جبیں ہو کر فرماتے ہیں کہ کیا تو نے کی ہوئی ہے؟ وہ کہتا ہم تو ان کے ساتھ پلے بڑھے ہیں یہ سن کر وہ فرماتے ہیں کہ ذرا ان جناب صلی الله علیه و آلهٖ وسلم کا حلیہ مبارک تو بیان کرو یہ سن کر وہ پریشان ہو گیا اور وہ حلیہ ٔمبارک بیان ہی نہ کر سکا اور انہوں نے فرمایا بس تم نے یہی کچھ دیکھا ہوا تھا اب مجھ سے میرے محبوب ؐ کا حلیہ مبارک سنو یہ کہہ کر ایک ایک نقش کے بارے کھول کھول کر بتا دیا اور سارے حیران رہ گئے

اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا مشاہدہ اس پہلے والے صاحب سے کامل تھا اور پہلے والے شخص کا مشاہدہ ناقص تھا

پاک انوارِ الٰہیہ علیهم الصلوات و السلام کا جو عمومی مشاہدہ ہے وہ ہمیشہ ناقص ہوتا ہے کیونکہ ان کے آثار میں کما حقہٗ تفکر وتدبر ہو سکتا ہی نہیں ہے

اجسادِ ظاہری وخوابی

دوستو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ کے انوار ازلیہ علیهم الصلوات و السلام کے اجساد ظاہری

وابدان خوابی دونوں ان کے آثار ہیں اوران کا ان کی حقیقتِ ذات سے آثار و مؤثر کا رشتہ وتعلق ہے اورمرتبۂ رویت میں یہ دونوں ایک ہی جیسے ہیں یعنی ان انوار مطاہرہ علیهم الصلوات و السلام کا چاہے خواب میں مشاہدہ کیا جائے
یا بیداراری میں یہ دونوں مشاہدے ایک جیسے ہیں ان میں ذرا برابر فرق نہیں ہے عالمِ خواب میں زیارت سے مشرف ہونے والے کو اگر چہ فقہی اصطلاح میں صحابی نہیں کہا جا سکتا مگر زیارت کے معاملے میں صحابی وزائرِ رویت ایک ہی مرتبے کے حامل ہیں اسی لئے فرمایا گیا تھا

من رأنی فی المنام فقد رأنی و من رأنی فقد رأ الحق

یعنی جس نے عالمِ خواب میں ہماری زیارت کی ہے گویا اس نے ہماری ظاہراً زیارت کی ہے اور جس نے ہماری زیارت کی ہے گویا اس نے حق کو دیکھا ہے
حق سے مراد یہ بھی ہے کہ جس نے عالمِ خواب میں دیکھا ہے اس نے واقعی درست دیکھا ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جس نے عالمِ خواب میں دیکھا ہے یا ظاہراً اس نے اللہ جل جلاله کا دیدار کیا ہے

معرفت کا نقطہ آغاز

دوستو اس دور میں کئی لوگ خود کو عارف کہلاتے ہیں اور کچھ لوگوں کو ہم عارف کہتے ہیں کیونکہ ہم ہر خوش عقیدہ شخص کو صاحب معرفت سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عرفان ومعرفت کا نقطہ آغاز مشاہدے سے ہوتا یعنی جہاں سے مشاہدہ شروع ہوتا ہے وہاں سے معرفت کی سرحد شروع ہوتی ہے اور جو شخص بغیر مشاہدے اور زیارت

کے خود کو عارف کہلاتا ہے یا سمجھتا ہے وہ جھوٹا ہے اور جو کسی بغیر مشرف شخص کو عارف سمجھتا ہے وہ غلطی پر ہے

دوستو حقیقت یہ ہے کہ معارف ہمیشہ کیفی ہوتے ہیں شنیدہ بات تو لایعنی بات ہوتی ہے اس دور میں یہ رواج بن گیا ہے کہ جو شخص پاک انوار الٰہیہ کو اللہ یا رب العالمین کہتا ہے اسے عارف کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ یہ اس کی زبانی جمع خرچ ہے کیونکہ لوگ کہنے کو تو فرعون کو بھی اللہ کہہ دیتے تھے کہنے میں کچھ خرچ تو ہوتا نہیں اور نہ ہی صحت پر کوئی اثر ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ معرفت شنیدہ نہیں ہوتی اور زبانی نہیں ہوتی بلکہ عرفان تو ایک کیفیت ہے جو مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کا اثر کسی نااہل پر تو قیامت جیسا ہوتا ہے

دیکھئے ایک جماعت شہنشاہ معظم کریم کربلا علیہ الصلوات و السلام کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور عرض کرتی ہے کہ آپ ہمیں اپنی کسی ایک فضیلت سے آگاہ فرمائیں

یہ سن کر آپ نے فرمایا تم کسی ایک فضیلت کو بھی برداشت نہیں کر سکتے

وہ عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمیں آگاہ فرمائیں ہم برداشت کر لیں گے

اس پر فرمایا تم ایسا کرو کہ اس جماعت میں سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرو کہ جو بہت ہی مضبوط اعصاب کا انسان ہو ہم انہیں اپنی ایک فضیلت سے آگاہ کریں گے اگر اس نے اسے برداشت کر لیا تو تم بھی کر لو گے

اس جماعت نے ایک نوخیز لڑکے کو منتخب کیا شہنشاہ معظم کریم کربلا علیہ الصلوات و السلام اسے علیحدہ کمرے میں لے گئے اور اسے اپنی ایک فضیلت کا عرفان کروایا پھر کیا تھا اس کا رنگ سیاہ ہو گیا اس کے بال سفید ہو گئے چہرے پہ جھریاں آ گئیں کمر جھک گئی

اور کانپتا ہوا باہر نکلا سارے لوگ اسے پہچان بھی نہ سکے کہ یہ وہی ہے یا کوئی اور بوڑھا شخص ہے جب سارے لوگوں نے اس سے پوچھا کہ آپؑ نے فرمایا کیا تھا؟ تو اس نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا فرمایا تھا امام علیہ الصلوات و السلام نے فرمایا یہ بھی اچھا ہوا ہے کہ اسے وہ بات بھول گئی ہے ورنہ یہ مرجاتا

یہاں یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ کیا شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات و السلام نے اسے یہ فرمایا ہوگا کہ ہم اللہ ہیں اور اس کے بال سفید ہو گئے ہوں گے؟

اب یہ بھی سوچیں کہ ہم انہیں بہت کچھ کہتے ہیں مگر ہم پر تو کوئی بھی اثر نہیں ہوتا اور ہمارا تو ایک بال بھی سفید نہیں ہوتا تو اس کی وجہ کیا ہے؟

یہ خود دیکھیں کہ معرفت جو بھی چیز ہے مگر وہ یہ نہیں ہے جسے ہم معرفت کہتے ہیں بلکہ عرفانِ فضائل کیفی و مشاہداتی ہوتا ہے

آج وقت کم ہونے کی وجہ سے بات کو آگے نہیں بڑھاؤں گا اب اس مقام پر میں عرض کروں گا کہ ہمیں دعا کرنا چاہیے کہ ہمارے شہنشاہ معظم جو معروف عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں جن کی معرفت اللہ نے ہم پر واجب فرمائی ہے۔ خالق ہمیں ان کی حقیقی معرفت عطا فرمائے رب ذوالجلال والاکرام ہمیں ان کی نصرت کی توفیق عطا فرمائے مالک حقیقی ہمیں وہ روز سعید دکھائے کہ جب وہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف اکلیل الوہیت سجائے اللہ جل جلالہ کی نیابتِ مطلقہ کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر حکوت اِلٰہیہ کے قیام کا اعلان فرمائیں

اولین و آخرین دیکھیں کہ اللہ جل جلالہ کا حقیقی وارث و نمائندہ کیسا ہوتا ہے اور پاک خاندان علیہم الصلوات و السلام کی عظمت کا اظہار ہو

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے مسافرانِ طریقِ معرفت

کل میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے شہنشاہ **معظم** عجل اللہ فرجہ الشریف **کا ایک اسمِ مبارک** ہے **معروف** عجل الله فرجه الشريف

چونکہ کل وقت کی کمی کے باعث یہ موضوع نامکمل رہ گیا تھا اس لئے ہم آج بھی اسی اسمِ مبارک پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں مگر سب سے پہلے اس بات کا اعادہ کرنا مناسب ہوگا کہ معروف کیا ہے؟

معروف کا مادہ ہے عَرَفَ اور عَرَفَ سے عرفان و معرفت ہیں اور اعرف ہی سے عارف ہوتا ہے یعنی جو صاحبِ معرفت ہوا سے عارف کہتے ہیں اور جس کی معرفت کی جائے وہ ذات ہوتی ہے معروف

یہاں ایک وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس دور میں دو الفاظ عام طور پر استعمال ہوتے ہیں اور انہیں ایک ہی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ ان میں کافی فرق ہے وہ ہیں ''عرفانیات'' و''روحانیات'' حالانکہ یہ دو مختلف علوم ہیں اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرفانیات کیا ہے؟

عرفانیات ایک ایسا علم ہے کہ جس کا تعلق عقائد سے ہوتا ہے مگر جب عقائد کی اصل مشاہداتی ہو تو وہ عرفانیات کہلاتی ہے

عمومی عقیدہ جو ہوتا ہے وہ یقین پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک ظنِ اطمینان ہی ہوتا ہے جبکہ یقین کا مقام ظن وگمان سے بہت اونچا ہوتا ہے

ہم جب اپنے عقائد کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سارے عقائد زبانی جمع خرچ کے علاوہ کچھ ثابت نہیں ہوتے کیونکہ جب یقین ہوتا ہے کہ فلاں چیز ضرر رساں ہے تو آدمی اس سے ڈرتا ہے جیسا کہ ہمیں یقین ہے کہ سانپ بچھو کے ڈسنے سے اذیت ہوتی ہے تو ہم کبھی بھول کر بھی انہیں ہاتھ لگانے کی کوشش نہیں کرتے دوسری طرف ہمارا یہ حال ہے کہ اللہ جل جلالہ کی اور آئمۂ اطہار علیهم الصلوات و السلام کی نافرانی سے کبھی خوف زدہ نہیں ہوتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں نافرمانی کا اتنا بھی خوف نہیں ہے کہ جتنا ایک مچھر کے کاٹنے کا ہوتا میں اکثر احباب سے کہتا ہوں کہ ہم ایک طرف اللہ جل جلالہ کے بارے میں بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں دوسری طرف ہم اسے کسی بھی ظاہری چیز کے برابر نہیں سمجھتے تو کیا اس کے باوجود ہم اللہ پر یقین کامل کا دعویٰ کرسکتے ہیں؟

ایک آدمی سے کہہ دیا جائے کہ تم ایک جھوٹ بولو کہ جس سے تمہیں ایک ہزار روپیہ

بھی ملے گا ہاں اس کے ساتھ اس جھوٹ پر تمہیں ایک بچھو سے بھی ڈسوایا جائے گا کیا تم جھوٹ بولنے کیلئے تیار ہو؟

میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی ایک ہزار روپے کمانے کیلئے خود کو بچھو سے نہیں ڈسوائے گا

دوسری طرف فرمان یہ ہے کہ

لعنت الله علی الکاذبین یعنی جھوٹ بولنے والوں پہ اللہ کی لعنت ہے

اور یہ بھی فرمان ہے

لعنت الله علی الکاذب ولو کان مازح یعنی اللہ کی جھوٹے پر لعنت ہے چاہے وہ مذاق میں بھی جھوٹ بولتا ہے

اب ہمارے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ کبھی ہم اللہ کی لعنت سے اتنے ڈرے ہیں کہ جتنے ہم بچھو سے ڈرتے ہیں؟ یقیناً سب کا یہی جواب ہوگا کہ نہیں

اب خود سوچیں کہ جب ہم نے اللہ جل جلالہ کو نعوذ باللہ حشرات الارض کے برابر کا درجہ بھی نہیں دیا ہوا تو پھر ہمارا اس کی ذات پر کیسا یقین ہے؟

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارا اللہ جل جلالہ کی ذات پر یقین نہیں اور نہ انبیا و رسل علیہم السلام پر یقین ہے اور نہ ہی ہمارا آئمہ اطہار علیہم الصلوات و السلام پر یقین ہے بلکہ ہمارے سارے عقائد صرف ایک ظن و گمان پر قائم ہیں کہ جنت بھی ہے، جہنم بھی ہے، فرشتے بھی ہیں، حساب بھی ہے، قیامت بھی ہے، فشار قبر بھی ہے، سوال منکر و نکیر فی القبر بھی ہے یعنی ساری ان دیکھی حقیقتوں پر ہمارا یقین نہیں ہے بلکہ ہمارا ظنِ اطمینان ہے کہ واقعی وہ ہیں

عرفانیات وہ علم ہے جو اِن اَن دیکھی چیزوں کے مشاہدے کے بعد عقائد کو بیان

کرتا ہے اور ان کی حقیقتِ حقہ پہ بحث کرتا ہے اس علم میں کوئی بھی عقیدہ ونظریہ غیر مشاہداتی نہیں ہوتا بلکہ ان کی معرفتِ آثار کے بعد ہی عقیدہ بنایا جاتا ہے

روحانیات وہ علم ہے کہ جو وہ دستورِ حیات فراہم کرتا ہے کہ جس پر عمل کر کے انسان مقاماتِ مشاہدۂ آثار تک پہنچ سکتا ہے

یوں سمجھ لیں کہ روحانیات عرفانیات کی بنیاد ہے جب تک تزکیاتِ نفس اور ریاضات و مجاہداتِ نفس کے پراسس Process سے نہیں گزرا جاتا انسان عرفانیات کی بو بھی نہیں پا سکتا کیونکہ عرفانیات روحانیات کا ثمر ہے اور روحانیت عرفانیت کا شجر ہے اس لئے پہلے شجر کو پروان چڑھایا جاتا ہے تب انسان اس کے ثمر سے بہرہ ور ہو سکتا ہے ایک حساب سے یہ دو مختلف علوم بھی ہیں اور دوسرے حساب سے یہ ایک ہی کتاب کے دو باب ہیں

کل میں نے گذارش کی تھی کہ معارف شنیدہ و زبانی نہیں ہوتے بلکہ کیفی ہوتے ہیں کیونکہ انسان جب مشاہدۂ حقائق کرتا ہے تو اس کے نفس پر اس کی ایک کیفیت مرتسم و نقش ہوتی ہے ایک کیفیت اس کی ذات پر طاری ہوتی ہے جیسا کہ انسان اپنے محبوب کو دیکھتا ہے تو اسے دیکھ کر اس پر سرور کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسی طرح کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے کہ جس سے وہ خطرہ محسوس کرتا ہے تو اس پر ایک خوف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسی طرح پاک انوار اِلٰہیہ ازلیہ کا جب عرفان حاصل ہوتا ہے تو اس سے بھی ایک کیفیت انسان پر طاری ہوتی ہے

اس بات کو میں ایک حسی مثال سے سمجھاتا ہوں

دیکھئے آپ کسی جنگل میں تنہا جا رہے ہیں شام کا وقت ہے پورا جنگل سائیں سائیں

کررہاہےاورسورج بھی ڈوبنے والا ہے اچانک آپ دیکھتے ہیں کہ ایک شیر جھاڑی سے نکل کر آپ کے سامنے کھڑا ہوجاتا ہے

اب خود سوچیئے اس وقت آپ پر کیسی کیفیت طاری ہوجائے گی؟

آپ کے ہاتھ پاؤں سن ہوجائیں گے آپ سردی کے باوجود پسینے سے شرابور ہوجائیں گے آپ کے ہوش اڑ جائیں گے اگر ذرا برابر ہوش بحال رہے تو بھاگ کر کسی درخت پر چڑھنے کی کوشش کریں گے

آپ خود سوچیں کہ یہ کیفیت کیوں طاری ہوئی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو آپ شیر کی درندگی پر یقین رکھتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ اس کا آپ نے مشاہدہ بھی کرلیا ہے اور وہ آپ کے سامنے کھڑا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو یہ بھی یقین ہے کہ آپ اس سے بہت کمزور ہیں وہ اگر حملہ کردے تو اس سے خود کو بچانے کی آپ میں طاقت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس سے بھاگنے کی آپ میں جرأت ہے بس انہی باتوں پر یقینِ کامل نے آپ کو حواس باختہ کردیا ہے اور ایک عظیم خوف کی کیفیت آپ پر طاری ہوگئی ہے

دوستو حقیقت یہ ہے کہ یقین اور مشاہدہ دونوں جب بھی مل جاتے ہیں تو ایک کیفیت پیدا کردیتے ہیں اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک کوئی مشاہدہ نہیں کرتا وہ عارف نہیں ہوسکتا کیونکہ عرفان مشاہدہ اور یقین کے مل جانے کا نام ہے

دیکھئے ایک شخص ایک درندے کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر خوف کی ایک عظیم کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اسی انسان کو کائنات کی سب سے طاقتور ذات کا مشاہدہ ہوجائے تو کیا اس پر کوئی کیفیت طاری نہیں ہوگی؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ کیسی ہوتی ہے؟
اس کا جواب کل کے خطاب میں دیا تھا کہ جب کریمِ کربلاعلیہ الصلوات و السلام نے ایک مشاہدہ کروایا تھا تو اس نوجوان پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی اس کا رنگ سیاہ ہوگیا تھا اس کے سر کے بال سفید ہوگئے تھےاس کے چہرے پر جھریاں آ گئی تھیں اس کی کمر جھک گئی تھی وہ ایک نوجوان لڑکے سے بوڑھا کھوسٹ بن گیا تھا تو کیا یہ مشاہدہ کسی قیامت سے کم ہے؟
قیامت کے بارے میں ارشاد ہے
فَكَيۡفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرۡتُمۡ يَوۡماً يَجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِيۡباً
یعنی قیامت ہی وہ دن ہے جس دن بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے
دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ معرفت میں بھی یہ خصوصیت ہے کہ بچے کو بوڑھا کر دیتی ہےتو کیا یہ قیامت سے کم چیز ہے؟
دوستوکبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ قیامت کے دن بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے تو اس کی وجہ کیا ہوگی؟
میں سمجھتا ہوں کہ جہاں اور بھی بہت سے وجوہات ہوں گے وہاں ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ وہ دن دراصل اظہارِ حقائق کا دن ہے اس دن ہر چیز کی معرفت جبراً کروادی جائے گی اور جب انسان کواللہ کے انوارِ ازلیہ واولیہعلیھم الصلوات و السلام کی جبراً معرفت کروادی جائے گی تو اس دن جو اس معرفت کے متحمل نہ ہوسکیں گے وہ بوڑھے ہو جائیں گےان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے کمریں جھک جائیں گی
حقیقت یہ ہے کہ جب کسی عارف پر بابِ مشاہدہ کھلتا ہےتو اس پر بھی قیامت ٹوٹ

پڑتی ہے مگر وہ شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے کرم وعطا کردہ توفیق سے اس کا متحمل ہوجاتا ہے مگر اس کے باوجود اس پر قیامت جیسی کیفیت طاری ضرور ہوجاتی ہے

کچھ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ اس قیامت کو عارف کیسے برداشت کر لیتا ہے؟ دیکھئے ہمارے سامنے قطبین ہیں جہاں سارا سال برف جمی رہتی ہے اور انٹارکٹیکا جو ساؤتھ پول South Pool میں ہے وہاں تو سردی کے موسم میں یعنی دسمبر جنوری میں تو درجہ حرارت منفی 92 - سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے اور یہ لیکوئیڈ نائیٹروجن Liquid Nitrogen کا درجہ حرارت ہے جبکہ برف کا درجہ حرارت صرف منفی 5- سینٹی گریڈ ہوتا ہے

اس درجہ سرد مقام پر بھی کچھ جاندار رہتے ہیں جیسے پینگوئین ہیں یا کئی آبی جاندار ہیں وہ اس موسم میں ہی میں خوش ہوتے ہیں اگر درجہ حرارت برف کے برابر ہوجائے تو وہ گرمی کی وجہ سے مرنا شروع ہوجاتے ہیں

وہاں سے ایک جاندار کو جب لایا گیا تو اسے Freezing Point فریزنگ پوائنٹ کے موسم میں لایا گیا مگر جب برطانیہ میں اسے چند درجے کم سردی ملی تو وہ تڑپنے لگا کیونکہ اسے مالک حقیقی نے اسی موسم کیلئے بنایا تھا کہ جس میں وہ رہ رہا تھا اس کے برعکس ہم افریقہ کے لیزرڈ [چھپکلی جیسا ایک جانور ہے] کو دیکھتے ہیں کہ جو 60 سینٹی گریڈ گرمی میں بھی بہت خوش رہتا ہے اگر اسے ساؤتھ پول South Pool میں پھینک دیا جائے تو وہ جگہ اس کیلئے زمہریر [سرد جہنم] ہی ہوگی اور اگر ساؤتھ پول کے پینگوئین کو افریقہ کی گرمی میں ڈال دیا جائے تو وہ فضا ان کیلئے نارِ جحیم بن جائے گی کیونکہ یہ دونوں جس جس مقام کیلئے بنے ہیں اسی میں ان کی جنت

ہے اسی طرح عرفا کو معرفت کی قیامت ہی کیلئے بنایا جاتا ہے اور اس کیلئے یہی قیامت ہی جنتِ وصال ہے اور عارف اس جنتِ وصال میں جوان ہو کر جاتا ہے اور پھر اس میں ہمیشہ ہمیشہ جوان رہتا ہے

ایک واقعہ پیش کرتا ہوں کہ جو عام ذاکرین حضرات بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب بلال سلام الله علیه جناب سلمان محمدیؑ سلام الله علیه کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے آپ نے دریافت فرمایا کہ بھائی آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ آج میں نے اپنے شہنشاہ صلی الله علیه و آلہٖ وسلم سے سنا ہے وہ فرما رہے تھے کہ جنت میں کوئی سیاہ رنگ والا نہیں جائے گا

جناب سلمان پاک سلام الله علیه کو اس پر بہت ترس آیا اور وہ شہنشاہ انبیا صلی الله علیه و آلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی آقا آپ نے ابھی ایسا ایسا فرمایا ہے اور اس کی وجہ سے جناب بلال سلام الله علیه گریہ فرما رہے ہیں آپ انہیں بلا کر دل جوئی فرمائیں حضورؐ نے فرمایا بھائی سلمان آپ کو معلوم ہے کہ جنت میں کوئی بوڑھا بھی نہیں جائے گا یہ سن کر وہ بھی رونے لگے

واقعہ آپ کا سنا ہوا ہے اس لئے اس کا اعادہ نہیں کرتا بات صرف اتنی تھی کہ فرمایا گیا تھا کہ جو عارف سیاہ فام ہوگا وہ جنتِ وصال میں درخشاں چہرے کے ساتھ جائے گا اور اس جنتِ وصال میں کوئی معرفت کا بوڑھا بھی داخل نہیں ہوسکتا

دوستو اس کے باوجود کہ عارف کو اس قیامت کیلئے بنایا گیا ہے اور وہ اس کا متحمل بھی ہو جاتا ہے اور اس کیلئے مشاہدہ انوار الٰہیہ علیهم الصلوات و السلام ایک جنت وصال ہوتی ہے مگر آپ نے دیکھا ہوگا یا سنا تو ضرور ہوگا کہ جب بھی کوئی عارف نماز کیلئے تیار

ہوتا تھا تو اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا تھا اور جسم میں کپکپی پیدا ہو جاتی تھی اس کی وجہ کیا ہوتی تھی ؟

سچ تو یہ ہے کہ معرفت اور مشاہدہ کوئی عام چیز نہیں ہے بلکہ انوار الٰہیہ ازلیہ کا وزن اٹھانے کے برابر ہے اور عارف چاہے کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو معرفت کاملہ اور مشاہدۂ کامل کا وزن برداشت کرنا اس کے بس کا روگ ہوتا ہی نہیں وہ انوار الٰہیہ سے لاکھ مانوس سہی مگر اس کے سامنے اپنی اوقات بھی تو نظر آتی ہے بس وہی ایسا رعب و ہیبت طاری کر دیتی ہے کہ آدمی کانپنے لگتا ہے

یہ ساری باتیں تو ضمناً آ گئی تھیں اب میں واپس اپنے موضوع کی طرف جاتا ہوں دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ معرفت کا نقطۂ آغاز مشاہدہ ہے یعنی جو مشاہدے کی منزل پر نہیں پہنچا وہ عارف نہیں ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے مشاہدۂ اول کس کا ہوتا ہے کہ جو معرفت کی بنیاد بنتا ہے؟ دوستو میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کا اسم مبارک ہے معروف عجل الله فرجه الشريف یعنی جن کی معرفت واجب ہے جیسا کہ فرمایا گیا تھا

من مات ولم یعرف امام زمانہٖ فقد مات میتة الجاھلیه

یعنی جو اپنے زمانے کے امام کی معرفت کا حصول نہیں کر پایا وہ جاہلیت کی موت مر گیا یعنی زمانے کے امام کی معرفت ہی اصل بیناد ہے

اب یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ معرفت مشاہدے اور زیارت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے جب اس کے منطقی نتیجے کو دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ جس کو اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کی زیارت نہیں ہوتی اسے معرفت نہیں ہوتی اور جسے معرفت نہیں

ہوتی اس کی موت جاہلیت کی ہوتی ہے تو گویا جسے اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت نہیں ہوتی اس کی موت جاہلیت کی موت ہے اب اسی سے اندازہ کرنا چاہیے کہ زمانے کے امام کی زیارت کتنی اہم چیز ہے

اس دور میں یہ پرچار ہورہا ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت ہو ہی نہیں سکتی اس پرچار کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دور میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی معرفت کا حصول ہی ناممکن ہے یعنی یہ جو فرمایا گیا تھا کہ امام وقت کی معرفت کے بغیر جاہلیت کی موت ہے تو یہ حکم معرفت ہی تکلیف مالا یطاق یعنی امر محال کا وجوب ہے

دوستو میں بار بار اس بات کا اعادہ کرتا رہتا ہوں کیونکہ اعادہِ مستحسن بھی مستحسن ہوتا ہے اور میں بار بار یہ گذارش کرتا رہتا ہوں کہ اس دور میں کوئی شخص خود کو اس وقت تک دین حق پر نہ سمجھے کہ جب تک اسے اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت نصیب نہ ہو اور اسے آگاہ نہ فرمایا جائے کہ تمہیں کس کی اتباع کرنا چاہیے

اس دور میں اہلِ محبت کو گمراہ کرنے کیلئے یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت صرف نیک لوگوں کو ہوسکتی ہے اور عام لوگوں کو صرف علمائے کرام کی تقلید کرنا لازم ہے دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ علمائے کرام سے دین سیکھنے کیلئے انہیں بلایا جائے تو پہلے اچھی خاصی رقم مہیا کرنا پڑتی ہے اس دور میں کچھ دین فروش علما منبر پر قابض ہیں اور دین مہنگا ہوگیا ہے اس لئے عوام میں بے دینی کا رجحان بڑھ رہا ہے اور سلسلہ تبلیغ تقریباً ختم ہو چکا ہے اور مارکیٹ میں جو دین موجود ہیں ان میں ہر دکان دار کا مال ایک دوسرے سے مختلف ہے اور کسی عام آدمی کیلئے یہ معلوم کرنا ہی محال ہے کہ کون سا دین حق ہے ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ

فرجہ الشریف کا مطلوبہ دین کون سا ہے؟ اس لئے اس دور میں لازم ہوگیا ہے کہ پہلے اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف رجوع کریں اوران کی بارگاہ میں استغاثہ کریں کہ مولاؑ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اس دور میں آپ کے دین کا پرچار کرنے والا کون ہے اور مجھے کس کی تقلید واطاعت کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالنا چاہیے مجھے اپنے دین ودنیا کیلیئے کس کو شیخ ومرشد بنانا چاہیے آپ خود مجھے آگاہ فرمائیں جو آدمی صدقِ نیت سے یہ استغاثہ کرتا ہے اسے ضرور آگاہ کیا جاتا ہے کیونکہ وہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف ہمارے والدین سے زیادہ ہم پر مہربان ہیں اوران کا منصب بھی ہدایت ہے اور وہ آئے ہی انسان کو پاک کرنے کیلیئے ہیں تو پھر وہ ہماری ہدایت کیوں نہیں فرمائیں گے

ماضی میں وجودِ امام کیلیئے ہم ایک دلیل دیتے تھے کہ امام معصوم کا ہر دور میں ہونا لازم ہے اس کی دلیل یہ دیتے تھے کہ اگر عوام میں اختلاف ہوجائے تو رفعِ اختلاف علمائے دین پر واجب ہے اور اگر علمائے دین میں اختلاف پیدا ہوجائے تو پھر اللہ پر اختلاف کا رفع کرنا واجب ہے اور اللہ اپنے کسی معصوم نمائندے ہی سے یہ اختلاف رفع کرواتا ہے اس لئے امام معصوم کا ہر زمانے میں موجود ہونا اللہ پر واجب ہے

اسی دلیل کو ہم آج دیکھتے ہیں تو ایک عجیب سی بات لگتی ہے کیونکہ اس دور میں علمائے کرام میں ایسا اختلاف موجود ہے کہ جو ماضی میں شاید کبھی نہ تھا اور اس اختلاف میں نقصان بھولی بھالی عوام کا ہورہا ہے اور علمائے کرام اتنی زحمت بھی گوارا نہیں فرماتے کہ وہ اس اختلاف کو امام معصوم عجل اللہ فرجہ الشریف سے رفع کروالیں بلکہ وہ آپس میں جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہیں منبروں پر اپنی اپنی جماعتیں بنا کر ان سے

دوسرے علما پر تبرہ بازی کا طوفان کھڑا کئے رکھتے ہیں اب ان سے تو یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف رجوع کریں گے یا کسی کو ان کے درِ اقدس تک جانے دیں گے

اس لئے اب عوام پر اور مومنین پر واجب ہے کہ وہ اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف رجوع کریں اور ہدایت پائیں

حقیقت یہ ہے کہ میں ایسے کئی خوش قسمت لوگوں کو جانتا ہوں کہ جنہوں نے اپنے اہم مسائل میں اپنے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف رجوع کیا ہے اور ہدایت پائی ہے میں یہ ماضی کی نہیں اسی دورِ حاضر کے اپنی طرح کے گناہ گار بھائیوں کی بات کرر ہا ہوں کہ جنہیں ہمارے کریم ازل شہنشاہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے ہدایت بھی فرمائی ہے اور زیارت کا اعزاز بھی بخشا ہے

اس دور میں نمبر دو مال بیچنے والے علمائے کرام کی بھرپور کوشش ہے کہ کسی طرح کوئی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف رجوع نہ کرے اس لئے وہ آئے دن نئے نئے وسوسے پیدا کرتے رہتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ آپ گناہ گار ہیں بدکار ہیں معصیت کار ہیں اس لئے آپ کو زیارت نصیب نہیں ہوسکتی

میں ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اگر ہمارے شہنشاہ زمانہ صرف نیک لوگوں کے ہادی ہیں تو گویا وہ دستارِ رسالت کے وارث ہی خیر ہیں کیونکہ ان کے جد اطہر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تو کفار کو بھی ہدایت فرماتے تھے اور ان کے منصب اور دستار کا پاک وارث یہ فرمائے کہ میں تو متقین کی ہدایت کیلئے آیا ہوں تو یہ ان کے منصب ہی کے خلاف ہے

اس دور میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں جملہ مسائل میں قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہیے نہ کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف حالانکہ قرآن کریم نے تو یہ فرمایا ہوا ہے کہ وہ متقین کیلئے ہدایت ہے اور غیر متقی سے اس کا کوئی تعلق ہے ہی نہیں مگر یہی یہ بات کی جارہی ہے کہ جس نے نیک و بد سب کی ہدایت کا اعلان فرمایا ہے اس کی طرف جانے سے روکا جاتا ہے اور جس نے صرف متقین کی ہدایت کا وعدہ کیا ہوا ہے اس کی طرف ہر نیک و بد کو ہدایت کیلئے بھیجا جاتا ہے یہ پاک انوار اِلٰہیہ ازلیہ علیہم الصلوات و السلام سے عداوت کا مظاہرہ نہیں تو کیا ہے؟

بھائیو آپ لوگ کسی کے دھوکے میں نہ آئیں اور ہمہ وقت کوشش کریں کہ آپ کا رابطہ اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے ہوجائے آپ اپنے گناہوں کو نہ دیکھیں بلکہ یہ سمجھیں کہ آپ نجاست کے کنویں میں گرے ہوئے ضرور ہیں مگر اس سے نکالنے والا بھی ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے علاوہ کوئی نہیں ہے اس لئے ہماری مجبوری ہے کہ ان کی طرف رجوع کئے بناں ہمارے لئے کوئی چارہ کار رہے ہی نہیں

میں اکثر احباب سے کہتا ہوں کہ میں آپ کے گھروں کی ایک مثال پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ کا کوئی کمسن بچہ جب غلاظت میں لتھڑا ہوا ہو اور وہ اچانک آپ کو دیکھ لے تو وہ اپنی غلاظتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آپ کی طرف دوڑے گا اور آپ سے چمٹنے کی پوری پوری کوشش کرے گا جب آپ اس کے عزائم سے آگاہ ہوں گے تو آپ سمجھ لیں گے کہ یہ بغیر چمٹے آرام نہیں کرے گا تو آپ فوراً اسے احتیاط سے اٹھائیں گے اسے غسل بھی کروائیں گے اور اس کی غلاظتیں بھی دور کروائیں گے اور نئے کپڑے پہنائیں گے اور پھر سینے سے بھی لگائیں گے بلاتشبیہ

ہماری یہی حالت ہے کہ ہم گٹر میں گرے ہوئے بچے ہیں اور ہمارا مالک ہی ہمارا آقا بھی ہے، ہمارا والد بھی ہے، ماں بھی ہے، مولا بھی ہے اور سب سے زیادہ مہربان بھی ہے اس لئے ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ان سے لپٹنے کی کوشش کریں ان کے قدموں میں گرنے کی کوشش کریں اور جب انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ ہمارے قدموں کے بوسے کے بغیر آرام نہیں کرے گا تو وہ خود ہی ہمیں اس گناہوں کے گٹر سے بھی نکالیں گے اور پاک بھی کریں گے اور وہ کریم والدین کی طرح اپنے سینے سے بھی لگائیں گے کیونکہ جو بھی جناب حرسلام اللہ علیہ بن کر دکھائے گا انہیں کریم کربلاعلیہ الصلوات و السلام ہی پائے گا

اس دور میں کیا ہر دور میں اپنے امام زمانہعلیہ الصلوات و السلامکی معرفت واجب ہے اور معرفت بغیر زیارت اور مشاہدہ کامل کے ہو نہیں سکتی اس لئے زیارت کرنا واجب ہے کیونکہ یقین کیلئے مشاہدہ لازم ہے اور یہ ہمارے شہنشاہِ زمانہعجل الله فرجه الشريف ہیں ہی معروفعجل الله فرجه الشريف کہ جن کی معرفت [جو مشاہدے کا ثمر] ہے وہ حاصل کی جاسکتی ہے

آخر میں دعا کروں گا کہ مولا کسی محبت اور عشق والے کو اپنی زیارت سے محروم نہ فرمائیں اس دنیا میں ہدایت کیلئے محروم نہ فرمائیں اور جب ان کی حکومت کا قیام ہو تو اپنی نصرت سے محروم نہ فرمائیں اور سارے تڑپتے ہوئے دلوں کو اور ترستی ہوئی آنکھوں کو اپنی ابدی مسرت کا جشن ضرور دکھائیں

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاھرین المعصومین

﴿عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے تشنگانِ فراتِ عرفان

اب مناسب ہے کہ ہم مشعل وحی و الہام کی روشنی میں اگلی منزل کی طرف مصروفِ سفر ہو جائیں اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہماری اگلی منزل ہمارے شہنشاہِ زمانہ میرے مالک حقیقی عجل الله فرجه الشريف کا اسم مبارک ہے

﴿ماءٍ معینؑ عجل الله فرجه الشريف﴾

دنیا میں اشیا یا افراد کے جو نام ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں

نمبر 1 = مفرد اسما یعنی ایسے نام جو ایک ہی لفظ پر مبنی ہوتے یا یوں سمجھیں کہ وہ ایک ہی نام ہوتا ہے جیسے کاظم یہ ایک لفظی نام ہے

نمبر 2 = مرکب اسماء یعنی وہ نام جو ایک سے زیادہ الفاظ سے مرکب ہوتے ہیں یعنی

ان میں کئی نام شامل ہوتے ہیں جیسے کاظم علیؑ راسخ اس میں تین نام شامل ہیں

جب ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کے اسمائے مبارکہ پر غور کرتے ہیں تو ان میں بھی یہی صورتِ حال نظر آتی ہے اور ہمارا عنوانیہ اسمِ مبارک بھی اسی طرح کا ہے اس نام پاک کے دو اجزاء ہیں (1) مآء (2) مَعین

اس سے پہلے کہ ہم اس نام کی کلی حیثیت پہ بات کریں ہمیں اس کے دونوں اجزا کو انفرادی طور بھی دیکھ لینا چاہیے

اس اسم مبارک کا پہلا جز ہے ''مآء''

کلامِ اِلٰہی میں لفظ ''مآء یا ما'' بہت سے معنی میں وارد ہوا ہے یعنی یہ لفظ کئی مقامات پر اور کئی معنی میں کلام پاک میں آیا ہے اور جن لوگوں نے قرآن پاک کی صرفی خوبیوں اور حیثیتوں پر مقالے لکھے ہیں انہوں نے ایک ایک لفظ کی بیسیوں طرحیں لکھی ہیں میں یہاں صرف چند ایک کا حوالہ دے سکوں گا جیسا کہ ابلیس سے خطاب میں فرمایا گیا ہے

ما منعك ان تسجد ...... الخ ابلیس سے فرمایا کہ کیا چیز تمہارے سجدہ کرنے میں حائل تھی؟

اسی طرح فرمایا گیا ہے و ما ادرك ما ليلة القدر؟ یعنی کیا تو ادراک کرسکتا ہے کہ لیلتہ القدر کیا ہے؟

ایک بات یہاں عرض کرتا چلوں کہ جہاں بھی اللہ جل جلاله نے ما ادرك فرمایا ہے وہاں اس کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور دیا ہے اور جہاں جہاں اس نے فرمایا ہے ما يدريك وہاں اس چیز کا کوئی جواب وتوضیح نہیں فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا ہے

ما يدريك لعله يزكى () ما يدريك لعل الساعة قريب

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ''کیا'' کے معنی میں سینکڑوں مقامات پر لفظ ما آیا ہے اور عام طور پر استفہام کیلئے لفظ ''ما'' کا استعمال ہوتا تھا جیسا کہ ہر سوال میں بھی ہوتا ہے کہ ''ما ھذا '' یہ کیا ہے؟

اب تو جدید عربی میں '' ما ھذا '' کا کوئی تصور موجود ہی نہیں ہے بلکہ ایشو ھذا کہا جاتا ہے جو ''اَیُّ شَیءٍ ھَذا '' کی بگڑی ہوئی شکل ہے

لفظ ''ما '' بہت سے انداز میں وارد ہوا ہے مگر ایک ایسی صورت بھی ہے کہ جب لفظ ''ما'' ایک غیر متناہی جملگی ، ایک غیر مرئی کلیت اور ایک پر اسرار جامعیت کے معنی دیتا ہے جس میں پوشیدہ رازوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے

لله ما فى السمٰوات و ما فى الارض

یعنی جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے وہ اللہ کیلئے ہے یہاں لفظ ''ما'' [جو] کے معنی میں آیا ہے اور ''جو'' ایک ایسا لفظ ہے جس کے دامن میں ہر چیز کو سمیٹا جا سکتا ہے مثلاً رازوں کے بارے میں بھی لفظ ''ما'' استعمال ہوا ہے

اوحٰى الىٰ عبدهٖ " ما " اوحٰى

اپنے عبد کی طرف وحی کی ''جو'' بھی کی

یہاں لفظ ''جو'' بتا رہا ہے کہ اس میں وہ راز ہیں جو متکلم کسی کو نہیں بتانا چاہتا مگر کچھ راز ہیں ضرور جو بھی ہیں اس لفظ ''جو'' میں کتنی وسعت اور گہرائی ہے اس کا اندازہ سطحی نظر سے نہیں لگایا جا سکتا

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے بلغ ما انزل اليك

کہ ان لوگوں تک پہنچا دو ''جو'' بھی آپؐ پر نازل ہوا

یہاں '' بَلِّغ مَا '' یعنی پہنچا دو ''جو'' بھی ہے

اس آیت میں ذرا غور کریں لفظ ''ما'' میں کتنی گہرائی ہے؟ کتنی بڑی بات چھپی ہوئی ہے یہ لفظ جو ایک اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو اگر نہ پہنچائی جائے تو فَمَا بَلَّغتَ رِسَالَتَہ کہ پوری تئیس 23 سالہ تبلیغِ رسالت کی ''پراگرس'' Nil ہو جاتی ہے اس ''ما'' میں کیا تھا؟ صرف اعلانِ ولایت تھا یہ ایک جملہ فکر یہ کہوں گا کہ اگر اعلانِ ولایت نہ ہو تو کارِ رسالت بیکار ہے اب اپنے احباب سے معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ اگر نبی و رسول اعلانِ ولایت نہ کریں تو ان کی رسالت خطرے میں ہے اگر کوئی نماز میں اعلانِ ولایت نہ کرے تو اس کی نماز کیسے بچ سکتی ہے؟ یہ سوچنے کی بات ہے

میں عرض کر رہا تھا کہ لفظ ''ما'' میں ایک جامعیت اور راز کی طرف اشارہ ہوتا ہے ایک پوشیدگی ہوتی ہے

صرفین کا کہنا ہے کہ [من] اور [ما] دونوں کے معنی ایک ہیں لیکن ان میں فرق صرف یہ ہے کہ من ذوالعقول کیلئے آتا ہے اور ما صرف غیر ذوالعقول کیلئے آتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس میں دونوں آجاتے ہیں چاہے وہ ذوالعقول ہوں یا غیر ذوالعقول، اس لئے لفظ ''ما'' میں ''من'' سے زیادہ وسعت ہے کیونکہ میں اس علم پہ بحث نہیں کر رہا اس لئے اب اس بحث کو ترک کر کے آگے بڑھنا چاہتا ہوں

دوستو لفظ ''مآء'' کے ایک معنی ہیں پانی

جیسے سورہ بقرہ کی آیہ نمبر 22 میں ارشادِ قدرت ہے کہ

وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ ...... الخ
یعنی آسمانوں سے پانی کا نزول ہوتا ہے تو پھلوں کو اسی کی وجہ سے نکالا جاتا ہے
تمہارے رزق کیلئے ......تا آخر

دوستو اب اس اسمِ مبارک کے جز وثانی پر بھی انفرادی طور پر نگاہ ڈالتے چلیں
اگر ہم لفظ معین کے معنی پر غور کرتے ہیں تو اس کا ایک معنی مشترک فی المعانی نظر آتا
ہے یعنی ''ہر اس چیز کو معین کہا جاتا ہے کہ جو پھوٹ کر نکلے''
اگر کسی شہر میں آبادی پھوٹ کر نکلے تو اسے معین کہتے ہیں اور اسی وجہ سے شہر کو عین کہا
جاتا ہے
اگر شہر کے لوگوں میں اولاد پھوٹ کر نکلے تو اسے بھی معین کہا جاتا ہے جیسا کہ عموماً
اہلِ شہر کو عین کہا جاتا ہے
اگر کسی گھر میں بچے پھوٹ کر نکلیں تو بچوں کو معین کہا جاتا ہے اور اہل خانہ کو عین کہا
جاتا ہے
اگر کسی انسان کے پیچھے اس کی قوم اتحاد کر کے پھوٹ کر نکلے اس قوم کو معین اور
سردار کو عین کہا جاتا ہے جس کی جمع اعیان ہے
اگر کسی مقام سے روشنی پھوٹ کر نکلے تو اس روشنی کو معین اور مبدہ کو عین کہا جاتا ہے
جیسا کہ آفتاب کو بھی عین کہا جاتا ہے
اگر آنکھ سے آنسو یا نگاہ پھوٹ کر نکلے تو آنسوؤں اور نگاہ کو معین اور آنکھ کو عین کہتے
ہیں

اگرکسی کنویں کی کھدائی کے دوران ایک خاص مقام سے پانی پھوٹ کر نکلے تو اس پانی کومعین اوراس کے مخرج کوعین کہتے ہیں اور اگرکسی پہاڑ سے پانی پھوٹ کر نکلے تو اس پانی کومعین اور مبدہ کوعین کہتے ہیں

جس کی حفاظت کیلئے دل سے جذبات پھوٹ کرنکلیں تو اسے بھی معین کہا جاتا ہے

الغرض ہراس چیز کوکہ جس سے کوئی چیز پھوٹ کر نکلے اسے عین کہا جاتا ہےاور جو چیز پھوٹ کر نکلے اس کومعین کہا جاتا ہے

پھوٹ کر نکلنے کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک وافر مقدار میں ایک مخصوص طاقت سے نکلنا

﴿ماءٍ معین﴾

جب ہم لفظ ''ماءٍ معین'' کے لفظی معنی دیکھتے ہیں تو وہ ہیں پھوٹ کر نکلنے والا پانی چاہے وہ کسی کنویں سے نکلے یا چشمے سے

لفظ ما کے معنی اگر ہم محمدؐ وآل محمدؐ علیھم الصلوات و السلام کے تفاسیر میں دیکھتے ہیں تو اس کے بہت سے تاویلات ہیں مثلاً

(1) ولایت (2) ایمان (3) حق (4) علوم آلِ محمدؐ علیھم الصلوات و السلام (5) مادۂ اولیہ (6) نطفہ (7) نورِ اول (8) مادۂ تخلیق ارواح مومنین وغیرمومنین (9) نطفۂ ظالمین (10) مادۂ نورانیہ (11) ہرزمانے کا امام (12) حقیقتِ ازلیہ محمدیہ صلی الله علیه و آلهٖ وسلم

میں انہی معانی پراکتفی کرتا ہوں حالانکہ اس کے علاوہ بھی بہت سے معانی موجود ہیں

دوستو آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہوں گا کہ کبھی آپ نے سوچا ہے کہ پانی کو ''ما'' کیوں کہا جاتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی چیز کسی دوسری چیز کے وجود کیلئے بنیاد بھی ہو اور اس کے وجود میں آنے کے بعد اس کیلئے موجبِ بقا بھی ہو تو اسے ''مـــا'' کہتے ہیں یعنی جس چیز میں یہ دو خصوصیات موجود ہوں اسے ''ما'' کہتے ہیں

کیونکہ پانی میں جزوی طور یہ خصوصیات موجود ہیں اس لئے پانی کو ''ما'' کہتے ہیں

اسی طرح (1) ولایت (2) ایمان (3) حق (4) علوم آل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام (5) مادۂ اولیہ (6) نطفہ (7) نور اول (8) مادۂ تخلیق ارواحِ مومنین وغیر مومنین (9) نطفۂ ظالمین (10) مادۂ نورانیہ (11) ہر زمانے کا امام (12) حقیقتِ ازلیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ ساری چیزیں کسی نہ کسی دوسری چیز کیلئے سبب وجود بھی ہیں اور ان کیلئے سبب حیات بھی ہیں اس لئے انہیں ''ما'' کہا گیا ہے

دیکھئے ولایت، ایمان، حق وعلوم محمد وآل محمدؐ علیہم السلام وغیرہ مومنین کیلئے سببِ وجود بھی ہیں اور سبب حیات بھی ہیں جیسا کہ مومن کو قرآن میں زندہ کہا گیا اور غیر مومن کو مردہ کہا گیا ہے

اسی طرح نطفے میں بھی یہی دو خصوصیات موجود ہیں تو اسے بھی مآ دافق مآ مھین کیا گیا ہے

مادہِ اولیہ ہو یا مادہِ تخلیق ارواح ہو تو اسے بھی ''مـــا'' کہا گیا ہے کیونکہ اس سے ارواح کو خلق فرمایا گیا، اس سے ملکوت ونفوسِ مجردہ کی تخلیق بھی ہوئی اور وہی اس کے کیلئے سبب حیات بھی ہے اس لئے مومنین کے ارواح کے مادہ اولیہ کو مـــائے عـــازب و مائے فرات [خوش ذائقہ اور شفاف] پانی کہا گیا ہے اور غیر مومنین کے مادہِ تخلیق ارواح کو مائے ملیح و مائے اجاج [کھارا اور گدلا] پانی کہا گیا ہے

نور اول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بھی انہی خصوصیات کی وجہ سے لفظ الما سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ تو جملہ موجودات کیلئے سببِ وجود و ایجاد بھی ہے اور سببِ حیات و بقا بھی ہے اسی لئے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ

لولاك لما خلقت الافلاك

یعنی اگر آپ کا نور اول خیر [نہ] ہوتا تو افلاک کی تخلیق کی کوئی وجہ ہی نہ تھی

حقیقت ازلیہ محمدیہ وعلویہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو اس لئے لفظ ما سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ اصل الاصول ہے یعنی وہ اس کائنات کیلئے اصل الاصول نہیں بلکہ وہ انوارِ معصومین علیہم الصلوات و السلام کیلئے اصل الاصول ہے اور باقی سارے انوار کا قیام اسی اصل سے ہے اور اسے ''الما'' کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاء بَشَراً فَجَعَلَهُ نَسَباً وَصِهْراً وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْراً

ارشاد ہے کہ وہی تو ہے کہ جس نے ''الما'' میں سے ایک بشر خلق فرمایا اور فوراً اسے سسر بھی قرار دیا اور داماد بھی اور اللہ جل جلالہ تو قدیر ہی تھا

اس پہ میں نے آج سے بیس سال قبل ایک تفصیلی گفتگو کی تھی آج اس کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ تھوڑا سا حوالہ دینا چاہتا ہوں کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اس کے بارے میں اکثر مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے بارے میں ہے اس میں اگر غور کیا جائے تو کئی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں مثلاً

ہم نے الما یعنی حقیقت محمدیہ وعلویہ اولیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو جو ایک حقیقت واحدہ تھی اپنے نور سے اختراع فرمایا پھر اس حقیقت محمدیہ وعلویہ اولیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ہم نے ایک بشر کو خلق فرمایا وہ بشر اول تھا یعنی نور اول تھا اور پھر اسی کو اس طرح

تقسیم فرمایا کہ وہ تین ہو گئے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں تو دو کا ذکر ہے یعنی سسر اور داماد کا یہاں تیسرے نور کا ذکر ہی نہیں ہے تو ہم اس میں سے تین کا تصور کیسے کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ منطق کی ایک اصطلاح ہے ''حدودِ اضافی'' اس میں ہوتا یہ ہے کہ بیان میں ذکر شدہ چیز کا جب ذکر ہو تو اس میں سے جو دوسری چیز خود بخود ثابت ہو جائے تو اسے حدِ اضافی کہا جاتا ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں بیوی تو آپ نے ذکر کیا ہے بیوی کا مگر اس لفظ سے شوہر کا وجود خود بخود دریافت ہو جاتا ہے کیونکہ جو بیوی ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی شوہر تو ضرور ہو گا اسی طرح لفظ باپ سے بیٹے کا وجود خود بخود دریافت ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ہے اسی طرح داماد کا جب لفظ آئے گا تو اس کی بیوی کا وجود خود بخود دریافت ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ جل جلالہ نے ملکہٗ عالمین صلوات اللہ علیہا کا ذکر اس طرح پردے میں فرمایا ہے کہ ایک سطحی نظر سے دیکھنے والے کو ان کا وجود دریافت ہی نہیں ہوتا اور وہ سمجھتا ہے کہ یہاں صرف دو کا ذکر ہے کیونکہ وہ ذات پاک صلوات اللہ علیہا صاحب پردہ ذات تھیں تو اللہ جل جلالہ نے ان کا ذکر بھی ان دو ذوات اطہار علیہما الصلوات و السلام کے ذکر کے پردے میں چھپا دیا ہے کیونکہ اللہ چاہتا ہے کہ اس باپردہ ذات پاک صلوات اللہ علیہا ذکر ہو بھی جائے اور کسی کو معلوم بھی نہ ہو

اور اس بشر کی تخلیق کا جو مادہ بیان ہوا ہے وہ ہے ''الما'' کہ جس سے وہ بشری لباس میں ظاہر ہوا ہے

الما کیا ہے؟

اسے سمجھنے کیلئے ہمیں ایک مرتبہ پھر کلامِ الٰہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اللہ جل جلاله فرماتا ہے

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِیْ سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاء لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً ......(سورہ ہود 7)

یعنی وہ وہی تو ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں خلق فرمایا اور اس وقت اس کا عرش ''الما '' پر قائم تھا تاکہ وہ یہ آزمائے کہ کون اچھے اعمال بجالاتا ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نہ زمین تھی نہ آسمان تو اس وقت پانی کس چیز پر قائم تھا کہ جس پر عرش قائم تھا؟

یہ بات جس زمانے کی ہورہی ہے اس زمانے میں تو مادیات میں سے کوئی چیز ایجاد ہی نہیں ہوئی تھی اس وقت پانی کیسے پیدا ہوگیا

اور اس الما سے مراد پانی لیا جائے تو یہ بھی سوچنا ہوگا کہ وہ کون سا پانی ہے کہ جو تخلیق ِ راض وسما سے بھی پہلے موجود تھا اور وہ بھی اتنی مقدار میں کہ جس پر عرش قائم ہوسکا

بات یہ ہے کہ جب ہم ان روایات و احادیث کو دیکھتے ہیں کہ جس میں عرش کی وسعت کا ذکر ہے تو ان سے پتہ چلتا ہے کہ عرشِ الٰہی اس کائنات سے لاکھوں گنا بڑا ہے یہ کائنات اور مافیھا اس کے اندر اگر رکھ دیئے جائیں تو جیسے اس کائنات میں رائی کا دانہ رکھ دیا جائے اس کائنات کا عرش کے ساتھ یہی تناسب ہوگا بلکہ اس بھی کم تو اس عرش کو اٹھانے والے پانی کا حدود اربعہ کتنا ہوگا؟

بات یہ ہے کہ وہ پانی نہیں تھا بلکہ وہ مبدۂ اول تھا وہ حقیقتِ اولیہ تھی کہ جو اللہ کے نور کے سمندر کی طرح تھی جو انوارِ عرش وکرسی کیلئے سبب وجود بھی تھی اور سبب حیات وبقا

بھی تھی اِلٰہی سیدھے سادے الفاظ میں کہا جائے تو یوں سمجھ لیں کہ جب کچھ نہ تھا تو اللہ نے عرشِ اِلٰہی کو تخلیق فرمانا چاہا تو اسے نورِ معصومین سے ایجاد فرمایا اور اس کا قیام بھی نورِ معصومین علیھم الصلوات و السلام پر تھا گویا انہوں نے اسے اٹھایا ہوا تھا کیونکہ ان کے نورِ اول کے بارے میں بیسیوں احادیث موجود ہیں کہ عرش کو نورِ امام حسن علیہ الصلوات و السلام سے خلق فرمایا گیا تھا کچھ روایات میں ہے کہ نورِ امام حسین علیہ الصلوات و السلام سے خلق فرمایا گیا تو بات ایک ہی ہے کیونکہ ان کا نور ایک ہی ہے اور وہی نور عرش اِلٰہی کے نور کیلیئے سبب وجود بھی بن رہا

تھا یعنی علتِ مادی بھی وہی نور تھا اور اس کی حیات و بقا کا سبب بھی وہی نور تھا کہ جسے الما کہا گیا ہے اور اسی نورِ اول سے سب سے پہلے تین انوار نے ظہور فرمایا پھر وہی ایک سے چودہ ہو گئے

جو حقیقت محمدؐیہ و علوؑیہ اولیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہے وہ واحد الاصل ہے اور وہ حادث نہیں بلکہ اس کی اصل قدیم ہے اگر یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہو گا کہ وہ اعتباری طور پر حادث ہے اور حقیقی طور پر قدیم ہے

حادث اور قدیم کے بارے میں عرض کرتا چلوں کہ حادث وہ ہوتا ہے کہ جس کے وجود سے پہلے عدم ہو یعنی ایک وقت ایسا ہو کہ وہ چیز موجود نہ ہو اور قدیم اسے کہتے ہیں کہ جس سے پہلے عدم نہ ہو یعنی کوئی بھی ایسا وقت موجود نہ ہو کہ جس وقت وہ موجود نہ ہو اس لئے صاحبانِ علم کلام کا کہنا ہے کہ سوائے ذات واجب الوجود کے کوئی بھی اصطلاحی طور پر قدیم نہیں ہے

میں نے پہلے کہا ہے کہ حقیقت محمدؐیہ و علوؑیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اعتباری لحاظ سے تو

حادث ہے مگر حقیقتاً قدیم ہے

صاحبانِ علمِ کلام یہ بات سن کر شاید بگڑ جائیں اس لئے ایک مثال عرض کرتا ہوں اگر ہم فرض کرلیں کہ مٹی قدیم ہے اور ایک آدمی مٹی سے ایک برتن بناتا ہے تو اس کی صورت یہی ہوگی کہ یہ برتن تو حادث ہوگا کیونکہ بعد میں بن رہا ہے مگر اس کا مادہ [جس سے یہ بن رہا ہے] یہ مادہ قدیم ہے بلاتشبیہ اللہ جل جلالہ کا نور قدیم ہے کیونکہ اس نور کے بارے میں خود اسی نے فرمایا ہے

ان الله خلق نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم من نور اختراعه من عظمته و جلاله

یعنی اللہ نے نور سرورکونین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو ایک نور سے خلق فرمایا کہ جسے اس نے اپنے نورِ عظمت وجلال سے اختراع فرمایا تھا کیونکہ اللہ کا نور عظمت وجلال قدیم ہے اور ان کا مادہ اول وہی نورِ عظمت وجلال ہے تو اس طرح ان کی اصل تو قدیم ہی ہوگی ہاں ان کی صورتِ ثانیہ حادث ہے

اسی لئے شہنشاہ امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام نے امام کی تعریف میں فرمایا تھا

هو اصل القديم و فرع الكريم

امام کی اصل یعنی نور اول قدیم ہے اور اس کی فرع صورت ثانیہ قابلِ احترام اور حاملِ کرم ہے

تو میں عرض کررہا تھا کہ اس نور اول کو کہ جس سے ہر چیز کو لباسِ وجود ملا ہے اور جو ہر چیز کی حیات وبقا ہے اس کا نام ہے الما اور اسی الما کے بارے میں کلام الٰہی میں ارشاد ہے

وجعلنا من الماء کل شیءٍ حی   کہ ہم نے ہر چیز کو ''الما '' کی وجہ سے زندہ قرار دیا ہے یعنی ہر چیز کی اصلِ حیات و بقا ''الما '' ہے

اس آیت کا عام طور پر یہی ترجمہ کیا جاتا ہے کہ ہر چیز کی زندگی پانی سے ہے مگر اس جدید دور میں تو یہ ثابت کرنا ناممکن ہے کہ واقعی ہر چیز کی حیات کا سلسلہ پانی کی وجہ سے جاری ہے کیونکہ ایسی کئی چیزیں دریافت ہو چکی ہیں کہ جن کیلئے پانی حیات نہیں موت ہے اور ایسی کئی چیزیں ہمیں معلوم ہیں کہ جو کبھی بھی پانی نہیں پیتی ہیں مگر زندہ ہوتی ہیں اگر ہم اس مذکورہ آیت کے یہی معنی لے لیں کہ جو عام طور پر لکھے ہوئے ہیں تو اللہ جل جلالہ کے دعوے کی (نعوذ باللہ) تکذیب ہوتی ہے اس لئے ہمارے لئے یہی معنی لینا لازم ہوں گے کہ اس کائنات کی حیات کا دارومدار نور محمدیؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر ہے نہ کہ عام پانی پر۔ ان وضاحتوں کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا اسم مبارک ہے

﴿ماءٍ معین عجل الله فرجه الشريف﴾

دراصل یہ ان کا ایک قرآنی اسم مبارک ہے جیسا کہ ارشاد ہے

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْراً فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاء مَّعِينٍ ......(سورہ الملک 30)

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اس امت سے فرما دیں کہ اگر تمہارا ماءٍ معین [امام زمانہؑ] غائب ہو جائے تو کون تمہیں وہ لا کر دے سکتا ہے؟

اس میں بعض لوگوں نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ [اگر تمہارا پانی زمین کے نیچے چلا جائے تو] حالانکہ اس آیت میں نہ ہی زمین کا لفظ موجود ہے نہ ہی نیچے جانے کا ذکر

ہے کیونکہ ''غـورا '' کے معنی غائب ہونے کے ہوتے ہیں نہ کہ زیرزمین نیچے چلے جانے کے جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں غــارت الشمــس یعنی سورج کا کسی وجہ سے چھپ جانا اسی طرح یہاں بھی یہی معنی ہیں کہ جب تمہارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کہ جو اس کائنات کی وجہِ وجود بھی ہیں اور سببِ حیات و بقا بھی ہیں اگر غائب ہو جائیں تو پھر تمہیں اللہ کے سوا کون ان سے ملا سکتا ہے

اس میں لفظ معین بھی قابل غور ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر چیز کے مبدے کو عین اور اس سے نکلنے والی چیز کو مَعین کہا جاتا ہے

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ آبِ وجود و حیات و بقا اپنے عین النور سے ظاہر ہوئے ہیں جیسے سورج سے شعاعیں نکلتی ہیں اور ان سارے انوار کا ایک ہی سرچشمہ ہے ایک ہی عین ہے اور یہ اس کے معین ہیں اور وہ چشمہ و عین الحق والعصمت ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کا نور ہے کہ جو اولین حقیقت تھا اور اسی نورِ ذاتیہ الٰہیہ صلوات اللہ علیہا سے باقی انوار اطہار علیہم الصلوات و السلام کو لباس تعینات ملا ہے اور اسی سرچشمہ نور سے ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو بھی اعزازِ اظہار و نمود ملا ہے

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے شہنشاہ یزداں اجلال عجل اللہ فرجہ الشریف کا غائب ہونا سورج کی طرح ہے کیونکہ کئی احدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی غیبت اس طرح ہوگی جیسے سورج بادلوں میں غائب ہو جاتا ہے اور اس کی غیبت اس کے فیض وعنایات برکات میں مانع نہیں ہوتی

انہیں ایک طرح سے پانی سے تشبیہ بھی دی گئی ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اس

عالمِ خلق وامر کیلئے سببِ حیات بھی ہیں اور سببِ بقا بھی ہیں

اور اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ اس گھر کے سارے پاک افراد علیہم الصلوات و السلام ایک چشمہ نور سے پھوٹ کر اس طرح نکلے ہیں کہ جیسے سورج سے شعاعیں پھوٹ کر نکلتی ہیں اس لئے ان کی ذات میں نہ کوئی تقدمِ زمانی ہے اور نہ ہی تقدمِ مراتب ہے یہ جو تقدیم و تاخیر ہے یہ صرف اظہاری و اعتباری ہے

اس دور میں ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اس شہنشاہ عجل الله فرجه الشريف سے غافل ہیں کہ جو ہمارے لئے سببِ وجود بھی ہیں اور سببِ بقا بھی ہیں اور ہم ان کے حقوق تک سے لاعلم ہی ہیں بقول علامہ اقبال مرحوم اس بات کا سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ع

وائے محرومی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اور تو اور ہم شیعہ کہلانے والے ان کے جد اطہر علیہ الصلوات و السلام کے تعزیتی تقریبات میں ان کی تعجیلِ فرج کی دعا تک نہیں کرتے اور اگر کوئی کرتا بھی ہے تو Formality پوری کرتا ہے

آیئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا ظہورِ اجلال جلدی ہو اور ان کی عظمت اس دنیا پہ یوں ظاہر ہو کہ تمام مومنین کی آنکھیں اس مآء معین ذات عجل الله فرجه الشريف کے جلووں سے سیراب ہوں اور زخمی دلوں کو لذتِ دیدار سے ابدی سکون ملے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے منسلکانِ ھادیء مطلق

انسان جب اس دنیا میں آ تا ہےتو وہ خیر وشر کی متصل سرحد پر پیدا ہوتا ہے اوراس کا وہ مقام عین مقامِ اسلام ہوتا ہے کیونکہ خیر کی اولین زیرو کا نام اسلام ہے اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا تھا کہ

کل مولود یولد علٰی فطرت الاسلام

یعنی ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی ہے ویسے ویسے اس میں میلانات پیدا ہوتے جاتے ہیں اور وہ کسی نہ کسی طرف مائل ہوتا جاتا ہے اس کے والدین اسے کسی نہ کسی مذہب کی طرف مائل کر دیتے ہیں اگر انسان کو والدین کسی اور مذہب کی طرف مائل نہ کریں اوراس کا فطری اسلام قائم رہ جائے

تو پھر جب وہ سنِ بلوغ و رُشد کو پہنچتا ہے تو اس پر قلم عائد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے مرفوع القلم تھا اب اس کے اعمال وافعال پہ خیر و شر کا حکم لگنا شروع ہو جاتا ہے

یہ جو مقامِ اسلام ہے وہاں سے انسان پر جو چیز سب سے پہلے مسلط ہوتی ہے وہ ہے ابلیس کیونکہ اس نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر بیٹھے گا اور سب کو اغوا کرے گا اس لئے وہ انسان کو شر کی وادیوں میں لے جاتا ہے یعنی مغوی شیطان اسے اپنی سرزمین میں لے جاتا ہے

جب بعض انسان اس کے بے گار کیمپ سے فرار ہونا چاہتے ہیں یعنی کوئی ہادی انہیں راہ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے حقیقی ملک کی طرف بھاگ جائیں جیسا کہ عام طور پر اغوا ہونے والے بچے کرتے ہیں کہ وہ خرکاروں کے بے گار کیمپوں سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے کئی ناکام ہو جاتے ہیں اور کئی اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں اسی طرح انسان شیطان کے بے گار کیمپ سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی نیت کی خبر شیطان کو ہو جاتی ہے اور وہ اس پر کڑی نگرانی شروع کر دیتا ہے یہ وہ نظریہ ہے کہ جس پر روحانیات کی عمارت کھڑی ہے یعنی انسان کا ابلیس کے ملک سے فرار ہو کر شہرِ امن میں پہنچنا یہ روحانیت کا کلی سفر ہے

ماہرینِ روحانیات اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابلیس کی جیل سے فرار ہونے کے بعد سرحدِ امن و امان تک کا جو سفر ہے یہ کل تین ماہ کا ہے یعنی اگر ایک نوجوان آدمی اپنی اولین عمر میں ابلیس کی جیل سے نکل کر مسلسل بھاگتا ہے تو تین ماہ تک ابلیس اس کا تعاقب کرتا ہے ہاں جو آدمی اس راستے میں کہیں غافل ہو جاتے ہیں

تو وہ پچاس سال تک بھی اس مختصر سے راستے میں بھٹکتے رہتے ہیں اور کئی وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو پوری زندگی اس راستے پر دوڑتے رہتے ہیں اور شہر امن کو نہیں پا سکتے اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ کئی لوگ اس تین ماہ کے فاصلے کو پوری زندگی طے نہیں سکتے ؟

اس کے جواب کیلئے ایک حسی مثال دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ نے شاید اتحادی فوجیوں کے کئی واقعات پڑھے ہوں گے کہ وہ جرمنی گسٹاپو سے فرار ہوئے پھر انہوں نے قریبی ملک میں جانے کیلئے جدوجہد شروع کر دی جب جرمن فوج کو پتہ چلا کہ کوئی ان کی قید سے سکیپ کر گیا ہے تو اس کے پیچھے تلاش میں نکلے ان کے ساتھ شکاری کتے Detector Dogs ہوتے تھے اور وہ بھاگے ہوئے فوجی کا تعاقب کرتے تھے اسی طرح جب انسان ابلیس کی جیل توڑ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہوتا ہے تو وہ ملعون بھی اپنے شکاری کتے اس کے تعاقب میں لگا دیتا ہے بس پھر کیا ہوتا ہے کہ جہاں بھی وہ ستانے بیٹھ گیا یا کسی چیز میں مشغول ہو گیا تو وہاں پیچھے آ کر ابلیسی کتوں نے اسے پکڑ وا دیا اور شیطانی فوج اسے دوبارہ اپنی جیل میں ڈال دیتی ہے اور اس طرح دو چار ماہ گزر جاتے ہیں اس کے بعد انسان پھر کوشش کرتا ہے اور کامیاب بھی ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس جنگل میں بھاگتے بھاگتے ایک سایہ دار درخت دیکھ کر اس کے نیچے سو جاتا ہے اور پھر پکڑا جاتا ہے اسی طرح وہ کسی چشمے میں نہانے لگ جاتا ہے تو پکڑا جاتا ہے یا اس راستے میں کسی پھل دار درخت کے پھل کھانے میں مشغول ہو جاتا ہے تو پھر پکڑا جاتا ہے جبکہ یہ سفر تھا تو صرف تین ماہ کا مگر انسان پوری زندگی اسی طرح غفلتوں کی وجہ سے واپس جیل جاتا رہتا ہے بات یہ ہے کہ یہ

راستہ ہے تو صرف تین ماہ کا مگران تین ماہ میں انسان کو مسلسل دوڑنا پڑتا ہے کسی جگہ رکنا نہیں پڑتا بلکہ ایک سپرنٹ Sprint جاری رکھنا پڑتی ہے

جو انسان جوانی میں یہ سپرنٹ Sprint لگاتا ہے وہ جلدی پہنچ جاتا ہے کیونکہ جوانی میں اعضا و جوارح کی طرح روحانیت کا ملکہ بھی قوی ہوتا ہے پھر انسان جیسے جیسے بوڑھا ہوتا جاتا ہے اس کی سماعت و بصارت اور قوتِ بدن کی طرح ملکۂ روحانی بھی کمزور ہوتا جاتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

در ضعیفی گرگ صحرا می شود پرہیز گار

یہی ابتدائی عمر ہوتی کہ جب کوئی انسان ٹھیک طرح سے دوڑ لگاتا ہے تو منزل کو جلدی پا لیتا ہے اور وہ ابلیسی دسترس سے باہر ہو جاتا ہے ہمارے ہاں بدقسمتی یہ ہے کہ توبہ کو بڑھاپے کے ساتھ وابستہ سمجھا جاتا ہے جبکہ اس کی حقیقی اور اعلیٰ منزل جوانی ہے

میں عرض کر رہا تھا کہ روحانیت کا جو بنیادی سفر ہے وہ صرف 90 دن کا ہے اور اس میں اگر ایامِ احتیاط بھی شامل کر لئے جائیں تو پھر یہ سفر صرف 110 دن کا بن جاتا ہے جب بھی کوئی انسان ابلیس کی جیل توڑ کر بھاگنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اسے یہ ایک سو دس دن تو کہیں آرام کرنا ہی مناسب نہیں ہوتا بلکہ مسلسل دوڑتے رہنا ہوتا ہے ہاں جو آدمی اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ اس سرحد میں داخل ہو جاتا ہے کہ جسے سلطنتِ خلوص کہا جاتا ہے یہ وہ مقام ہے کہ جہاں آ کر ابلیس رک جاتا ہے یہ آسمانِ خلوص ہی وہ فلک ہے کہ جس میں ابلیس کا داخلہ بند ہے

بعض کم حوصلہ لوگ تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ ابلیس کی جیل سے کئی مرتبہ بھاگتے

ہیں اور بار بار اپنی غفلت کی وجہ سے گرفتار ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح ایک دن وہ نا امید ہو جاتے ہیں یہ لوگ ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ کسی کا اپنی جد وجہد کو روک لینا ایک طرح سے اپنی ہلاکت میں ابلیس کی معاونت کرنے کے مترادف ہے انسان کو کسی مقام پر اپنی کوشش Struggle کو روکنا نہیں چاہیے کیونکہ اس جد و جہد کو جاری رکھنا یعنی ابلیس کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھنا بھی بڑی بات ہے کیونکہ اس سے اپنی ہلاکت کی معاونت کے جرم سے بچ جاتا ہے اور لڑتے لڑتے مرجانا بھی باعث نجات ہوتا ہے جیسا کہ ہر مجاہد کی قسمت میں فتح لکھی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ اکثر مجاہدین لڑتے لڑتے جان دے دیتے ہیں ان کا اسی طرح جان دینا بھی ان کی فتح ہوتی ہے اس جہاد میں آنے والی موت بھی حیات ابدی کا ثمر دیتی ہے اسی لئے فرمایا گیا

من مات علیٰ حب آل محمدؐ علیھم الصلوات والسلام مات شھیدا

یعنی جو محبتِ آلِ محمدؐ علیھم الصلوات والسلام میں مرجاتا ہے چاہے بستر ہی پہ کیوں نہ جان دے وہ شہید ہوتا ہے کیونکہ محبّ ہوگا تو محبوب کی محبت اس کے وصل کی جد و جہد کو جاری رکھوائے گی اور اسی سے وہ بھی حیاتِ ابدی کو پالے گا یعنی ہمیں جو درس دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

صد بار گر توبہ شکستی باز آ

کیونکہ اس طرح اگر وہ اطاعتِ کاملہ کی منزل کو نہ پا سکے گا تو کوشش کرنے والوں میں تو شامل ہو جائے گا اور اپنے قتل کے جرم کا مجرم نہ ہوگا

دوستو انسان کا ابلیس کے چنگل سے آزادی کیلئے Struggle کرنا بھی ایک عظیم

نعمت ہے دیکھئے یہی جد و جہد ہر جاندار میں پائی جاتی ہے کیونکہ جب ہم کسی چیونٹی کو ڈسٹرب Disturb کرتے ہیں تو وہ بھی ہمیں کاٹنے کی کوشش کرتی ہے اور اپنی ٹانگیں چلانا شروع کردیتی ہے اور وہ ہمارے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتی بلکہ اپنی طاقت کے مطابق جنگ کرتی رہتی ہے اسی طرح انسان کو اس طاقتور دشمن سے ہار نہیں ماننا چاہیے بلکہ جہدِ مسلسل ہی اصل چیز ہے اس لئے ابلیس لاکھ طاقتور دشمن سہی ہمیں اس سے صلح نہیں کرنا چاہیے کیونکہ صلح کرنا اس کے حلیف بننے کے برابر ہے اور اس کا انجام جہنم ہے انسان جب اس کے چنگل سے بھاگتا ہے تو اس کے سامنے تین ماہ کا سفر ہوتا ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ابلیس کی نگرانی بھی اسی راستے پر ہوتی ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہی ایک شارٹ کٹ Short Cut راستہ ہے اور اسی لئے تو اس نے کہا تھا کہ میں صراطِ مستقیم Short Cut Way پہ بیٹھوں گا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہی شارٹ کٹ راستہ Short Cut Way (بلدالامین) شہر امن تک جاتا ہے اور اسی پر شیطان کی مکمل نگرانی ہوتی ہے اور جہاں تک اس کی عملداری کا ایریا ہوتا ہے وہ اس پر مسلسل نگران ہوتا ہے اسی لئے انسان کیلئے وہیں تک ابلیس کا خطرہ رہتا ہے جہاں تک اس کی عملداری ہوتی ہے اس لئے سرحدِ خلوص کو عبور کرنے تک انسان ہمیشہ خطرے میں رہتا ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو کیسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابلیس کی عمل داری کی سرحد سے نکل چکا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان جب بھی ابلیس کی جیل سے بھاگتا ہے تو اس کی مثال دشمن کی جیل سے دشمن کے ملک میں سے رات کو بھاگنے والے کمانڈو کی ہوتی ہے

جب وہ جیل سے باہر نکلتا ہے تو سامنے رات کی تاریکی اور ایک گھنا جنگل ہوتا ہے اور وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ مغرب یا مشرق کی سمت میں اس کا ملک ہے باقی اسے راستہ معلوم نہیں ہوتا صرف سمت معلوم ہوتی ہے کہ کس سمت میں بلدالامین [شہر امن] ہے جونہی وہ جنگل میں جاتا ہے ابلیسی لشکر اسے چیز Chase کرنا شروع کر دیتا ہے اور شیطانی کتے اس کا تعاقب کرتے ہیں

یہ مسلسل بھاگتا رہتا ہے اور اسے کچھ نظر نہیں آتا لیکن ہوتا یہ ہے کہ ابھی وہ شہر امن کی سرحد سے کوسوں دور ہوتا ہے اسے اس تاریکی میں اپنے شہر امن کی سرحد کی روشنیاں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں یعنی ابھی انسان شیطان ہی کی عملداری کے علاقے ہی میں ہوتا ہے کہ اسے مکاشفات ہونا شروع ہو جاتے ہیں وہ انوار قدسیہ کا مشاہدہ کرنا شروع کر دیتا ہے مگر وہ مشاہدہ ایسا ہوتا ہے کہ جیسے بہت دور سے کسی شہر کی روشنیاں نظر آتی ہیں مگر شہر کی کوئی چیز واضح نہیں دیکھ سکتا یہ پہلی منزل ہوتی ہے اس کے بعد بھی انسان کو رکنا نہیں چاہیے بلکہ رفتار کو اور تیز کرنا چاہیے کیونکہ کئی لوگ مشاہدات سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور وہیں رک جاتے ہیں اس طرح وہ گرفتار ہو جاتے ہیں جب انسان شہر امن کی فصیل کے قریب جاتا ہے تو اسے دور سے اپنے لوگوں کا مشاہدہ ہوتا ہے یعنی انسان عالم ارواح کے لوگوں کو دور سے دیکھتا ہے لیکن یہ بات بھی منزل پر پہنچنے کی علامت نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ابلیس ہی کی عملداری کے علاقے سے شروع ہو جاتی ہے یہاں بھی رکنا نہیں ہوتا بلکہ اور آگے جانا ہوتا ہے یہ دوسری منزل ہے اسی کے بارے میں ارشادِ رب العزت ہے کہ یخرجھم من الظلمات الی النور یعنی انسان کو ابلیس کی عملداری کے سیاہ جنگل سے نکال کر روشنیوں کے شہر میں

لا یا جا تا ہے

اس کے بعد انسان اپنے شہر امن کی سرحد پر پہنچتا ہے کہ جہاں آ کر وہ جملہ خطرات سے محفوظ ہو جا تا ہے یعنی وہ اپنے شہنشاہ زمانہ ولی العصر عجل الله فرجه الشريف کے حصارِ امن میں داخل ہو جا تا ہے جس کی مثال ایک شہر کی ہے جیسا کہ شہنشاہ انبیا صلی الله علیه و آلہٖ وسلم نے فرمایا تھا انا مدينة العلم و علیؑ عليه الصلوات والسلام بابها یعنی وہ ''شہرِ علم'' قرار پائے تھے اسی طرح ''شہر امن'' ہر زمانے کے امام علیه الصلوات والسلام ہوتے ہیں کہ جن کے حصار میں داخل ہونے پر انسان ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جا تا ہے اور کلام اِلٰہی میں اللہ نے اسی شہر امن کے بارے میں فرمایا ہے

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ()وَأَنتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَد......(سورہ البلد2)

مجھے قسم ہے اس شہر مقدس کی کہ جس شہر مقدس کے اندر آپ کا قیام ہے اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا وهذا البلد الامين یعنی مجھے قسم ہے اس امن وسلامتی والے شہر کی کہ جو امین ہے یعنی جس میں جب بھی کوئی امان لے لیتا ہے تو پھر اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ شہر مکہ نہیں ہے کیونکہ یہاں تو لاکھوں مرتبہ اہلِ حق کا خونِ ناحق بہایا گیا ہے، اس شہر کے قافلے لٹتے رہے ہیں، اس شہر کو کئی مرتبہ آگ نے جلایا ہے، خود کعبہ محترم کو یزید ملعون کے دور میں ٹھنڈا کیا گیا تھا تو اس کے باوجود اسے سلامتی اور امن کا شہر کہنا خلاف واقعہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جس شہر امن کی قسمیں کھائی ہیں وہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہیں کیونکہ وہی ہر چیز سے انسان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں وہی امین ہیں یعنی امانتوں کی شکل میں آنے والی انسانیت کیلئے محافظ ہیں

دوستو اسی شہر امن یعنی بلد الامین عجل الله فرجه الشريف کی طرف سفر کرنا ہی منزلِ مراد کی طرف سفر قرار پاتا ہے اور جب انسان اس حصارِ امن میں داخل ہو جاتا ہے تو اسی دنیا میں اس کے استقبال کو ملکوتِ سما حاضر ہو جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ......(سورہ فصلت 30)

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ ایک ہے اور پھر وہ اس راستے پر استقامت سے چلتے رہے تو ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ ظاہر بظاہر آ کر فرماتے ہیں کہ اب نہ کسی آمدہ خطرے کا خوف کرو [کیونکہ تم ابلیس کی عملداری سے نکل چکے ہو] اور نہ ہی گذشتہ کا غم کرو اور تمہیں اس جنتِ وصال کی بشارت ہو کہ جس کا تم سے وعدہ فرمایا گیا تھا

یہ بات اسی دنیا میں فرمائی جاتی ہے نہ کہ آخرت میں کیونکہ جو شخص شہنشاہ زمانہ یعنی بلد الامین عجل الله فرجه الشريف کی طرف اپنا سفر جاری رکھتا ہے اسے اسی دنیا میں مشاہدۂ ملکوت ہوتا ہے اور اسی دنیا میں اسے جنتِ وصال کی بشارت دی جاتی ہے اور کئی خوش نصیب اس جنت وصال کو اسی دنیا میں مستقلاً پا بھی لیتے ہیں

اللهم ارقنا منها برحمتك و بكرمك وبحق حبيبك صلی الله علیه و آلهٖ وسلم آمین

دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ جب انسان روحانیت کے راستے پر گامزن ہوتا ہے تو اسے جس چیز کا سب سے پہلے فیض پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو بلد الامین ذات عجل الله فرجه الشريف کی زیارت ہوتی ہے اس میں وہ ان کے خدوخال کا ادراک نہیں

کر سکتا جیسا کہ انسان بہت دور سے کسی شہر کی روشنیوں کو دیکھتا ہے مگر اس کی عمارتوں کے خدوخال کا ادراک نہیں کر سکتا اور اس مشاہدے میں اگر کرم شامل حال ہو تو انسان کو مرشد کامل عطا کیا جاتا ہے اور اس کی ایک جھلک انسان کو دکھائی جاتی ہے اور وہی مرشدِ کامل ہی بلدالامین عجل اللہ فرجہ الشریف کا نائب حقیقی ومخفی ہوتا ہے کیونکہ نیابتِ عامہ کو ختم کر دیا گیا ہے یعنی نیابت عامہ کا دروازہ بند ہے اس لئے اب کوئی فرد نیابت کا دعویٰ نہیں کر سکتا بلکہ جس کے بارے میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف خود فرمادیں وہی انسان کیلئے ان کا نائبِ حقیقی ہوتا ہے کیونکہ نیابت خاصہ و مخفیہ وباطنیہ کا دروازہ بند نہیں ہے بلکہ جس کیلئے وہ کریم ازل عجل اللہ فرجہ الشریف چاہتے ہیں اس دروازے کو کھول دیتے ہیں اور جب دروازہ مل جاتا ہے تو گویا شہر امن میں داخلے کا اذن مل جاتا ہے جب انسان اس شہر امن میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ ان کے انوارِ باہرہ کے دائرے میں آجاتا ہے وہ انوارِ باہرہ ایک حیثیت سے عین وہی ذاتِ اقدس ہوتی ہے

دوستو حقیقت یہ ہے کہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف کی ذات اقدس اپنے انوار کے لاکھوں کروڑوں حجابات میں غائب ومستور ہوتی ہے اور ان کا ہر حجاب ان کا عین بھی ہوتا ہے اور ان کا غیر بھی ہوتا ہے یعنی مرتبہ نوریت میں وہ ان کا عین ہوتا ہے اور مرتبہ حجابیت میں [یعنی بہ حیثیت حجاب کے] وہ ان کی ذات کا غیر ہوتا ہے یعنی وہ عین ذات نہیں ہوتی بلکہ ذات کا پردہ ہوتا ہے آؤ ہم اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں دیکھئے ہمارا ملک پاکستان ہے پھر اس ملک کے اندر کئی شہر ہیں جیسے اسلام آباد ہے کراچی ہے لاہور ہے کوئٹہ ہے اب اگر ہم تحلیلِ طبعی کے عمل کو ان پر اپلائی

Apply کر دیں تو یہ سارے شہر پاکستان کے غیر ہیں کیونکہ یہ تو پاکستان کے شہر ہیں پاکستان تو نہیں ہیں

اب اس تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں کہ پاکستان کے سارے شہر انفرادی طور پر پاکستان نہیں تو پھر پاکستان کہاں ہے؟ کیونکہ جب ہم ایک ایک شہر کو دیکھیں گے تو ہم دیکھیں گے کہ یہ بھی شہر ہے یہ بھی شہر ہے اس طرح سارا پاکستان شہروں میں گم ہو جائے گا اور ہمیں پاکستان نہیں ملے گا بات صرف اتنی ہے کہ بہ حیثیت شہر ہر شہر پاکستان کا غیر ہے یعنی پاکستان نہیں ہے اور بہ حیثیتِ کل اس کا ہر شہر عین پاکستان ہے بلاتشبیہ اسی طرح انوارِ ازلیہ واولیہ علیھم الصلوات والسلام کے حجاباتِ نوران کے عین بھی ہیں اوران کے غیر بھی ہیں

ایک دن ہم ملتان کی سیر پہ گئے اور میرے ساتھ میرا چھوٹا بھائی حسنؑ رضا بھی تھا اور وہ اس وقت بہت چھوٹا تھا اور پہلی بار گھر سے باہر نکل رہا تھا اس نے راستے میں ہر چیز کے بارے میں بہت دلچسپ سوالات کا سلسلہ جاری رکھا جب ہم ملتان کینٹ میں پہنچ گئے تو اس نے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ میں نے بتایا کہ یہ کینٹ کا علاقہ ہے یہاں ایک فوجی چھاونی ہے اس کے بعد ہم ایک جگہ پر گئے وہاں ملتان کا قلعہ دیکھا تو اس نے پوچھا کہ یہ کون سی چیز ہے؟ میں نے کہا کہ یہ شاہی قلعہ ہے جب ہم واپس اپنی رہائش گاہ کی طرف آرہے تھے تو اس نے ایک عجیب سوال کر دیا اور کہا بھائی جان آپ نے ساری جگہیں تو دکھائی ہیں مگر ہم نے ملتان تو نہیں دیکھا وہ ہم کب دیکھیں گے؟

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے ملتان کی ساری چیزیں تو دیکھ لی تھیں مگر ملتان کہیں نظر نہیں

آیا تھا اب بتائیں وہ ملتان کہاں تھا؟

اسی طرح مرتبۂ وحدانیت میں سارے معصومین علیھم الصلوات والسلام عین مدینۃ العلم ہیں اور عین ہی باب ہیں اور خود ہی بلد الامین ہیں اور خود ہی دار السلام ہیں مگر ان کی یہی حیثیتیں ان کی عین ذات بھی ہیں اور ان کی غیر بھی ہیں

دوستو میں نے جس طرح پہلے اعتباری انداز میں بیان کیا تھا کہ انسان جب شیطان کی عملداری کے علاقے سے نکل جاتا ہے تو مالک کائنات جل جلالہ کے شہر امن میں آجاتا ہے اور وہ جملہ خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب کوئی کمانڈو دشمن کی سرحد کو عبور کر لیتا ہے تو کیا اس کا سفر ختم ہو جاتا ہے؟ ہرگز نہیں

بات یہ ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے ملک میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ سارے خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اسے آگے بھی جانا ہوتا ہے یعنی اپنے شہر میں اپنے گھر بھی جانا ہوتا ہے اسی طرح جب سالک اپنے مالک کے شہر میں پہنچ جاتا ہے تو اسے قصرِ شاہی تک جانا ہوتا ہے اور اپنی جدوجہد اور کامیابی پر اپنے منعم ازل عجل اللہ فرجہ الشریف سے انعام پانا ہوتا ہے اس لئے اس کی منزل قصرِ شاہی ہوتا ہے نہ کہ اس کا مقصود صرف گلی کوچے ہوتے ہیں

دوستو اس سفر میں انسان کا مقصود ''دار السلامؑ'' ہوتا ہے اور یہ بھی شہنشاہ معظمؑ کا ایک اسم مبارک ہے اور اس پر ہم بات پھر کبھی کریں گے

عرفا کا قول ہے کہ عارف شجاع ہوتا ہے اور وہ شجاع کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ شجاع وہ ہے جو شیطان سے بہادری سے ٹکر لے اور پھر اس سے اپنے آپ کو آزاد

کروالے یعنی وہ شجاعت کی وجہ سے ابلیس پر اور اپنے نفس پر فتح پالے اور نکیرین کے سامنے شجاعت کا مظاہرہ کرے

حقیقت یہ ہے کہ چور کبھی محتسب کے سامنے شجاعت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا اس لئے محتسب کے سامنے مظاہرہ کرنے کیلئے دامن کا صاف ہونا لازم ہوتا ہے اور دامن صاف نہیں ہوتا جب تک انسان شیطان کی عملداری سے نہ نکل جائے اس لئے عرفا کا فرمان ہے کہ تو وہ عمل کر جسے نہ ابلیس دیکھ سکے اور نہ کراماً کاتبین لکھ سکیں اور نہ نکیرین پوچھ سکیں اور وہ عمل ہمیشہ خلوص سے کیا ہوا ہوگا کیونکہ خلوص کو نہ شیطان چھیڑ سکتا ہے اور نہ کراماً کاتبین لکھ سکتے ہیں اور نہ نکیرین پوچھ سکتے ہیں یعنی یہ وہ عمل ہوتا ہے جو بلدالامین شہرامن کے داخلے کے بعد کیا جاتا ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خلوص کیا ہے؟

اس کا مختصر اور جامع جواب یہ ہے کہ جملہ اعمال و عبادات میں اپنے لئے کچھ بھی نہ چاہنا کیونکہ دنیا و عقبیٰ دونوں میں سے جس کیلئے بھی عبادت کی جائے وہ خلوص کے منافی ہے یہ حقیقت ہے کہ لالچ لالچ ہے چاہے جنت ہی کا کیوں نہ ہو اور ہمارے زمانے میں تو خلوصِ نیت کی آسان ترین تشریح یہ ہے کہ اپنے جملہ اعمال کی نیت یہ ہو کہ اگر خالق اس کی کوئی جزا ہے تو اس کے بدلے میں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی مسرتوں کا زمانہ جلدی لا، اس کے بدلے میں اگر ہمیں برباد بھی ہونا پڑے تو ہو جائیں مگر ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اجداد طاہرین علیہم الصلوات و السلام کا گھر اطہر دوبارہ اس دنیا میں آباد و شاد ہو جائے ان کے اجداد طاہرین علیہم الصلوات و السلام کا انتقام ہو ان کے دکھوں کا ازالہ ہو جائے

یعنی اپنے لئے ترکِ دعا کرنا اور اپنی دعاؤں کو پاک گھر کیلئے وقف کر دینا بھی خلوص کا ایک حصہ ہے کیونکہ جس طرح دوسری چیزوں میں ایثار کیا جا سکتا ہے اسی طرح دعا میں ایثار کیا جا سکتا ہے اور ایثار یہ ہوتا ہے کہ خود محتاج ہوتے ہوئے دوسرے کیلئے سوچنا، یعنی انسان خود بھوکا ہے اور اسی وقت کوئی مومن بھائی بھی بھوکا ہے تو خود بھوکا رہ کر اسے کھانا کھلا دینا ایثار ہے اسی طرح اپنے ہزاروں حاجات کی موجودگی میں بھی اپنے لئے کچھ طلب نہ کرنا اور اپنے مالک کے گھر کیلئے خوشیوں کو طلب کرنا یہ بھی ایثار ہے اور سب سے افضل ایثار ہے

دوستو انسان جب دعا کرتا ہے یا سوال کرتا ہے تو وہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک سوال یا دعا زبانِ قال سے کی جاتی ہے اور دوسرا سوال یا دعا زبانِ حال سے کی جاتی ہے اور یہ بھی عرفا کا کہنا ہے کہ کوئی بھی رحمت یا عطا بغیر سوال کے نہیں ہوتی یعنی یا انسان زبانِ حال سے سوال کر رہا ہوتا ہے یا زبانِ قال سے اور خلوص یہ ہے کہ زبانِ قال سے بھی صرف دعائے تعجیلِ فرج کرے اور زبانِ حال سے بھی محمدؐ و آل محمدؐ علیھم الصلوات و السلام کی ابدی مسرتوں کا طالب رہے

اب ہم سب یہ دعا کریں کہ رب ذوالجلال والاکرام ہمیں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ابدی خوشیوں کا دور جلدی دکھائے

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاھرین المعصومین

﴿ عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه ﴾

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے متلاشیانِ وارثِ حقیقی

شہنشاہِ معظم سرکار امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ پہ میں نے ایک سلسلۂ بیان شروع کر رکھا ہے اور ایک ایک کر کے ہم اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں جب میں نے اس سلسلے کا آغاز کیا تھا تو اس وقت آپ کو بتایا تھا کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ کی تعداد چار سو کے قریب ہے اور یہ بھی ہماری تلاش کی کمی و کوتاہی ہے ورنہ ان کے اسمائے مبارکہ کی تعداد تو بہت زیادہ ہے اور آج میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ اب تک میں 600 سو سے بھی زیادہ اسما و القابِ مبارکہ تلاش کر چکا ہوں مگر یہ بھی کوئی حتمی تعداد نہیں ہے

آج ہمارے سامنے جو اسم مبارک ہے وہ ہے **الوارث** عجل اللہ فرجہ الشریف یہاں یہ

بات بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ اسم مبارک مفرد بھی آیا ہے اور مرکب بھی آیا ہے یعنی کئی دیگر الفاظ سے ترکیبی حالت میں بھی آیا ہے جیسا کہ

() وارث الانبیاؑعجل الله فرجه الشريف () وارث المرسلینؑ عجل الله فرجه الشريف

() وارث المظلو مینعجل الله فرجه الشريف () وارث آل محمدؐعجل الله فرجه الشريف

() وارث المومنینعجل الله فرجه الشريف

آج ہم اسم مبارک الوارثعجل الله فرجه الشريف کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہیں گے کیونکہ جب وارث مطلق کے بارے میں گفتگو ہوگی تو سارے اسمائے مبارکہ کی تشریح خود بخود ہو جائے گی

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ وارث کا مادہ وَ رَثَ ہے اس کے معنی کو سمجھانے کیلئے عرض کروں گا کہ عربی میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ایک ہے مالک اور دوسرا ہے وارث ان میں فرق یہ ہے کہ مالک کسی چیز کے مالک اول کو کہتے ہیں اور مالک اول کی دو صورتیں ہوتی ہیں

() پہلی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بازار سے کوئی چیز خریدی ہے اس کی قیمت اس نے خود ادا کی ہے تب جا کر وہ اس کا مالک ہوا ہے

() کسی شخص نے ایک چیز خود بنائی ہے کیونکہ اسے اس نے خود ہی بنایا ہے اس لئے اس کا مالک اول وہی بنانے والا ہی ہے

اب یہی چیزیں اس کی زندگی میں یا اس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی اولاد کو ملتی ہیں وہ بھی ان چیزوں کے مالک ہو جاتے ہیں مگر انہیں مالک نہیں کہا جاتا بلکہ انہیں وارث کہا جاتا ہے اگرچہ ہیں یہ بھی مالک مگر مالک اول نہیں بلکہ انہیں یہ چیزیں

وراثت میں ملی ہیں والد یا کسی عزیز کے میراث میں اسے ملی ہیں اس کی ذاتی نہیں ہیں کیونکہ یہ چیزیں اس نے نہ ہی خریدی ہیں اور نہ ہی اس نے خود بنائی ہیں

امید ہے اب مالک اور وارث کے مابین جو فرق ہے وہ آپ سمجھ گئے ہوں گے اب ہم آگے بڑھتے ہیں دوستو جو جو چیزیں انسان کو میراث میں ملتی ہیں ان کے کئی اقسام ہوتے ہیں یعنی وہ کئی قسم کی ہوتی ہیں مثلاً

() مال متروکہ یعنی منقولہ و غیر منقولہ جائداد، اثاث البیت، مال و دولت زمین، جائداد، غلام، کنیزیں الغرض دنیا کی ہر وہ شے جسے ملکیت کہا جاتا ہے

وہ وراثت میں ملتی ہے اور اس کیلئے ہر مذہب کے اندر ان کی فقہ میں تقسیم میراث کے قوانین موجود ہیں کہ پس ماندگان کو مال متروکہ میں سے کتنا حصہ آتا ہے اس میں طبقات ہوتے ہیں کئی رشتہ دار طبقہ اولیٰ میں آتے ہیں وہ زیادہ حصہ پاتے ہیں اور کئی کم حصہ پاتے ہیں

اسی طرح کئی چیزیں تقسیم نہیں ہوتیں بلکہ بڑے بیٹے ہی کو دی جاتی ہیں اور کئی لوگوں کو وصیت کی وجہ سے طبقہ اولیٰ میں شامل کیا جاتا ہے یہ علم الفقہ کے مسائل ہیں میں جن میں آپ کو نہیں الجھانا چاہتا

() یہ نہیں ہے کہ انسان کو وراثت میں صرف مال و دولت ہی ملتے ہیں بلکہ کئی اور چیزیں بھی ملتی ہیں مثلاً دوستیاں، دشمنیاں، قرضے، ادائیگیاں، نفرتیں، ذلتیں یعنی کسی نے اپنے اعمال سے کسی سے بلا وجہ دشمنی خرید لی تو یہ اولاد کو بلا وجہ وراثت میں مل جاتی ہے انسان نے کوئی ایسا کام کیا کہ جو بدنام کرنے والا تھا تو اس سے اس کی اولاد کو نفرتیں اور ذلتیں بن مانگے مل جاتی ہیں کچھ لوگوں نے اچھے کام کئے ہوتے

ہیں تو معاشرے میں انہیں والدین سے وراثت میں نیک نامیاں بھی ملتی ہیں جس طرح وراثت میں بادشاہوں کو تاج ملتا رہا ہے اسی طرح سے بعض لوگوں کو غلامی بھی وراثت میں ملتی رہی ہے میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وراثت میں جہاں عزتیں اور عظمتیں ملتی ہیں اسی طرح ذلتیں اور بدنامیاں بھی ملتی رہتی ہیں اور یہ بھی وراثت کی ایک قسم ہے

آج جدید سائنس نے جینز E پر تحقیق کے بعد ایک قانون وضع کیا ہے جس کا نام ہے قانونِ وراثت یا (Law of Inheritance)

انسانی جینز کے مسلسل مطالعہ کے بعد پتہ چلا ہے کہ انسان شکل وصورت، رنگ و روپ، خدوخال اور پورا Body Structure بھی وراثت میں پاتا ہے یعنی کسی آدمی کے ماں باپ کی آنکھوں کا رنگ سیاہ تھا مگر اس کی آنکھوں کا رنگ نیلا ہے تو یہ لازماً اس کے والدین کے آباواجداد میں سے کسی نہ کسی سے وراثت میں آیا ہے جیسا کہ امام صادق علیہ الصلوات و السلام کا جب ظہورِ اجلال ہوا تھا تو انہیں جب امام زین العابدین علیہ الصلوات و السلام کی خدمت میں پیش گیا تو انہوں نے لختِ جگر کو پیار کیا اور ان کی پاک آنکھوں کی طرف نگاہ فرمائی تو ان کا رنگ نیلگوں پایا تو فرمایا یہ رنگ انہوں نے اپنی جدہ طاہرہ صلوات اللہ علیہا کے خاندان سے پایا ہے کیونکہ شہنشاہانِ ایران کے پورے خاندان کی آنکھوں کا رنگ نیلگوں تھا

اسی طرح انسان کو بیماریاں بھی وراثت میں ملتی ہیں اور آج جینز کی سٹڈی کے بعد بتایا جا سکتا ہے کہ اس آدمی کی اولاد میں فلاں فلاں بیماریاں وراثت میں منتقل ہوں گی یعنی ایسی کئی چیزیں بھی وراثت میں ملتی ہیں اور انسان کو اس کا وارث بننا پڑتا

ہے کئی طرح کی جسمانی روحانی و ذہنی بیماریاں انسان کو وراثت میں ملتی ہیں

ان وضاحتوں کے بعداب ہم واپس اپنے موضوع پر آتے ہیں جیسا کہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا اسم مبارک ہے

وراثؑ عجل اللہ فرجہ الشریف

یعنی یہ اللہ کے بھی وارث ہیں، انبیا علیہم السلام کے بھی وارث ہیں، آئمہ طاہرین علیہم الصلوات و السلام کے بھی وارث ہیں، مومنین کے بھی وارث ہیں اور محمدؐ و آل محمدؐ علیہم الصلوات و السلام کے بھی وارث ہیں

اب دیکھیں کہ یہ اپنے اجداد طاہرین علیہم الصلوات و السلام کے بھی تو وارث ہیں تو انہیں وراثت میں کیا کیا ملا ہے؟

شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم عالمین کے مالکِ اول ہیں، سارے ارض و سما کے مالک ہیں، جملہ عالم موجود کے مالک ہیں، پھر ان کی وراثت میں ہر چیز ان کی پاک آل اطہار علیہم الصلوات و السلام کی طرف منتقل ہوئی اور اسی طرح چلتے چلتے آج اس ہر چیز کے وارث شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں

جو بھی شیعہ ہے وہ اس مسلمہ عقیدے سے انکار نہیں کر سکتا کہ دونوں جہاں یعنی دنیا و عقبٰی، ساتوں بہشت سمیت ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کے حق میں دیئے گئے تھے اور وہ ان کی مالکہ تھیں اس لئے قانونِ وراثت کے لحاظ سے آج ان ساری چیزوں کے ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف وارث ہیں

یہاں ایک بات عرض کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حق مہر ہمیشہ اپنے ذاتی مال میں سے ادا کیا جاتا ہے یعنی اس مال سے ادا کیا جاتا ہے کہ جس کا وہ مالک ہو اور یہ بھی

ہے کہ حق مہر ہمیشہ شوہر پر واجب ہوتا ہے اور فرمایا یہ گیا ہے کہ یہ دنیا، عقبیٰ، ساتوں بہشت، ساری دنیا کے دریا، یہ سب کچھ ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کا حق مہر ہے تو ثابت ہوا یہ ملکیت تو امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام کے تھے مگر انہوں نے حق مہر میں یہ سب کچھ دے دیا

مالک اول کیلئے تین شرائط ہوتے ہیں یا تو وہ اس چیز کا خود بنانے والا ہو یا پھر اس چیز کا خرید کرنے والا ہو یا وہ چیز اسے بخش دی گئی ہو

اب امیر المومنین علیہ الصلوات و السلام جو ان چیزوں کے مالک تھے تو ان تین شرائط کے ساتھ تھے یا تو یہ مانیں کہ دنیا، عقبیٰ، ساتوں بہشت، یعنی دونوں جہانوں کو انہوں نے خود اپنے دستِ مبارک سے بنایا تھا اسی لئے وہ ان کے مالک تھے اگر یہ ساری چیزیں انہوں نے خود بنائی ہیں تو پھر یہ خود سوچیں کہ خالق کائنات کون ہے؟ خالق ارض وسما کون ہے؟ خالق انبیا ورسل کون ہے؟

کہیں نصیریوں کا عقیدہ درست تو نہیں ہے؟

اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ ساری چیزیں انہوں نے خریدی ہوئی ہیں اور اسی لئے یہ ان کے مالک ہوئے ہیں تو خرید فروخت کی جو طرحیں رائج ہیں ان میں سے ایک ہے زر کے بدلے مال، دوسری ہے مال کے بدلے مال، تیسری ہے محنت کے بدلے مال

اب اگر ہم یہ کہیں کہ انہوں نے یہ ساری چیزیں خریدی ہوئی ہیں تو کیا انہوں نے کوئی زر دی ہے کہ جس کے بدلے میں خریدی ہیں؟ یا انہوں نے کوئی مال دیا ہے کہ جس کے بدلے میں انہوں نے یہ ساری چیزیں لی ہیں؟

یا پھر انہوں نے کوئی محنت کی ہے جس کے بدلے میں انہوں نے یہ ساری

چیزیں خریدی ہیں؟

یہاں یہ بھی تو سوچنا ہوگا کہ انہوں نے یہ ساری چیزیں کس سے خریدی ہیں کوئی بائع ہی نہ ہوتو مشتری کیا خرید کرسکتا ہے اس لئے لازم ہے کہ انہوں نے یہ ساری چیزیں کس سے خریدی ہیں؟ یا اللہ سے خریدی ہیں یا اپنے نوراول سے خریدی ہیں؟ یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے اس لئے یہاں ہم ایک عام آدمی کی طرح سوچ لیتے ہیں اور فرض کرلیتے ہیں کہ انہوں نے یہ ساری چیزیں اللہ جل جلالہ سے خریدی ہیں

تو یہاں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ انہوں نے کون سی زردولت دی ہے جس کے بدلے میں یہ ساری چیزیں ملی ہیں یعنی ان کے پاس کوئی ایک دولت ایسی ضرور موجودتھی کہ جس کے بدلے میں یہ ساری چیزیں خریدی گئی ہیں وہ دولت کیا تھی؟ کہ جو اتنی قمیت کی حامل تھی کہ جس سے اللہ جل جلالہ کی ساری ملکیت خریدی جاسکتی تھی وہ جو بھی تھی لیکن تھی ضرور

اب کوئی قرآن کریم کی ایک آیت کو یہاں لاکر پیش کرسکتا ہے جس میں ہے کہ

و من الناس من یشری ......الخ کہ انہوں نے اپنی جان دے کر یہ ساری چیزیں خریدی ہیں

یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ جان کے بدلے رضا کا جوسودا ہوا ہے یہ تو اس عالم ظہور کے بعد کا ہے ازل کا نہیں ہے

دوسری بات یہ ہے کہ یہ سودا بہشتوں کا نہیں اللہ جل جلالہ کی رضا کا ہے اور یہ ساتوں بہشت دونوں جہاں تو جب سے خلق ہوئے ہیں اسی او زِاول سے ان کی ملکیت تھے یہ سودائے رضا تو بہت بعد کی بات ہے

بہر حال یہ ازل ہی سے کسی دولتِ عظیم کے دھنوان ضرور تھے

اگر ہم فرض کر لیں کہ اللہ جل جلالہ نے انہیں یہ ساری چیزیں بخش دی تھیں یعنی دونوں جہاں انہیں اللہ نے بغیر کسی وجہ کے بخش دیئے تھے تو اس نظریے سے یہ تو پتہ چلتا ہی ہے کہ جنہیں کوئی چیز بخش دی جاتی ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اس بات کو ہم ایک اور طرح سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں

کئی باتیں ایسی ہیں جن کا ہم آئے دن مشاہدہ کرتے رہتے ہیں جیسا کہ ایک زمین دار کی وراثت میں اس کے ایک بیٹے کو ساری جائداد، زمینیں، مال، خزائن، پالتو جانور وغیرہ ملتے ہیں پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بیٹا ان چیزوں پر اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا رہتا ہے کوئی زمین کا پلاٹ بیچ دیتا ہے کوئی کسی کو بخش دیتا ہے کسی جانور کو ذبح کر دیتا ہے کسی کی خوراک بڑھا دیتا ہے کسی کی خوراک گھٹا دیتا ہے اسی طرح جب ہم یہ مان لیں کہ اللہ جل جلالہ نے انہیں ساری کائنات بخش دی ہے تو پھر یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ رزق دینا ان کی ڈیوٹی نہیں، مارنا جلانا ان کی ڈیوٹی نہیں ہے کیونکہ مملوکہ جانداروں کو کھانا پلانا مالک کی ڈیوٹی میں شامل ہوتا ہے

اپنے غلاموں کنیزوں کو اسباب حیات مہیا کرنا مالک کی ڈیوٹی میں شامل ہوتا ہے اور اس کے سوا کسی کی یہ ڈیوٹی اور ذمہ داری ہوتی ہی نہیں ہے ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس ڈیوٹی کو کسی اور کے سپرد کر دے مگر یہ نیابت میں ہوگی نہ کہ حقیقی ہوگی اب اگر عزرائیلؑ مارتا ہے یا میقائیلؑ رزق دیتا ہے تو یہ سب خود غلاموں میں شامل ہیں اور سارے کام اپنے مالک کی نیابت میں کرتے ہیں نہ کہ وہ ذاتی طور پر اس مقام پر فائز ہیں ان کی ڈیوٹی ایسی ہے جیسے کوئی اپنے غلام سے کہہ دے کہ تم میرے دوسرے

غلاموں میں کھانا تقسیم کردو یا میرے جانوروں کو پانی پلادو

یہ بھی ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو بھی وارث ہوتا ہے وہ All in All ہوتا ہے

جو چیز جسے چاہے بخش دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اسی طرح اگر ہم یہ ساری کائنات بخشی ہوئی سمجھیں تو یہ مالک ہیں چاہے جنت میں اصحاب کہف کے کتے کو داخل کردیں یا جناب سلمان محمدؐی کے کتوں کو داخل کردیں انہیں کوئی روک نہیں سکتا اسی لئے تو جنت اور عرش وکرسی کے اوپر ہر جگہ ان کا نام پاک لکھا ہوا ہے کہ کوئی شخص دھوکہ نہ کھائے کہ یہ ہمیں کوئی اور دے رہا ہے بلکہ پتہ چلے کہ اصل مالک کون ہے

پھر ایک دور آیا کہ انہوں نے یہ سب کچھ حق مہر میں جناب ملکہؑ عالمین صلوات الله علیها کو بخش دیا اور یہ بطور وراثت منتقل ہوتا ہوا کہاں پہنچا ہے؟ ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف تک اور اس دور میں وہی ان ساری چیزوں کے وارث ہیں کیونکہ یہ محمدؐ وآل محمدؐ علیهم الصلوات و السلام کے کلی وارث ہیں

اب اگر یہ فرمایا جائے کہ لیلۃ القدر میں یہی شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف اس کائنات میں موجود مخلوق میں سے جس کا چاہتے ہیں رزق بڑھا دیتے ہیں جس کا چاہتے ہیں رزق گھٹا دیتے ہیں تو اعتراض کیسا؟

اگر یہ فرمایا جائے کہ یہ اس کائنات میں موجود مخلوق کے رزق واولاد وموت حیات و صحت وسقم کے فیصلے خود فرماتے ہیں تو انکار کیوں؟ کیا انہیں وارث آل محمدؐ علیهم الصلوات و السلام بھی نہیں مانتے؟

ان کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک ہے وارث الآئمۃ علیهم الصلوات و السلام

حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کی ایک ایک چیز کے اکیلے وارث ہیں یہ ان کی جائداد و

ملکیت کے وارث ہیں یہ ان کی دستارِ فضیلت کے وارث ہیں یہ ان کی مسند امامت کے وارث ہیں یہ ان کے جملہ تبرکات کے وارث ہیں یہ ان کے خصائصِ حسنہ کہ وارث ہیں یہ ان کے اختیارات اور اقتدار کے وارث بھی ہیں اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ جو وارث ہوتا ہے وہ با اختیار ہوتا ہے اپنی ملکیت کو جب چاہے اور جسے چاہے بخش سکتا ہے عطا کر سکتا ہے بیچ سکتا ہے ختم بھی کر سکتا ہے

اور ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف منصبِ امامت کے وارث و مالک ہیں یہ تو جسے چاہیں اور جب چاہیں امام بنا سکتے ہیں اسی لئے تو آپ نے اپنے ظاہری ظہور اجلال کے روزِ اول ظاہر ہوتے ہی یہی اعلان فرمایا تھا

و نريد ان نمن على الذين استضعفوا فى الارض و نجعلهم الائمة و نجعلهم الوارثين

ہمارا ارادہ یہ ہے کہ جن لوگوں [یعنی مومنین] کو اس روئے زمین پر کمزور کر دیا گیا تھا ہم ان پر احسان کریں اور انہیں اس زمین پر منصبِ امامت عطا فرمائیں اور انہیں [اپنا] وارث بنائیں

یعنی جب شہنشاہِ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کا ظاہراً راج ہوگا تو اس وقت مومنین کو وہ اپنی نیابت میں اپنی وراثت میں شامل فرما کر امامت کے اختیارات سپرد فرما دیں گے اور خود وارث اللہ بن کر حکومت کا قیام فرمائیں گے

قرآن کریم میں آیت ہے و لله ميراث السمٰوٰت و الارض

یعنی میراثِ زمین و آسمان اللہ کیلئے ہے یعنی اللہ ہی نے سب کا وارث ہونا ہے

اسی طرح ارشاد ہے و انا نحن نحی و نميت و نحن الوارثين

یعنی ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارثین ہیں اس میں دیکھیں جمع کا صیغہ آیا ہے وارث نہیں آیا بلکہ وارثین کا لفظ آیا ہے

اسی طرح جناب نوح نے عرض کیا تھا

رب لا تذر .... وانت خیر الوارثین

اسی طرح کے کئی آیات ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ بھی وارث ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وراثت تو مالک سے ارث کی طرف میراث کی صورت میں منتقل ہوتی ہے تو اللہ جل جلالہ تو مالک ہے اسے وارث کہنا جائز ہی نہیں کیونکہ پاک انوارِ الٰہیہ ازلیہ علیہم الصلوات و السلام اس کے وارث تو ہو سکتے ہیں وہ ذات کسی کی کیسے وارث ہوسکتی ہے وہ کسی کی کس طرح میراث پا سکتی ہے؟

جبکہ ہم یہی دیکھتے ہیں کہ بعض ظالمین کی بستیوں کی بربادی کا ذکر فرمانے کے بعد خالق فرماتا ہے و کنا نحن الوارثین یعنی ہم ہی ان کے وارثین تھے

اس آیت میں دو باتیں ہیں ایک تو اللہ جل جلالہ ظالمین کی بستیوں کا کس طرح وارث ہوا اور اس کے ساتھ اس وراثت میں کون کون شامل تھے کہ اس نے جمع کے صیغے استعمال کیئے ہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے وارث ہونے کا مطلب کیا ہے؟

دوستو حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی جملہ ملکیت کا وارثِ حقیقی حجت دوراں کی ذات ہوتی ہے جیسا کہ یہ ساری زمین اللہ کی ملکیت ہے مگر اس پر وارث زمانے کے حجت اللہ علیہ السلام کو بنایا گیا جب بھی کسی قوم نے نافرمانی پر کمر کس لی تو انہیں اس طرح برباد کر دیا گیا کہ ان کی وراثت ظاہری پانے والا بھی کوئی نہ چھوڑا گیا اور یہ جملہ

حکومتوں کا قانون ہے کہ جب کوئی ایسا آدمی مرجائے کہ جس کا کوئی قانونی وارث موجود نہ ہوتو اس کی جملہ وراثت حکومت کی ملکیت قرار دے دی جاتی ہے اسی طرح جب ظالمین کی تباہی ہوئی تو ان کے جائداد واموال سب بحق سرکار ضبط ہو جائیں گے

کیونکہ سرکار کی طرف سے پاک خاندان علیہ الصلوات و السلام کووارث قرار دیا جاچکا تھا اس لئے وراثت کی آیت میں جمع کے صیغے لائے گئے کہ ہم سب وارث ہوئے اور جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ فلاں چیز کا اللہ وارث ہوا تو وہ وراثت اس طرح تھی کہ وہ ایک طرح سے تو مالک ہی تھا مگر جب اس کے ورثاء کو دنیا کی ظاہری وراثت بھی منتقل ہوئی تو اس نے ''ہم'' کہہ کر ان کی شرکت فی الوراثت کا اعلان بھی فرما دیا اور سب سے آخر میں جب سارے ظالمین سے صحن ہستی کو پاک کیا جائے گا تو اس وقت پھر شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجه الشریف اس پر مالک ومتصرف ووارث قرار پائیں گے اور اللہ جل جلالہ کا اس گھر سے کچھ ایسا قریبی تعلق ہے کہ وہ ان کی ہر بات کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرماتا رہتا ہے جیسا کہ یہ پتھر ماریں تو وہ کہتا ہے کہ میں نے مارا ہے اور یہ کسی کو فی النار کریں تو وہ فرماتا ہے کہ میں نے فی النار کیا ہے اس لئے جب ان کی حکومت کا قیام ہوگا تو وہ اس کے بارے میں فرماتا ہے وہ اللہ کی حکومت ہوگی اور اس وقت اس زمین کا وارث اللہ ہی ہوگا حالانکہ وہ حکوت ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجه الشریف کی ہوگی اور انہیں اللہ کا وارث قرار دیا جائے گا اور ان کی وراثت بھی بلا واسطہ نہیں ہے بلکہ وہ حقیقتاً اپنی جدہ طاہرہ صلوات اللہ علیہا کے حوالے و واسطے سے وارثِ ارض وسما قرار پائے ہیں اور ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کے وارث

ہونے کی وجہ ہی سے یہ اللہ کے بھی وارث ہیں

ظالمین کے وارث اس لئے ہیں کہ یہ وارثِ حقیقی ہیں انہوں نے نعماتِ دنیا ان کو بخش دیئے اور ان کی سرکشی کی وجہ سے سلب نعمات ہوا کہ جیسے مجرم کی جائیداد حکومت قرق کرتی ہے

مومنین کے وارث اس معنی میں ہیں کہ غلام کا وارث مالک ہوتا ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ جن جن چیزوں کا مالک ہے یہ اس کے وارث ہیں یعنی جن جن چیزوں کو اس نے پیدا کیا ہے یا خریدا ہے یہ اس کے مالک ہیں

دوستو یہ تو اس دنیا کا ہر مسلمان مانتا ہے کہ اس کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں سوائے شر کے جسے اللہ نے پیدا نہ کیا ہو اب جس جس چیز کے بارے میں آپ سوچتے جائیں کہ یہ اللہ نے پیدا کی ہے اس کے بارے میں صرف اتنا اور بڑھاتے جائیں کہ اس کے وارث اس دور میں ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف ہیں

دوستو میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ نے جس جس چیز کو بنایا ہے یا خریدا ہے اس دور میں اس کے مالک وو راث ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف ہی ہیں اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے ایک سودا شبِ ہجرت کیا تھا یعنی اپنے نورِ اول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی جان کے بدلے میں رضا دی تھی اس کے بعد ان کی جان کا مالک اللہ جل جلالہ ہوا اور اللہ کی رضا کے مالک جناب امیر المومنین علیه الصلوات و السلام ہوئے

اگر ہم اس مقام پر غور کرتے ہیں تو ہر طرح سے سودا ہمارے شہنشاہ معظم عجل الله فرجه الشريف کے ہی گھر میں آتا ہے کیونکہ ایک طرف یہ اللہ جل جلالہ کے وارث ہونے کے

ناطے سے اپنے جداطہر علیہ الصلوات و السلام کی جان کے وارث بھی ہو گئے اور دوسری طرف امیرالمومنین علیہ الصلوات و السلام کے وارث ہونے کے ناطے سے اللہ جل جلالہ کی رضا کے بھی وارث ہو گئے

اب یہاں مناسب ہوگا کہ ہم سب مل کر اس گھر اطہر کے کلی وارث کو دعا کریں کہ ان کی ابدی حکومت اور شان و جلالت الہیہ کا جلدی اظہار ہو اس دنیا سے ظالمین کا نام و نشان مٹا دیا جائے اور ان کے اجدادِ طاہرین علیہم الصلوات و السلام پر ہونے والے جملہ مظالم کا ازالہ ہو اس گھر کے ہر ایک اقدس فرد کی جھولی ابدی مسرتوں کے پھولوں سے اس طرح بھر جائے کہ ہر آغوش چمنستان بن جائے اور ان ابدی مسرتوں کے پھولوں میں سے ایک پھول بھی کبھی نہ مرجھائے اب یہاں میں میر انیس مرحوم کے ایک شعر کے ساتھ اس دعا کا اختتام کروں گا

یارب بتولؑ پاک کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ پھولوں سے گودی بھری رہے

﴿آمین یا رب العالمین﴾

یا رب محمدؐ و آل محمدؐ صل علیٰ محمدؐ و آل محمدؐ و عجل فرجھم بقائمھمؑ
عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیک